میرا بداؤں

(جو قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیاء ہے)

از

پروفیسر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

شائع کنندگان

محمد اویس صدیقی، محمد بلال صدیقی، محمد زید صدیقی

بی ۱۰/۳۰۶۔ گلبرگ ٹاؤن فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرا بداؤں

(جو قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیاء ہے)

از

پروفیسر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

شائع کنندگان

محمد اویس صدیقی، محمد بلال صدیقی، محمد زید صدیقی

بی ۱۰/۳۰۶۔ گلبرگ ٹاؤن فیڈرل بی ایریا۔ کراچی

جملہ حقوق بحق اہل بدایوں محفوظ

☆ باراول: ۲۰۰۳ء مطابق ۱۴۲۳ھ

☆ تعداد کتب: پانچ سو

☆ مطبع:

☆ کمپوزنگ: فیصل کمپوزر۔ ناظم آباد کراچی

☆ قیمت: 150 روپیہ

منجانب:

محمد اویس صدیقی

محمد بلال صدیقی

محمد زید صدیقی

محمد شکیب صدیقی

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشتملات

☆	ایک نظم	میری سوچ	۸
☆	حرف اول		۹
☆	پہلا باب	بدایوں اور اس کے اکابرین	۱۳
☆	دوسرا باب	آبادی اور بڑے خاندان	۵۳
☆	تیسرا باب	بدایوں کا کلچر	۷۷
☆	چوتھا باب	بدایوں کی معاشرتی زندگی	۱۱۱
☆	پانچواں باب	بدایوں شعروں کے آئینہ میں	۱۶۷
☆	چھٹا باب	مجلہ بدایوں سے	۲۴۹
☆	ساتواں باب	فانی پر ایک نفسیاتی نظر	۲۸۷
☆	آٹھواں باب	ایک گزارش	۳۰۸

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

تمام حمد و ثناء اس ذات واحد و لاشریک
کے لئے جس نے حضور اکرم ﷺ پر معراج
نبوت کو تمام کر کے اولیائے امت کے ذریعہ
سلسلۂ فیض و کرم جاری فرمایا۔

فائقؔ بدایونی

بدایوں

وہ شہر حقیقت میں جو فردوس نظر تھا
وہ نازش جاں مایۂ صد قلب و جگر تھا
اب راستے اس شہر کے مسدود ہوئے ہیں
وہ شہر بدایوں وہ جو کل تک مرا گھر تھا

فائق بدایونی

میں واقف آداب ہوں حد سے نہیں بڑھتا   ڈھلتا ہوا سورج کبھی سر پر نہیں چڑھتا

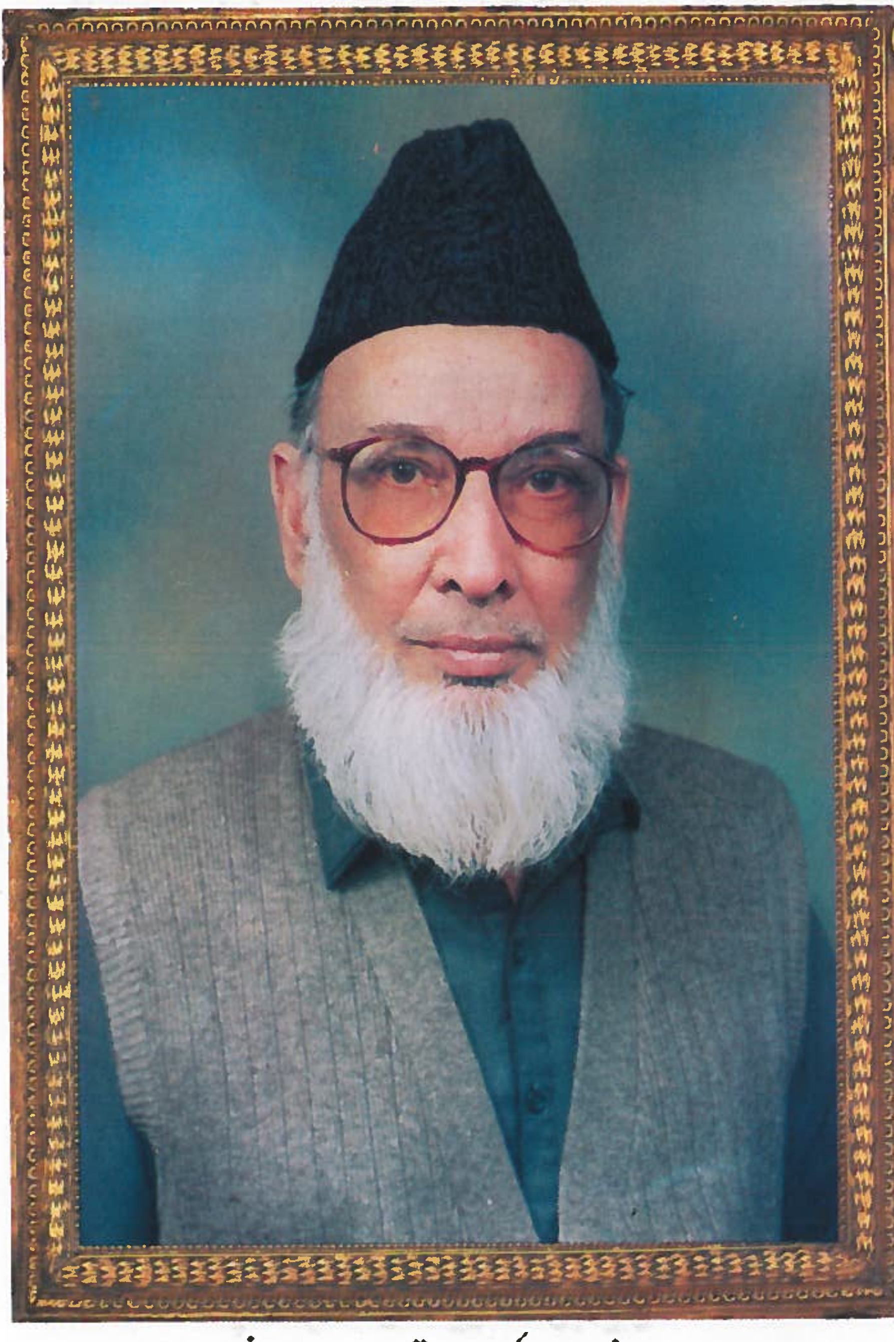

پروفیسر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

چمکے ہیں اندھیرے میں بکھیرے ہیں اجالے ہم بھی تو کبھی صورت مہتاب رہے ہیں

پروفیسر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

انتساب

میں اپنی اس کوشش کو بدایوں کے بزرگ و معروف محقق اور مورخ حضرت ضیاء علی خاں اشرفی کے نام نامی سے منتسب کرتا ہوں جنہیں میں نے دیکھا نہیں مگر ان کی تصانیف کے ذریعہ ان سے واقف ہوں۔

محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

☆☆☆

میری سوچ

اوروں سے جدا ہے یہ مری سوچ کا انداز
ہے خاک بدایوں مجھے یوں باعث اعزاز
اس خاک میں پنہاں مجھے یہ راز ملا ہے
اجداد سے میرے اسے اعزاز ملا ہے

اسلاف کا ہے وادیٔ بطحا سے تعلق
ہم بھی تو اسی وادی رحمت کے مکیں ہیں
ہاں آٹھ صدی قبل وہاں آئے تھے لیکن
ہم لوگ بدایوں کے مقامی تو نہیں ہیں

تاریخ بھی اس بات پہ دیتی ہے گواہی
پیچھے کبھی مڑ کے ذرا ماضی کو صدا دیں
وہ روح سفر پیکر انوار ملیں گے
مکہ سے جو نکلیں تو مدینہ کو سجادیں

ہم کو بھی انہی لوگوں سے کچھ ورثہ ملا ہے
اس خاک سے ہی آئینہ دل کو جلا ہے
ہے خاک بدایوں بھی مجھے باعث اعزاز

فائقؔ بدایونی

حرف اول

برادرم پروفیسر اخلاق اختر حمیدی ایک دن میرے غریب خانے پر تشریف لائے ۔دوران گفتگو انہوں نے سہ ماہی مجلۂ بدایوں کے لئے مضمون لکھنے کی فرمائش کی۔انہیں دیکھ کر مجھے ان کی تاریخ دانی اور ترقی پسندانہ سوچ کی وہ ادائیں یاد آنے لگیں جن کے مطابق وہ بدایوں کی عظمت کو ویدوں بیدوں اور بدھوں سے ملانے کے ساتھ بیدامؤ، بدھ مو، ویداموتھ اور بھداون کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اس کی عظمت کے سلسلے راجہ مہیپال اور راجہ چندر پال کی عظمت سے ملاتے ہیں مگر میں تو تاریخ کا آدمی نہیں اس لئے میں مرغ کے بیان میں انڈے کی ماہیت بیان نہیں کرتا۔میر ابداؤں ۴۰۶ھ سے آباد ہوا ہے جس میں حضرت ملھم شہیدؒ، حضرت علی شہیدؒ اور حضرت الھم شہیدؒ جیسے کاملین و متقی مجاہدین کے خون سے رنگ بھرا گیا ہے۔جو قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیاء ہے۔جسے میں ”بغداد الہند“ بھی کہتا ہوں وہ میر ابداؤں ہے چنانچہ میں نے اسی عنوان سے ایک مضمون مجلۂ بدایوں کے لئے لکھنا شروع کیا، مگر جب قلم اٹھایا تو خیالات و تصورات نے ایسی یلغار کی کہ انہیں مرتب کرنا مشکل ہو گیا اور تحریر مضمون کی حد سے متجاوز ہو کر کتاب کی حد میں داخل ہونے لگی مگر میں تحریر کو مختصر کرنے کی ہی کوشش میں لگا رہا، تاہم اس نے

ایک کتاب کی شکل اختیار کر لی۔

زیر نظر تحریر میں جو کچھ آپ کو نظر آئے اس میں ''علم'' میرا نہیں ہے مستعار ہے۔ ''جذبہ'' میرا نہیں ہے خداداد ہے ''زبان'' میری نہیں بدایوں کا فیضان ہے۔ ہاں کتاب پر نام میرا ہے یا وہ چند اغلاط میری ہوں گی جو میری کم علمی کی بدولت تحریر کے دوران سرزد ہوئی ہیں۔ جہاں تک اس کتاب کے انتساب کا سوال ہے تو وہ میں نے دماغ کی نہیں دل کی پکار پر کیا ہے۔ اس لئے کہ ضیاء علی خاں اشرفی صاحب نے بدایوں اور اولیائے بدایوں پر جس عقیدت محبت محنت اور مشقت سے لکھا ہے وہ بے مثال ہے۔

میرے نزدیک اولیائے بدایوں کی نسبت و فیضان نے خود انہیں اپنی صف میں شامل کرلیا ہے۔ میں یہ انتساب اگر ان کے نام نہ کرتا تو پھر اسے بدایوں کے جواں سال قلم کار تسلیم اللہ غوری سے معنون کرتا، اس لئے کہ انھوں نے جوانی میں ہی بدایوں اور اہل بدایوں پر اتنا لکھا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ میں نے کتاب میں چار پانچ جگہ ان کے حوالے اور اقتباس پیش کیئے ہیں۔ اگر میں اس کتاب کو پاکستان میں موجود کسی بدایونی سے منسوب کرتا تو وہ میاں ابرار علی صدیقی، فاطمہ ثریا بجیا، الحاج شمیم الدین، ایم۔ ایچ جلیسی، سید مسعود علی نقوی، میاں عبدالمجید محمد اقبال قادری، ڈاکٹر اسد اریب، نذر الحسن صدیقی، نیاز بدایونی، اخلاق اختر حمیدی یا محمد وسیم عمر میں سے کوئی ہوتا۔ مجھے معلوم ہے کہ ان لوگوں نے پاکستان میں بدایوں کا نام زندہ رکھنے کیلئے کیا کچھ کیا ہے۔

اگر انتساب ان شخصیتوں کے نام مقصود ہوتا جو پاکستان آ کر ہم سے جدا ہو کر ابدی نیند سو چکے ہیں تو مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ضیا القادری ڈاکٹر افضال قادری۔

چودھری ابوالفضل صدیقی۔ڈاکٹر امیر حسن صدیقی۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔مولوی محمد سلیمان۔کموڈور خالد جمیل، عبدالستار (بانی مجلہ بدایوں)۔پروفیسر محمد ایوب قادری، انجم فوقی بدایونی، جام نوائی، منور بدایونی، محشر بدایونی، دلاور فگار، شہید بدایونی (موتی میاں) علی مقصود حمیدی یا سید سبط نبی نقوی سے منتسب کرتا۔ان بزرگوں کے نام انتساب نہ ہونے کے باوجود ان کے ناموں کے حوالے کی وجہ سے ایک طور پر یہ کوشش ان سے بھی منتسب ہوئی ہے۔اس کتاب کے اخراجات کا بوجھ میں نے اپنے بیٹوں پر اس لئے ڈالا ہے کہ بدایوں کے لئے کچھ کرنے والوں میں ان کا نام بھی شامل ہوجائے۔نہ ان کی پیدائش بدایوں کی ہے اور نہ انہوں نے بدایوں دیکھا ہے مگر وہ پھر بھی بدایوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ویسے ۲۶/ اپریل ۱۹۵۲ء کے بعد میں نے بھی بدایوں نہیں دیکھا ہے۔اسی لئے میرا بداؤں پچاس سال پہلے کا ہے۔اور کتاب ہذا میں کم وبیش کوائف بھی اسی وقت کے ہیں جو شاید بدایوں میں موجود نئی نسل کیلئے کہانی ہونگے۔

محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

☆☆☆

بداؤں

نازم بہ بداؤں کہ سوادش ہمہ محشرؔ
دارد بہ کنار اہل ولا و شہدارا

اکرام اللہ محشرؔ بدایونی
۱۷۵۰ء

اے محشرؔ مجھے بداؤں پر ناز ہے کہ یہ خطہ اپنی آغوش میں اہل محبت اور شہدا کو لیئے ہوئے ہے یا مجھے بداؤں پر ناز ہے کہ یہ خطہ وہ محشر تمام ہے جو اپنی آغوش میں محبت والوں اور شہیدوں کو لئے ہے۔

لفظ محشر میں صنعت ایہام ہے۔

فانیؔ بدایونی

پہلا باب

بدایوں اور اسکے اکابرین

بداؤں یا بدایوں.......... اکابرین کی بدایوں آمد.......... حضرت میرانجیؒ
.... سید سالار مسعود غازیؒ.......... ماموں بھانجےؒ.......... سید
اعزالدین یمنیؒ.......... حضرت سلطان العارفینؒ.......... حضرت شاہ
ولایتؒ.......... حضرت مطیع اللہ شروانیؒ.......... خواجہ سید احمد بخاری
ؒ.......... حضرت نظام الدین اولیاؒ.......... خواجہ سید عرب بخاریؒ..... خواجہ سید
علی بخاریؒ.......... حضرت شرف الدین اعلیٰ قبائیؒ.......... حضرت علاالدین
اصولیؒ..... حضرت دانیال قطریؒ.......... حضرت ملا عبد اللہ مکیؒ
..... حضرت نجیب اللہؒ..... حافظ محمد یعقوبؒ..... شیخ شہاب الدین
مہرہؒ..... حضرت حمید الدین گنوریؒ..... قاضی محمد جلیسؒ..... شیخ مجید
الدین گنوریؒ..... حافظ ضیا الدین نخشبیؒ..... ہفت احمدؒ..... شیخ
احمد خنداںؒ..... شیخ احمد نوریؒ..... شیخ احمد ذکی نہروالؒ..... شیخ احمد
خیاطؒ..... شیخ احمد بھرتولؒ..... شیخ احمد بودلہؒ..... شیخ احمد معشوقؒ اور شیخ
احمد تفتہؒ..... چند پاک بی بیاں..... مختصر یہ کہ.....

بداؤں یا بدایوں!

کیا اہل بدایوں میں کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ لفظ بداؤں کسطرح کیوں اور کب بدایوں ہوگیا۔ اگراس تبدیلی کی کوئی خاص تاریخ واقعہ یا معلوم وجہ ہے تو وہ میرے علم سے باہر ہے۔ ہاں اندازہ یہ ہے کہ یہ تبدیلی انگریزی تسلط کے بعد وقوع پذیر ہوئی ہے اور اس تبدیلی کا نہ تو کوئی محرک ہے اور نہ ارادہ۔ اغلب یہ ہے کہ جب انگریزی رائج ہونے کے بعد لفظ بداؤں انگریزی زبان میں لکھا گیا یا لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو اسکے ہجے کا مسئلہ سامنے رہا ہوگا یعنی (بداؤں) Badaoon لکھنا نا مناسب معلوم ہوا اور نام کا آغاز Bad کے ٹکرے سے گریز کر کے Bud لکھا گیا حالانکہ اردو میں بد موجود ہے مگر انگریز ایسی ظاہری دلداری میں مہارت رکھتا ہے اس لئے A کو U سے بدل دیا گیا رہا باقی (آؤں) Aoon تو اس میں ایک تو خرابی یہ کہ انگریزی لہجہ کے لحاظ سے تلفظ میں N ن غناں نہیں ہوتا بالا علان رہتا ہے اور لفظ آون بن جاتا ہے دوم یہ کہ Aoo یعنی تین واول ایک ساتھ لسانی نقطہ نظر سے ضعیف ہیں اسلئے OO کو ہٹا کر U کردیا گیا اسطرح بداؤں کے ہجے جو گزٹ بھی کئے گئے تھے Budaun قرار پائے جو آج تک رائج ہیں اور اسطرح انگرزی میں لکھے ہوئے نام کو جب تلفظ کیا گیا تو وہ بدایوں ہوگیا مگر عرصہ تک اردو میں بداؤں ہی لکھا جاتا رہا انگریز نے اور انگریزی پسندوں نے اسے بدایوں کیا میں چشم دید گواہ ہوں کہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۲ء تک اسٹیشن پر شہر کا نام بداؤں ہی لکھا تھا اسکے بعد سے میں نے کہیں بداؤں لکھا نہیں دیکھا۔

"بجائے سرمہ دردیدہ کشم خاک بداؤں را"

قاتل تری گلی بھی بداؤں سے کم نہیں
جسکے قدم قدم پہ مزار شہید ہے

خسرو اور مصحفی دونوں نے بداؤں لکھا ہے میرا خیال ہے کہ شاید فانی پہلے بدایونی تھے بہرحال یہ

مسئلہ ماہرین ثقافت وتاریخ ولسانیات ہی حل کر سکتے ہیں میرا اس معاملے میں کوئی دعویٰ نہیں۔

ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ فانی سے پہلے ملا عبدالقادر کے لئے البدایونی کا لقب یا نسبت استعمال ہوئی تھی اس کا آغاز کب ہوا میرے علم میں نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ خود ملا نے لفظ بدایوں کہیں استعمال نہیں کیا۔ اپنے قصیدے میں بھی بداؤں لکھا ہے۔

اے صبا از من ببر اہل بداون راسلام

رضی الدین بسمل نے کنز التاریخ میں وجہ تسمیہ بدایوں لکھتے وقت اسکے قدیم ناموں بیدامؤ اور بدھ مؤ پر تو تفصیلی بحث کی ہے مگر بداؤں سے بدایوں ہونے کا کوئی حوالہ نہیں دیا انھوں نے لکھا ہے کہ آئین اکبری جامع المآثر' تزک جہانگیری وغیرہ میں نام بداؤں مرقوم ہے بعد زمانہ اکبر بادشاہ کے بدایوں ہوا۔ لیکن اکبر کے کتنے عرصہ بعد ہوا اور پہلی مرتبہ بدایوں کس تحریر میں آیا کہیں مرقوم نہیں ہے ۱۹۵۲ تک اسٹیشن کے بورڈ پر نام بداؤں لکھا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انگریزی دور کے آغاز تک نام بداؤں تھا بعد میں بدایوں ہوا ہے۔

جب فراق گورکھپوری سے انجم فوقی بدایونی کی پہلی ملاقات ہوئی تو فراق نے کہا آج آپ سے ملکر ایک اصلاح ہوگئی ورنہ میں تو اسے بدایوانی پڑھتا تھا۔ انجم فوقی کی جوابی متانت سے فراق کا مزاح رنگ نہ لا سکا۔ ویسے مشہور ہے کہ کسی نے ایک انگریز سیاح سے پوچھا کہ ہندوستان کے شہروں کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی اس نے کہا They are bad or poor (یعنی شہر کے آخر میں یا آباد ہے یا پور)

اب مجھے معلوم نہیں کہ اسٹیشن پر لکھا ہوا بداؤں بھی بدایوں ہو چکا ہے یا نہیں اسکے کھیتوں میدانوں سڑکوں باغوں بازاروں اور مکانوں میں کتنی تبدیلیاں ہو چکی ہیں لوگ کتنے بدلے ہیں فضاء کتنی بدلی ہے علمی اور ادبی ماحول کیسا ہے میں نے ۵۰ سال سے اپنا گھر اس لئے نہیں دیکھا کہ میرے ماضی کی خوشگوار یادیں اور میرے بچپن کے خواب کہیں پھیکے نہ پڑ جائیں

اس احتیاط نے محروم بندگی رکھا
جو مٹ گیا ترا نقش قدم تو کیا ہوگا

آنے جانے والوں سے باتیں کر کے موصول ہونے والے خطوط سے اور عہد حاضر کی تیز رفتار، تبدیلیوں سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ میرا بداؤں جو میرے ذہن میں موجود ہے آج کے بدایوں سے بہت خوبصورت ہے انقلاب اور سماجی تبدیلیاں تاریخ کا خاصہ ہیں جیسے میں اپنے بداؤں کو آج بدلا ہوا محسوس کر رہا ہوں اب سے سو ۱۰۰ سال قبل یہی رونا رضی الدین بسمل کی کنز التاریخ میں بہ حیثیت ناشر تبصرہ کرتے ہوئے نظامی بدایونی نے رویا ہے صفحہ ۴۱۲ پر لکھتے ہیں

"بدایوں نے صدہا انقلاب دیکھے اور سب سے آخری انقلاب اسلامی سلطنت کا برٹش حکومت سے تبادلہ ہے برٹش حکومت کیا آئی گویا تمام ہندوستان کی کایا پلٹ گئی اور بدایوں بھی اس اثر سے محفوظ نہ رہا اس نے بھی پرانی پوشاک کو اتار کر نئی کینچلی فوراً نہیں تو رفتہ رفتہ بدل ہی ڈالی۔ جدھر دیکھئے نئی چال، نئی رسمیں نیا علم، نیا ہنر، جو لوگ زمانے کا ساتھ دے رہے ہیں وہ دولتمند ہیں برخلاف اسکے جو اپنی آن پر مچلے ہوئے ہیں ان کی حالت تباہ ان کی اولاد نان شبینہ کو محتاج افسوس وہ بدایوں جو علم وفضل کی کان سمجھا جاتا تھا اب اسکی تمام علمی مجالس برہم نظر آتی ہیں اسکی خانقاہیں بے چراغ ہیں اسکے مدارس ویران ہیں۔"

یہ تصویر کشی جو نظامی بدایونی نے کی ہے یہ تو برطانوی انقلاب کا نتیجہ تھی۔ مگر ۱۹۴۷ کے انقلاب نے تو گھر اور محلے ویران کر دیئے خون تقسیم کر دیا دین کو بے روح کرنے کے کوشش کی نو جوان ذھنوں کو لادینیت کے رنگ میں رنگ دیا۔ قاضی ٹولہ سید بارہ۔ شیخ پٹی۔ مردھوں محلہ جو بدایوں کی مسلم ثقافت وتہذیب کے آئینے تھے چکنا چور ہو گئے۔ اردو زبان جو ہماری دینی اور ثقافتی زندگی کا مرقع تھی ثانوی زبان ہو گئی۔ اردو کے مقابلے میں ایک کم ترقی یافتہ اور کم مایہ زبان ہندی کو مسلط کر دیا گیا اردو کے مایہ ناز اثاثوں کے رسم الخط بدل دیئے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ آج کا نوجوان

بلکہ بدایونی نوجوان جسے اہل زبان کہا جاتا تھا اب بے زبان ہوگیا۔ یہ بات میرے علم میں ہے کہ اب بدایوں میں ایسے بہت سے مسلمان نوجوان ہیں جو میرو غالب اور انیس و دبیر سے ناآشنا ہیں بقول جوش

کوئی جوہر شناس دل نہیں ہے
جو اہر کی دوکاں ہے اور میں ہوں
مرا ہندوستاں تو کھو گیا ہے
نیا ہندوستاں ہے اور میں ہوں

تو یہی بات میں بدایوں کے لئے بڑے دکھ اور رنج کے ساتھ یوں کہوں گا

ویسے بساط دہر پہ وہ شہر اب بھی ہے
لیکن مرا بداؤں خیالوں میں کھو گیا

آج کے اس دور میں پاکستان مشرق وسطیٰ، کینیڈا اور امریکہ میں مصروف کار اہل بدایوں کی اولاد اگر یہ مضمون پڑھے تو اسے قدامت پرستی اور قنوطیت کا نام دے گی مگر میں نئی نسل کو پرانی بات کیسے سمجھاؤں کیسے کہوں کہ عزیزم ہر پرانی بات فرسودگی کی تعریف میں نہیں آتی حال عارضی ہے۔ مستقبل نامعلوم ہاں ماضی ہی تو ہمارا حقیقی سرمایا ہے۔ وہ ماضی کی ہی شاندار روایات ہیں جو ہمیں تابناک مستقبل کی طرف بڑھنے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو برصغیر کے اہم ثقافتی و تہذیبی اور دینی و علمی مراکز میں بدایوں کئی اعتبار سے ممتاز تھا اور وہی امتیازات ہیں۔ جن سے بدایونیت کا ہیولہ تشکیل پاتا ہے یہ درست ہے کہ آج بھی یوپی بھارت میں ایک شہر ہے جو عرض بلد ۲۷ درجہ دقیقہ ۳۸ سے شروع ہو کر ۲۸ درجہ ۳۹ دقیقہ پر ختم ہوتا ہے اور طول بلد ۷۸ درجہ ۲۱ دقیقہ سے ۷۹ درجہ ۳۵ تک بسیط ہے۔ جسکے مشرق میں ضلع بریلی اور شاہ جہاں پور مغرب میں بلند شہر اور علی گڑھ شمال میں مراد آباد اور

رامپور اور جنوب میں ایٹہ اور فرخ آباد کے اضلاع ہیں جسکا رقبہ تقریباً ۲۶۴۳ میل ہے لمبائی ۸۴
میل اور چوڑائی ۴۲ میل ہے درمیانی چوڑائی زیادہ سے زیادہ ۲۹ میل اور کم سے کم ۱۱ میل تک ہے
۔اس جغرافیائی شناخت کے ساتھ جو شہر بھارتی حکومت کے زیر انتظام ہے وہ میرا وطن نہیں ہے۔
میرا بداؤں تو وہ ہے جو قبتہ الاسلام ہے' مدینۃ الاولیا ہے جو برصغیر کی مسلم ثقافت وتہذیب کا ایک
اہم مرکز ہے۔ جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے یا اب بھی چند بوڑھوں کے دل ودماغ میں رچا
بسا ہے۔ وہ بداؤں میرا بداؤں ہے جو آج بھارت میں قرطبہ بن رہا ہے۔

اکابرین کی آمد:

میرے نزدیک بدایوں نے مسلمانوں کی تاریخ نہیں بنائی ہے بلکہ مسلمانوں نے
بداؤں کی تاریخ بنائی ہے میرے آباؤ اجداد کو بدایوں سے عزت نہیں ملی بدایوں کو میرے آباؤ
اجداد سے عزت ملی ۴۰۹ھ ہجری سے پہلے کا بداؤں میرا بداؤں نہیں ہے۔ وہ بداؤں جسکی افواج
نے قنوج جانیوالے سلطانی لشکر کے بار برداری والے چوپائے روک لئے تھے۔ وہ میرا بداؤں
نہیں ہے جسکی افواج نے ۴۰۹ ہجری میں سید عبداللہ غزنوی المعروف بہ میرانجی اور انکے ساتھ
اکابر اولیائے کرام کو شہید کر دیا تھا۔ میرا بداؤں تو وہ ہے جو حضرت میراں جیؒ سید علی شہید
۔حضرت ضیاالدین مکی حافظ منعم علی حافظ احمد عسقلانی۔ حافظ ظفرالدین تلمستانی حافظ غلام رسول
اصفہانی اور حافظ فضیل نروانی جیسے اکابر اولیا اور مجاہدین اسلام کے خون میں ڈوب کر ابھرا ہے۔ و
بدایوں جسے حضرت میرانجیؒ کے بہادر شاگرد سید سالار مسعود غازی نے ۴۲۱ھ میں
جانباز مجاہدین کے لشکر جرار کی مدد سے راجہ چندر پال کے کافرانہ چنگل سے آزاد کر کے قبۃ الاسلا
بنانے کے عمل کا آغاز کیا وہ بداؤں جسے غوری سپاہ کے نامور مجاہدین ماموں بھانجہ نے ۹۹
میں قطب الدین ایبک کے ہمراہ بدایوں آ کر بھرتول دروازہ کے کواڑوں میں لگی ہو
برچھیوں پر اپنا سینہ رکھکر ہاتھیوں کی مستک سے زور کرا کے پھاٹک کے کواڑ اکھاڑ پھینکے تھے اور خ

جام شہادت نوش کر کے قلعہ فتح کیا تھا......وہ بداؤں جسے سید اعزالدین یمنی نے ۶۰۵ھ میں اپنی آمد سے شرف وطنیت بخشا وہی سید اعزالدین یمنی جنکے بڑے بیٹے حضرت خواجہ حسن شیخ شاهی المعروف یه سلطان جیؒ کے فیضان سے آج بھی برصغیر کے زائرین فیض یاب ہورہے ہیں۔ وہی سید اعزالدین یمنی جنکے چھوٹے بیٹے حضرت بدر الدین موے تاب المعروف به شاه ولایتؒ اہل بدایوں میں چھوٹے سرکار کے نام سے پہچانے جاتے ہیں جنکی درگاہ سے فیض عام جاری ہے۔ وہی سید اعزالدین جنکے خلیفہ حضرت مطیع الله شروانی المعروف به مطاخر سوار جنکی عصر کی سنتیں کبھی قضا نہیں ہوئی تھیں ۶۲۰ھ بدایوں میں متوطن ہوئے جنکی اولاد آج بھی بدایوں ہندوستان' پاکستان سعودی عرب' کینڈا اور امریکا میں پھل پھول رہی ہے راقم الحروف بھی اسی خانوادۂ خرسواراں سے متعلق ہے۔

بدایوں کو شرف وطنیت بخشنے والے اکابرین میں ایک اہم نام سید الافراد حضرت خواجہ سید احمدبخاری کا ہے۔ آپ علماء کے پیشوا سالکوں کے رہنما اور اصفیا کی بزم کی رونق تھے۔ سلسلہ نسب حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے آپ نے شہر بداؤں کو ایک بے مثل تحفہ عطا کیا یعنی وہ فرزند ارجمند وہ واحد ذات جسے حضرت غوث الاعظمؒ کے بعد مرتبہ محبوبیت پر فائز کیا جسے خلق خدا محبوب الهی حضرت نظام الدین اولیاؒ کے نام سے جانتی ہے آپ ہی سے برصغیر میں سلسلہ نظامیہ کی بنیاد پڑی۔ آپ حضرت سید احمد صاحب کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اور زندگی تجرد میں گزاری تھی۔ اسی لئے سید احمد بخاری کا سلسلہ نسب آپ کی بیٹی بی بی زینب (جنکو بی بی جنت بھی کہتے ہیں) سے چلا جنکی اولاد آج بھی بدایوں اور دہلی میں موجود ہے۔ آپ نے ۶۰۷ ہجری میں بداؤں کو عزت بخشی۔ آپ کا مزار اقدس ساگرتال کے جنوبی کنارے پر بدایوں میں واقع ہے۔

ایک اور بزرگ کامل خواجه سید عرب بخاریؒ صاحب ۶۰۶ھ میں بدایوں

تشریف لائے آپ نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا اس طرح آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر بھائی تھے۔ سلسلہ قادریہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے جنھوں نے براہ راست حضرت غوث پاکؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا آپ حضرت محبوب الٰہیؒ کے نانا تھے مزار شریف آج بھی بدایوں میں مرجع خلائق ہے۔

ایک اور بزرگ کامل حضرت خواجہ سید علی بخاریؒ ۶۰۷ھ میں بدایوں تشریف لائے آپ حضرت نظام الدین اولیاؒ کے دادا اور خواجہ سید احمد بخاریؒ کے والد ماجد تھے۔ مزار شریف خواجہ سید احمد صاحب کی درگاہ کے اندر ہے۔

۶۰۵ ہجری میں بدایوں تشریف لانے والے ایک ولئ کامل حضرت سید شرف الدین اعلیٰ قبائی تھے۔ آپ ایک بڑے عالم تھے اور اشرف العلما کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ بدایوں میں محلہ سید بازہ آپ نے ہی آباد کیا تھا وہیں اپنے مکان پر سلسلہ درس و تدریس شروع کیا تھا مولانا علاالدین اصولی آپ ہی کے صاحبزادے تھے جو حضرت نظام الدین اولیا کے استاد تھے۔

ایک اور مشہور و معروف تاریخ ساز ہستی حضرت دانیال قطریؒ کی ہے۔ سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے حضرت عثمان غنی سے ملتا ہے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا خواجہ اجمیرؒ کے برادر طریقت تھے علمائے ذی وقار میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کی اولاد آج بھی ایک اعلیٰ ترین اور ممتاز دینی حیثیت کی حامل ہے۔ اہل بدایوں میں قادریت کے پرچم کو بلند رکھنے والی خانقاہ مجیدیہ آپ کی اولاد کا ہی کارنامہ ہے۔ یہ وہی عثمانی خاندان ہے جسمیں افضل العبید حضرت شاہ عبد المجید عین الحقؒ اور سیف اللہ المسلول حضرت شاہ فصل رسولؒ اور تاج الفحول حضرت مولانا عید القادر بدایونیؒ اور انکے قابل صد احترام فرزندگان حضرت مولانا عبد المقتدؒ اور حضرت مولانا عبد

القدیر جیسے اکابر اولیائے کرام اور علمائے عظام گزرے ہیں۔ اسی خاندان کے دو فرزندگان عظیم حضرت مولانا عبد الماجد قادری بدایونی اور حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی بھی بدایوں کی دینی اور ملی عظمتوں کے علمبردار رہے ہیں جنھوں نے ہندو پاک میں قادریت کے ساتھ بدایونیت کی پرچم کو بھی بلند رکھا ہے آج اس درگاہ عالیہ کے وارث جناب سالم القادری ہیں جو بزرگان سلف کی امانتوں کا بار اٹھائے ہوئے ہیں پاکستان میں اسی خانوادہ کی پہچان جناب عبدالمجید محمد اقبال قادری اور ان کے اہل خاندان ہیں۔ یہ سب حضرات عثمان غنیؓ اور حضرت داتا بال قطریؒ کے نسلی اور حضرت غوث پاکؒ اور شاہان ماہرہرہ کے نسبتی فیضان کے درخشندہ آئینے ہیں۔

سطور بالا سے ظاہر ہے کہ حضرت سید اعز الدین یمنی کے خاندان حضرت سلطان جی حضرت شاہ ولایتؒ حضرت عثمان سہروردی اور انکے خلیفہ حضرت مطیع اللہ شروانی عرف مطاخر سوار کی وجہ سے ایک جانب نسبی اور نسبتی سلسلے چلے تو دوسری جانب سادات بخارا حضرت سید علی بخاری حضرت سید احمد بخاری حضرت سید عرب بخاری سے سادات بخارا کا سلسلہ بدایوں میں چلا جسکے چشم و چراغ حضرت محبوب الٰہیؒ تھے اسی طرح دو اور بڑے کامل بزرگ حضرت ملا عبد اللہ مکی اور حضرت حمید الدین گنوریؒ سبزواری ہیں جنکی اولاد میں بدایوں کے بڑے بڑے معزز اور سر برآوردہ افراد گذرے ہیں جنکا شمار بدایوں کے اعلیٰ ترین خاندانوں میں ہوتا ہے۔

۶۱۰ھ میں حضرت ملا عبد اللہ مکیؒ بدایوں تشریف لائے آپ کی اولاد میں متولیان دانشمندی اور بخوش خاندان بڑے معزز اور نامور خاندان ہیں ملا عبداللہ مکی نے ہندوستان آکر لاہور میں قیام کیا پھر اپنے بڑے بیٹے نجیب اللہ کو لاہور میں چھوڑ کر چھوٹے بیٹے حافظ محمد یعقوب کے ہمراہ بدایوں تشریف لائے اور قلعہ کے جنوب مغرب میں سکونت اختیار کی

آپکے چھوٹے بیٹے کی اولاد میں متولی اور بخوش خاندان ہیں۔ بعد میں بڑے بیٹے نجیب اللہ کی اولاد بھی بدایوں آ گئی اور نجیبی خاندان بھی بدایوں میں آباد ہوا جو آج تک دانشمندان کے نام سے بدایوں میں مشہور و معروف ہے۔

ملا عبداللہ مکی سے متعلق تاریخ نویسوں اور ماہرین انساب کو ایک بڑی غلط فہمی رہی ہے وہ ملا عبداللہ مکی کو نام کی مماثلت کی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے حضرت عبدالرحمٰنؓ کا چھٹا پوتا قرار دیتے رہے ہیں مگر یہ بات اس لئے ممکن نہیں کہ ۶۳۴ ہجری تک حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ساتواں پوتا زندہ نہیں رہ سکتا۔ آپ کے ہمعصر بزرگوں میں جو لوگ موجود تھے انمیں حضرت مطیع اللہ شروانی (مطاخرسوار) جنھوں نے عبداللہ مکی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی حضرت ابوبکر صدیق "کے سولھویں (16) پوتے تھے۔ آپکے ہم عصر حضرت سلطانجی اور حضرت شاہ ولایت" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سولھویں پوتے تھے آپ کے ہی ہم عصر حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہرودی "حضرت صدیق اکبرؓ کے تیرہویں پوتے تھے ایک اور عظیم ہمعصر حضرت خواجہ معین الدین چشتی "حضرت علیؓ کے بارہویں پوتے تھے۔ تو یہ کسطرح ممکن ہے کہ جس زمانے میں صحابہ کرام کی بارہویں تا سولھویں پشتیں چل رہی ہوں اسی دور میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ساتواں پوتا عبداللہ مکی قریشی۔ بن عبدالرحمٰن ثانی بن صفی اللہ۔ بن عبید اللہ۔ بن عبداللہ۔ بن عبدالرحمٰن۔ بن ابوبکر صدیق موجود ہو۔ میں نے اپنی کتاب صدیوں کے سفر میں بھی اس جانب متولیان کی توجہ مبزول کرائی تھی کہ اگر وہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق کی اولاد ہیں تو معتبر شواہد سے آٹھ نو پشتوں کے خلا کو پر کر کے اپنا نسب نامہ درست کریں۔ اگر ہمارے بزرگ جناب ماسٹر سبطین احمد صاحب حیات ہوتے تو انکی لیاقت وفراست وعلمیت شاید یہ خلا پر کردیتی متوالیان کی طرح نجیبان یا دانشمندیوں کے نسب نامہ میں بھی برسوں تلک یہ مغالطہ چلتا رہا ہے کہ وہ حضرت محمد بن ابی بکرؓ کی اولاد ہیں اسکی صراحت میں جامع انساب شرفائے نجیب الطرفین بدایوں میں جناب غلام شبر

صاحب نے نسب نامہ نجیباں کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے حافظ حمید الدین صاحب نجیبی نے فرمایا کہ میں نے قبل از تحقیق خیالات حمیدی میں نسب نجیاں کو محمد بن ابوبکر سے نسبت کر دیا تھا لیکن بعد تحقیق ومعائنہ نسب نامہ واسناد خاندانی معلوم ہوا کہ یہ خاندان عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کی اولاد میں ہے۔جس طرح نجیبان نے اپنی غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے اسی طرح متولیان بھی نسب نامہ کی تصحیح کر سکتے ہیں جن سے نسب نامہٗ دانشمندان بھی درست ہو جائے گا وہ نسب نامہ خرسواراں سے اس لئے مدد حاصل کر سکتے ہیں کہ اسمیں عبداللہ مکی کی نماز جنازہ پڑھانے والے بزرگ مطاخرسوار اور عبداللہ قریشی مکی بن عبدالرحمٰن کے درمیان آٹھ پشتوں کا فصل دکھایا گیا ہے۔

ایران سے ہندوستان آکر بدایوں میں توطن اختیار کرنے والے علمائے عالی مرتبت‘ صاحب قدر ومنزلت بزرگان کاملین کا جب تذکرہ آئے گا سب سے پہلے ذہن حضرت شیخ شہاب الدین مھمرہؒ کی طرف جائے گا۔علوم ظاہرہ کی تکمیل کے بعد معرفت وحقیقت کی منازل طے کرنے کے لئے آپ مہرہ مملکت ایران سے دہلی تشریف لائے۔حضرت حمید الدین ناگوریؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔بحکم پیرومرشد بدایوں میں رہائش اختیار کی عالم وفاضل اور خدارسیدہ ہونے کے ساتھ حافظہ بہت عمدہ تھا۔شاعر بھی بہت اچھے تھے اپنے تبحر علمی کے سبب مدرسہ معزیہ میں درس وتدریس پر مامور کئے گئے۔حضرت امیر خسرو آپ سے مشورہ سخن کرتے تھے ضیاالدین نخشبی کے ظاہر و باطن میں استاد تھے۔ملا عبدالقادر ہم وطن ہونے پر ناز کرتے تھے تاریخ کی کتب میں آپکے کمالات کا کھلا اعتراف کیا گیا ہے۔

۱۷ جمادی الثانی ٦٨٦ ہجری کو وصال ہوا۔مزار شریف پیر مکہ کی درگاہ سے جنوب مغرب میں ہے مزار سے بھی فیض جاری ہے حافظ نخشبی بھی آپ کے بائیں سمت دفن ہیں۔

بدایوں کو شرف وطیت بخشنے والے اکابرین میں ایک ولی کامل عالم وفاضل متقی پرہیزگار بزرگ حضرت حمید الدین گنوری سبزواری ہیں۔آپ ۵۸۵ھ میں قصہ گنور علاقہ

سبزدار ایران میں پیدا ہوئے تھے ۱۲۰۶ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۱۷۱ھ کو وصال ہوا قاضی ٹولہ بدایوں میں اپنی ہی بنوائی ہوئی مسجد کے احاطے میں دفن ہیں آپ نے بدایوں آ کر ایک مسجد اور ایک کنواں تعمیر کروایا تھا وہ مسجد دادے حمیدی کی مسجد کہلاتی ہے۔اور کوئیں کا نام گنوری کنواں ہے ۔راقم الحروف نے اس کوئیں کا پانی خوب پیا ہے اس لئے کہ وہ راقم کے نانا قاضی غلام سبیطن مرحوم کے مکان سے متصل ہے قاضی غلام سبیطن مرحوم دادے حمید کے پوتے قاضی محمد جلیس کی اولاد میں تھے۔اس لئے وہ اور انکے اہل خاندان خود کو حمیدی کے بجائے جلیسی لکھتے ہیں۔ویسے بدایوں میں حمیدالدین گنوری کی اولاد خوب پھلی پھولی ہے اور حمیدی خاندان بدایوں کے معزز اور اعلیٰ ترین خاندانوں میں شمار ہوتا ہے یہ خانداں ماشاءاللہ اتنا بڑا اور معروف و مقبول ہے کہ اسکے افراد کی نقل میں تمام اہل بدایوں حمیدالدین گنوری کو دادے حمید کہنے لگے ہیں۔اور انکی بنوائی ہوئی قاضی ٹولے کی مسجد بھی دادے حمید کی مسجد کہلاتی ہے یہ مسجد ہر چند کے وسیع و عریض نہیں ہے مگر بے حد معروف ہے۔قدرت نے دادے حمید اور انکی اولاد کو بے حد عزت و شہرت سے نوازہ ہے آج بھی بدایوں کے علاوہ کراچی اور پاکستان میں ہر شعبۂ زندگی میں کوئی نہ کوئی حمیدی نمایاں اور ممتاز مقام پر ضرور نظر آتا ہے۔خود دادے حمید اپنے دور میں دینوی اور دنیاوی ہر لحاظ سے ایک قابل صد احترام معروف و معزز اور ذی وقار شخصیت تھے۔والد کا نام بدرالدین تھا نسلی سلسلہ شیخ محمد بن ابوبکر صدیق سے ملتا ہے۔بغداد میں تعلیم پائی تھی شیخ الشیوخ حضرت خواجہ شہاب الدین عمر سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔غیاث الدین بلبن کے عہد میں ہندوستان آ کر شہزادہ محمد سلطان خان کے اتالیق مقرر ہوئے تھے مخدوم شیرازی لقب عطا ہوا تھا علاالدین کے عہد میں عمدۃ الملک کا خطاب ملا۔بدایوں آ کر حضرت خواجہ سید احمد بخاریؒ کے آستانہ پر نذرانہ عقیدت پیش کیا تھا شاعری بھی کرتے تھے مخلص تخلص تھا شیخ سعدی سے مشورہ سخن کیا تھا انکے چچازاد بھائی تھے۔آپ کے نام کے ساتھ گنوری سبزواری اور شیرازی بھی لکھا جاتا ہے گنوری سے

شبہ یہ ہوتا ہے کہ جیسے بدایوں کے قصبہ گنور کے رہنے والے تھے تو اسکی وضاحت میں عرض کردوں کہ بدایوں میں جو قصبہ گنور ہے وہ آپکے بڑے بھائی شیخ مجید الدین بن ملا بدرالدین کا ہی آباد کیا ہوا ہے اسکی بنیاد شیخ مجید الدین نے ہی رکھی تھی یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ بدایوں آکر اپنے مریدین وخدام کے ساتھ فروکش ہوئے تھے وہیں آپ نے ایک مسجد اور خانقاہ تعمیر کی تھی اور اپنے وطن گنور سبزوار کے نام پر اس کا نام گنور رکھا تھا۔

حضرت حمید الدین گنوری کے حمیدی خاندان میں بہت بڑی بڑی شخصیتیں گذری ہیں۔

ایک بہت بڑی شخصیت ایک کامل ولی اللہ اردو کے ایک عظیم المرتبت شاعر اور ذوق دہلوی کے شاگرد حضرت مذاق میاںؒ بدایونی تھے آپ نے بدایوں اور رامپور کے علماء سے کسب علم کیا تھا سلسلہ قادریہ میں سید فضل غوث ساقی بریلوی کے مرید ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا تھا چشتیہ سلسلے میں حضرت شاہ عبدالرحیم شاہجہاں پوری کے مرید تھے نقشبندیہ سلسلہ میں حافظ خان محمد خاں عرف بادشاہ میاں رامپوری کے خلیفہ تھے نیز بعض دیگر اکابر اولیا سے نسبت اویسی رکھتے تھے نام دلدار علی اور تخلص مذاق تھا شاید ذوق کے شاگرد ہونے کی نسبت سے مذاق تخلص پسند فرمایا تھا اپنے اشعار میں نام اور تخلص دونوں کو بڑی خوبصورتی سے نظم کرتے تھے۔

جان و دل میں ہے مذاق مصطفےٰ و مرتضےٰ
جانثار احمدیؐ ہوں اور دلدار علیؑ

مزار شریف بدایوں کے شمالی علاقہ میں ایک خوبصورت اور وسیع درگاہ کے اندر ہے۔

آپ کے صاحبزادے مولوی ایثار علی اور انکے صاحبزادے مولوی اسرار علی بھی صف اولیا میں شمار ہوتے ہیں مذاق میاں نے راقم الحروف کے دادا مولوی محمد اصلح کو بیٹا بنایا تھا اور ان سے بڑی شفقت فرماتے تھے ان کا سلسلہ آج ہندو پاک میں جاری وساری ہے اور ہزار ہا لوگ آپکی نسبت دینی سے فیضیاب ہو رہے ہیں کراچی میں حضرت مذاق میاں کے خلیفہ شاہ میاں ابرار علی

صدیقی مذاقی ہیں ۔ برصغیر ہندوپاک کے علاوہ بیرونی ممالک میں بھی آپ کے بہت سے مرید موجود ہیں ۔میاں ابرار علی صدیقی علی گڈو کے گریجویٹ عالم وفاضل شاعروادیب اللہ والے بزرگ ہیں نہایت خوش اخلاق اور محترم شخصیت ہیں کوائف باطنی کے معاملے میں طور طریق اور اداب و گفتگو میں نہایت سرشار نظر آتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے نہ میرا کوئی رشتہ داز ہے نہ میں کسی کا رشتہ دار ہوں ۔ مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کہاں ہوں ۔آپ کے صاجبزادے قمر احرار بھی اپنی خاندانی روایات کے حامل ہیں اور والد بزرگوار کے فرمانبردار و نیاز مند ہونے کے ناطے خود کو صاحب سجادہ نہیں کہتے مگر اطوار سب وہی ہیں ۔

دور دراز علاقوں سے آ کر بدایوں میں توطن اختیار کرنے والے بزرگان دین میں ایک اہم نام حافظ ضیا الدین نخشبی کا ہے آپ ترکستان کے علاقہ نخشب سے ہجرت کر کے کمسنی ہی میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ بدایوں آ کر متوطن ہوئے حضرت شاہ ولایتؒ صاحب کے ہمعصر تھے طب اور ریاضی کی تحصیل کے لئے پہلے دمشق تشریف لے گئے وہاں سے تکمیل علم کرنے کے بعد بدایوں واپس آ کر شیخ شہاب الدین مہمرہؒ کی صحبت اختیار کی ۔ جب پیر طریقت کی تلاش ہوئی تو ناگور جا کر حضرت حمید الدین ناگوریؒ کے مرید و خلیفہ اور پوتے شیخ فرید الدین چشتی کے مرید ہوئے حضرت نخشبیؒ عالم فاضل حافظ قران صاحب جذب وکرامات' واقف اسرار حقیقت' عالم رموز باطن بزرگ تھے ۔فقر و فاقہ میں زندگی گذاری شادی نہیں کی ۔طب کے ساتھ موسیقی کے بھی ماہر تھے ۔ بھانڈوں کی ٹولی میں رہ کر برسوں گایا بجایا۔خمخانہ محبت کے مست صاحب دل بزرگ تھے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لباس میں جلوہ گر ہو کر مردہ زندہ کیا تھا۔ سانپ کے کاٹے کا عجیب وغریب علاج جانتے تھے شاعری میں بھی کمال حاصل تھا بے حد صاحب صلاحیت اور ذہین تھے ۷۵۱ھ کو وصال ہوا حضرت مہمرہؒ کے بائیں جانب دفن ہیں۔

ہفت احمد

یوں تو عرب وعجم سے ترک وطن کر کے پرچم اسلام بلند کرنے کے لئے بدایوں آ کر متوطن اور شہید ہونے والے اکابرین اولیا اصفیا اور اتقیا کی تعداد بے حساب ہے مگر بعض ایسے اولیائے کرام ہیں جنکی نسلیں اور معتقدین اب بھی بدایوں اور دیگر علاقوں میں آباد ہیں اور جن کا فیض عام جاری وساری ہے ان میں سے بعض کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے مگر اکثر کے کوائف قلم بند کرنا زیر نظر کوشش کی حدود سے متجاوز ہے تاہم انمیں سات بزرگ ایسے ہیں جن کا نام احمد ہے جو بدایوں میں ہفت احمد کے نام سے مشہور ہیں وہ ایک طور پر بدایوں کی شناخت ہیں ان کا مختصر تذکرہ سطور ذیل میں ضروری سمجھتا ہوں۔ بدایوں میں ہی نہیں بلکہ اسکے متصل اضلاع میں بھی یہ عقیدہ عام ہے کہ اگر کوئی حاجتی بعض شرائط کے ساتھ ہفت احمد کے مزار پر حاضری دیکر منت مانے تو وہ ضرور بفضل تعالیٰ پوری ہوتی ہے ملا عبدالقادر بدایونی نے اس عقیدے کو حسب ذیل اشعار میں بیان کیا ہے۔

ہاں شنو اے مبتلائے رنج و درد
آں سراج از مرشد ش این نقل کرد
ہفت احمد در بداؤں خفتہ اند
بادہ نوشاں از رفیق سہرورد
احمد بھر توآل و خیاط و ذکی
بودلہ خنداں و نوری نیک مرد
احمد مشوق چوں دریا نہفت
پس بجائیش تفتہ را عرفا شمرد
باوضو از سید احمد اذن خواہ

حاضری در درگہ این ہفت مرد
درشب آخر زیارت با یدت
پس مرادت یا ب و فرحان بازگرد
این سخن از قادری درگوش کن
تانہ یابی آخرش با آہ سرد

اشعار بالا میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی حضرت مولانا اخی سراج الدین نے اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیا کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حوالوں کے بعد شک وشبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ اشعار بالا میں ہفت احمد کے جو نام بیان کئے گئے ہیں۔ انکے اجمالی تذکرے سے پہلے یہ وضاحت کردینی ضروری ہے کہ بدایوں میں ہفت احمد کے علاوہ چار اور بزرگ احمد نام کے مدفون ہیں مگر ان کا شمار ہفت احمد میں نہیں ہے۔ ان میں ایک حضرت احمد شہید بھر تولی ایک سید احمد بخاری ایک شیخ احمد تفتہ / تختہ اور ایک شیخ احمد متوکل ہیں ہفت احمد میں شامل حضرت احمد معشوق کا مزار سوت ندی میں آجانے کے بعد اہل عقیدت نے شیخ احمد تفتہ کو زمرہ ہفت احمد میں شمار کرلیا ہے۔ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا کے والد بزرگوار حضرت سید احمد بخاری کا مزار اقدس بھی بدایوں میں ہے آپ ہفت احمد میں شمار نہیں کئے جاتے مگر زائرین ہفت احمد میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے پہلے آپکے ہی مزار اقدس پر حاضر ہوتے ہیں ہفت احمد میں شامل بزرگوں کے معلوم کوائف اجمالاً درج ذیل ہیں۔

ا۔ شیخ احمد خنداںؒ

آپ بڑے صاحب کمال بزرگ ہیں۔ آپ کی خاص بات یہ تھی کہ جس سے بات کرتے مسکرا کر بات کرتے انتہائی دل موہ لینے والے انداز میں گفتگو کرتے اسی لئے شکر دہاں

یعنی میٹھی باتیں کرنے والے آپ کا لقب پڑ گیا شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروری کے مرید وخلیفہ تھے شریعت مطہرہ کا بہت خیال رکھتے تھے ۲۸ رمضان ۶۳۳ھ کو وصال ہوا۔ مزار شریف محلہ سوتھا بدایوں شیخ ممدو والی مسجد کے صحن میں ہے۔

۲۔ حضرت شیخ احمد نوریؒ

شیخ احمد نام تھا امی تھے مگر شریعت کے نہایت پابند چہرہ نورانی تھا اسی لئے نوری مشہور ہوئے شیخ اوحدالدین کرمانی کے مرید وخلیفہ اور محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیا کے دوست تھے۔ انکی والدہ کا حال دریافت کرنے ایک بار انکے پاس دہلی بھی گئے تھے۔ آپکی تجہیز وتکفین میں بابا گنج شکر فرید سمیت بہت سے اکابر اولیا نے شرکت کی تھی۔ ۶۵۰ھ میں حضرت سلطانجی صاحبؒ کے عرس کی تقریبات کے موقع پر حضرت شاہ ولایت نے جو محفل سماع منعقد کی تھی اس میں ایک رباعی سن کر عالم وجد میں آ گئے۔ پھر بے ہوش ہو کر سر بہ سجود ہوئے۔ حضرت شاہ ولایت صاحبؒ نے نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا انا للله وانا الیہ راجعون شیخ احمد گزر گئے۔ مزار شریف شہر کے اندر پختہ حریم میں واقع ہے۔

۳۔ شیخ احمد ذکی نہروالؒ

آپ ایک بزرگ کامل اور صاحب ولایت تھے قصبہ نہروال علاقہ گجرات میں پیدا ہوئے تھے بعد میں اجمیر گئے اور وہاں فقیہ مادھو امام مسجد اجمیر سے ملاقات ہوئی ان سے ہی نعمت پائی اور انھوں نے ہی نام ذکی رکھا اجمیر سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خانقاہ میں مقیم رہے تاریخ فرشتہ میں آپکو قطب صاحب کا مرید لکھا ہے۔ ویسے آپ خواجہ قطب صاحبؒ کے فیض یافتہ ضرور تھے۔ سلسلہ سہروردیہ میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔

حضرت سلطان العارفین کے ہمراہ دہلی سے بدایوں تشریف لائے۔ حافظ قرآن اور

واقف رموز معرفت و اسرار حقیقت تھے۔ مسجد شمسی میں مع احباب جماعت پنج گانہ ادا فرماتے تھے ۔ سماع کے شوقین تھے جس محفل سماع میں قطب صاحب کا وصال ہوا آپ بھی شریک تھے۔ حضرت بہاالدین زکریاؒ نے فرمایا تھا کہ اگر شیخ احمد کی عبادت تولی جائے تو دس صوفیوں کی عبادت کے برابر نکلے گی۔ ۱۷ رمضان ۶۶۱ھ کو وصال ہوا۔ مزار شریف چاہ میر محلہ میں مچھلی کنویں والی مسجد کے احاطہ میں ہے۔

۴۔ شیخ احمد خیاطؒ

آپ سلائی کا کام کرتے تھے اسی لئے خیاطؒ مشہور ہوئے۔ انتہائی محتاط صاحب تقویٰ بزرگ تھے جب کسی کا کپڑ سینے کے لئے آتا تو سلے ہوئے کپڑے کے ساتھ اسکی کترنیں تک واپس کردیتے اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ رنگیں کپڑا سیتے تو سفید لباس پہنتے اور سفید کپڑا سیتے تو رنگین لباس پہن کر اس لئے کہ اگر سلائی کے کپڑے کی کوئی کترن جسم پر لگی رہ گئی ہے تو صاف نظر آجائے۔ آپ صاحب ولایت اور اہل کرامت بزرگوں میں تھے۔ حاجی جمال ملتان کے شاگرد اور حضرت بہادالدین زکریا ملتانیؒ کے مرید تھے۔ حضرت سلطان العارفین کے مخصوص دوستوں میں تھے۔ بدایوں میں آپ کا نسلی سلسلہ ابھی تک قائم ہے ۶۶۴ھ میں انتقال ہوا۔ مزار شریف بیرون شہر ایک بلند اور پختہ جبوترے پر جانب مغرب واقع ہے۔ آپکے مزار کے ساتھ دو اور مزارات ہیں ایک ملا عبداللہ مکی کا انتقال ۶۲۷ھ میں ہوا تھا اور دوسرا حضرت مطیع اللہ شروانی کا جن کا انتقال ۶۳۴ھ میں ہوا۔ ان تینوں بزرگان کے نسلی سلسلے بدایوں میں قائم ہیں اور سب کی اولاد یں پھل پھول رہی ہیں جن کا شمار بدایوں کے معزز اور معروف خاندانوں میں ہے۔

۵۔ شیخ احمد بھرتولؒ

آپ کے ہم نام ایک اور بزرگ شیخ احمد شہید بھرتولی ہیں جو قطب الدین ایبک کے ہمراہ ۵۹۹ ہجری میں بدایوں آ کر شہید ہوئے جن کا مزار شریف بدایوں میں محلہ گونٹیا میرانجی میں

ہے۔تفریق وتمیز کی خاطر آپ کے نام کے ساتھ شہید اور بھرتول کے بجائے بھرتولی لکھا جاتا ہے جبکہ شیخ احمد بھرتول اجمیر کے رہنے والے تھے اور اواخر عمر میں بدایوں تشریف لائے اور رمضان شریف کی چاندرات کو ۶۶۳ھ میں وصال ہوا مزار شریف شیخ احمد شہید بھرتولی کے مزار والے علاقے میں ہی ہے۔آپ کے نام کے ساتھ بھرتول اس لئے لکھا جاتا ہے کہ آپ نے بیرون قلعہ بھرتول دروازہ کے قریب بودوباش اختیار کی تھی آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پوتے تھے شیخ ضیا الدین رومی کے مرید وخلیفہ تھے۔سماع کا بے حد شوق تھا۔آپ کے مرشد نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ بعد وصال شیخ احمد بھرتول جنت کے ایک عالی شان محل میں بیٹھے ہیں آپکے شیخ نے اس کامرانی پرانھیں مبارکباد دی مگر آپ کچھ خاموش اور مغموم سے دکھائی دے رہے تھے جب شیخ نے وجہ دریافت کی تو فرمایا یہاں پر اللہ کے فضل وکرم سے سب کچھ ہے مگر سماع والی لذت نہیں ہے حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ خواجہ احمد ایک عظیم صالح تھے۔آپ صاحب حال اور حامل خوارق عادات وکرامات بزرگ تھے۔

۶۔ شیخ احمد بودلہؒ

آپ کو احمد مجرد اور احمد چرم پوش بھی کہتے ہیں۔اخبار الاخیار میں آپ کا تذکرہ دو ناموں سے ہے ایک مولانا احمد حافظ دوسرا خواجہ احمد بدایونی۔اجمیر کے رہنے والے تھے۔بغرض سیاحت پنجاب بھی گئے تھے اور حضرت صدر الدین عارف ملتانی سے خلافت حاصل کی تھی۔وہاں سے بدایوں تشریف لائے اور جامع مسجد شمسی کے عقب میں بودوباش اختیار کی ابدال صفت عظیم المرتبت بزرگ تھے۔حافظ قرآن تھے نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔حاجی جمال ملتان کے ہمعصر تھے۔حضرت سلطان العارفین شیخ حسن شاہیؒ کی تدفین میں شریک تھے۔طریقہ ابدال کا رکھتے تھے سمع کے وقت بے قرار ہوجاتے تھے فرمایا تھا کہ میری خوشی کی وجہ یہ ہے کہ پنج وقتہ نماز باجماعت پالیتا ہوں۔حضرت نظام الدین اولیا کے فرمان کے مطابق آپ صاحب علم بھی تھے

اور درویش صفت بھی ۲۷ رمضان ۶۸۳ھ کو وصال فرمایا مزار شریف اندرون شہر گھنٹہ گھر سے متصل ہے۔

۷۔ شیخ احمد معشوقؒ

بعض کتب میں آپ کا نام شیخ معشوق احمد قندھاری لکھا ہے اور بعض میں شیخ احمد طوسی والد ماجد کا نام شیخ محمد تھا قندھار میں انکی بڑی دوکان تھی انکے انتقال کے بعد آپ انکی دولت کے واحد مالک ہوئے۔ بعض کتب میں مرقوم ہے کہ ابتدا میں مئے نوشی اور معشوق پرستی آپ کا شعار تھا مگر جب گھومتے گھومتے ملتان پہنچے تو حضرت صدر الدین عارفؒ ملتانی کی نگاہ فیض اثر کی بدولت تائب ہوکر خاصان خدا اور مقربان بارگاہ الٰہی میں داخل ہوگئے اور مرتبہ ولایت پایا شیخ کی خدمت میں رہ کر سات سال تحصیل علوم باطنی کی اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔ سیاحت کرتے ہوئے بدایوں تشریف لائے۔ چہرہ اتنا نورانی تھا کہ نگاہ نہیں ٹھرتی تھیں مقامات بلند اور کرامات ارجمند رکھتے تھے۔ ہر وقت گھومتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی استغراق کی وجہ سے کھانا پینا بھی بھول جاتے تھے اور بے آب و دانہ بیٹھے رہتے تھے۔ مقام محبوبیت پر پہنچ کر قطب وحدت ہوگئے تھے۔ بارگاہ الٰہی سے خطاب معشوق عطا ہوا تھا اسی لئے شیخ احمد معشوق مشہور تھے ۲۱ شعبان ۷۲۳ھ کو وصال ہوا تھا آپ کا مزار شریف اب دریاے سوتھ بدایوں میں زیر آب آچکا ہے اسی لئے زائرین دریا کے پل پر کھڑے ہوکر جانب شمال رخ کر کے فاتحہ پڑھتے ہیں۔

۷ الف۔ شیخ احمد تفتہؒ

شیخ احمد تفتہ کا شمار ہفت احمد میں نہیں ہوتا مگر جب سے شیخ احمد معشوق کا مزار شریف زیر آب آیا ہے زائرین اسکے بدلے آپ کے مزار پر حاضری دیتے ہیں اور آپکو زمرہ ہفت احمد میں شمار کرتے ہیں۔ آپ کا نام شیخ احمد تھا اور تفت کے رہنے والے تھے اسی لئے شیخ احمد تفتہ کہلائے مگر لفظ تفتہ شاید غلط العوام ہوکر تختہ ہوگیا۔ حکیم جی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے ہیں۔ آغاز جوانی

میں ہی سیاحت کرتے ہوئے ۔ ہندوستان تشریف لائے اور بدایوں میں مقیم ہو گئے ایک مرتبہ حضرت شیخ شاہی سلطانجیؒ کے ساتھ شیخ شرف الدین خیاط اور شیخ احمد تفتہ کہیں جا رہے تھے ۔ برسات کا موسم تھا حضرت شیخ شاہی کی چادر پر کیچڑ کے کچھ چھینٹے پڑ گئے آپ فوراً وہیں پانی کے کنارے جھک گئے اور شیخ شرف الدین خیاط نے جو شیخ تفتہ کے دوست بھی تھے انکی پیٹ پر چادر پٹک پٹک کے دھودی اس پر سلطان جی صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور شیخ احمد سے فرمایا کہ تو نے میری چادر نجاست ظاہری سے پاک کی میں نے تیرے قلب کو نجاست باطنی سے پاک کیا اسی دن سے آپ کا قلب نور سے منور ہو گیا اور ولی بزرگ وصاحب ولایت ہوئے ۔ ۶۳۵ ہجری میں وفات پائی مزار شریف سلطانجی کی درگاہ سے چند قدم کے فاصلے پر ہے ۔

چند پاک بی بیاں

میرے بداوں کو جہاں برصغیر کے بہت سے شہروں کے مقابلے میں بہت سے امتیازات اور اعزازات حاصل ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ جیسے یہاں قدم قدم پر شہدا اولیا' عرفاء' کاملین' اصفیا اور اتقیا کے مزارات ہیں اس طرح ''ولی صفت خواتین'' کے مزارات کی بھی کمی نہیں ہے ۔ بدایوں میں مدفون خواتین میں حافظ' قاری' محدث' مراقب شب بیدار عالم' ریاضت کیش' عارفہ' زاہدہ کاملہ صالحہ اور انتہائی نیک نفس بی بیاں شامل ہیں ۔ میں نے اس باب کے آخر میں ان صاحب منزلت خواتین کے اجمالی تذکرے کو مناسب جانا ہے ۔

بی بی ہاجرہ خاتون

آپ خواجہ سید علی بخاریؒ یعنی ۔ نظام الدین اولیاءؒ کے دادا کی صاحبزادی خواجہ سید احمد بخاری والد بزرگوار حضرت محبوب الٰہی کی ہمشیرہ تھیں ۔ اسطرح آپ حضرت محبوب الٰہی کی حقیقی پھپی ہوتی ہیں ۔ آپ پڑھی لکھی عالم فاضل ہوشیار اور سلیقہ شعار خاتون تھیں فہم قرآن میں یکتائے زمانہ اور حدیث میں ید طولیٰ رکھتی تھیں اپنے والد ماجد سے کسب علم کیا تھا ۔ طبقات ناصری میں

قاضی منہاج السراج لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ قران کے معنی سمجھنے والا کسی عالم کو نہ پایا۔ آپ کی وفات ۳ ربیع الاول ۶۱۵ھ کو ہوئی تھی خواب گاہ بدایوں میں ہے۔

بی بی طیبہ خاتون

آپ کی عرفیت طبی تھی خواجہ سید اعز الدین یمنیؒ کی اہلیہ اور سید جمال الدین بخاری کی بیٹی تھیں۔ حضرت سلطان العارفین اور حضرت شاہ ولایتؒ کی والدہ تھیں صالحات عصر میں آپ کا شمار تھا۔ مشاہدات و مکاشفات میں مستغرق رہتی تھیں۔ بزرگ ترین بی بی تھیں ۲۹ شعبان ۶۱۸ھ کو یعنی بدایوں آنے کے چودہ سال بعد وفات پائی۔ مزار شریف حضرت سلطان جی کے ایوان سلطانی میں حضرت خواجہ اعز الدین یمنی کے شرقی پہلو میں ہے۔

بی بی زینت

آپ کی عرفیت بنو بی تھی آپ سلطانجیؒ اور شاہ ولایت صاحبؒ کی حقیقی بہن یعنی خواجہ سید اعز الدین کی بیٹی تھیں۔ آپکی والدہ محترمہ بھی پائے کی ولیہ اور صالحہ تھیں۔ آپ کے شوہر کا نام خواجہ سید عبداللہ ملتانی تھا آپ کے لئے کتب میں تحریر ہے کہ بڑی عابدہ زاہدہ، صابرہ اور شاکرہ خاتون تھیں۔ علوم ظاہری و باطنی مین عاملہ و کاملہ تھیں۔ قرآن حکیم اس قدر خوبصورت انداز سے پڑھتی تھیں کہ آپ کی قرأت سن چرند و پرند جھومنے لگتے تھے خواجہ منور آپ کے بیٹے تھے۔ آپکے مزار سے بہت سے اولیاء کو فیض پہنچا ہے ۶ محرم ۶۳۴ھ کو وفات پائی مزار شریف حضرت سلطانجی کی درگاہ کے جنوب میں ایک پختہ شاندار عمارت میں واقع ہے۔

بی بی زلیخا

آپ حضرت سید عرب بخاریؒ کی بیٹی خواجہ سید احمد بخاری کی زوجہ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا کی والدہ تھیں ۶۰۲ھ میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ بدایوں تشریف لائی تھیں ۶۴۴ھ میں حضرت محبوب الہی کو ہمراہ لیکر دہلی چلی گئی تھیں۔ اپنے والد محترم کے ہاتھ پر

بیعت تھیں۔ حضرت محبوب الٰہی فرماتے تھے میری والدہ کی خدا سے دوستی تھی جس روز گھر میں فاقہ ہوتا تو فرماتیں آج ہم اللہ میاں کے مہمان ہیں آپ کا وصال ۶۴۸ھ جمادی الاخر کی پہلی تاریخ کو ہوا۔ مزار شریف دہلی میں ہے۔ حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی کام پڑتا میں انکے مزار پر جا کر عرض کرتا تھا اور اسی ہفتہ کام پورا ہو جاتا تھا۔ آپ دہلی میں رہ کر بھی اہل بدایوں کے لئے دعا کرتی تھیں بعد نماز فجر یہ ان کا مستقل ورد تھا۔

بی بی ساجدہ خاتون

آپ کے والد ماجد کا نام ملا غیاث الدین اُسیدی تھا نسلاً شیخ قریشی مکی تھیں آپکے جد امجد حضرت اُسید بن العاص حضرت عثمان غنیؓ کے چچازاد بھائی تھے آپکے دادا دہلی کے مفتی تھے۔ دہلی میں ہی ولادت ہوئی اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ علم حدیث میں بہت عالی مرتبت خاتون تھیں۔ حضرت شیخ بہاالدین زکریاؒ ملتانی کی مرید تھیں۔ شیخ سعد الدین عثمانی بدایونی کی زوجہ تھیں۔ نہایت عابدہ وزاہدہ عارفہ کاملہ قرینہ شناس اور دوراندیش خاتون تھیں جمادی الاخر کی چاندرات کو ۶۷۹ھ میں وفات پائی۔ خواب گاہ حضرت پیر مکہ صاحب کی درگاہ کے قرب و جوار میں ہے۔

بی بی عبیدہ خاتون

آپ حضرت عثمان غنی کی اولاد میں قاضی سعد الدین عثمانی عرف قاضی سدا بے گواہؒ کی صاحبزادی تھیں بدایوں میں پیدا ہوئی تھیں۔ اپنے والد محترم سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ اور حضرت بہاالدین زکریاؒ ملتانی کی مرید تھیں رات دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتی تھی اور عابدہ کے لقب سے معروف تھیں۔ بی بی خاتون جنت سے حب خاص رکھنے کے سبب کنیز فاطمہ کہلاتی تھیں۔ قاضی صدر الدین حضرت حمید الدین ناگوریؒ کے صاحبزادے سے عقد ہوا تھا ۴ جمادی

الاخر ۶۸۲ھ کو وفات پائی۔ بدایوں میں اپنی والدہ ساجدہ خاتون کے پہلو میں دفن کی گئیں۔

بی بی زبیدہ خاتون

آپ حضرت خواجہ سید محمود قادری عرف سرخ شہید کی ہمشیرہ تھیں اور ان ہی کے ساتھ بغداد شریف سے بدایوں تشریف لائی تھیں۔ ولادت بغداد شریف میں ہوئی تھی حضرت غوث پاکؒ کی اولاد میں تھیں اپنے والد بزرگوار سید علاوالدین المعروف بہ زین العابدین کے ہاتھ پر بیعت کی تھیں حافظ قرآن اور صاحب ایقان خاتون تھیں محلہ سوتھا میں رہائش پذیر تھیں ۹ ربیع الثانی ۷۲۹ھ بدایوں میں وفات پائی حضرت سرخ شہید صاحب کی درگاہ میں آپ کے بائیں پہلو میں دفن ہیں۔

بی بی فاطمہ عرف بی بی اماں

شیخ مجید الدین طاہر گنوری کی دختر اور دادے حمید کی بھیجی تھیں انکے بیٹے قاضی صدر الدین وقت باقی قاضی بدایوں سے آپ کا عقد ہوا تھا۔ بی بی اماں کے نام سے معروف تھیں۔ قصبہ گنور میں پیدا ہوئی تھیں حضرت محمد بن ابوبکر صدیق کی اولاد میں تھیں، حافظ قرآن اور ماہر دنیات تھیں شب بیدار تھیں رمضان شریف کی ۲۷ ویں شب میں ختم قرآن حکیم کے بعد سحری کھاتی تھیں۔ ہر وقت باوضو رہتی تھیں۔ درود شریف ورد زباں تھا۔ اپنے والد کے مزار کی زیارت کو گنور ضلع بدایوں جاتے ہوئے راستے میں ہنگام سحر دوران سجدہ واصل بحق ہوئیں اور وہیں دفن کی گئیں تاریخ وفات ۹ ذیقعد ۷۸۳ھ ہے۔

بی بی عائشہ اور بی بی خدیجہ

آپ دونوں آپس میں حقیقی بہنیں تھیں شہزاد پور ضلع بدایوں کے سید حلیم کی ہمشیر گان تھیں۔ حضرت عباس علمبردار شہید کربلاؓ کی اولاد میں تھیں۔ اپنے زمانے کی نہایت پرہیز گار عابدہ

وزاہدہ خواتین میں تھیں حضرت مولا علی کی روش پر گامزن اور نبی کریم کی سنت کی بے حد پابند تھیں ۔ملا عبدالقادر البدایونی نے اپنے رخصتی سلام میں ان کا تذکرہ حسب ذیل کیا۔

سید زینت دہ شہزاد پور
ابن عباسؓ قتیل پاک مدفن را سلام
خوہرانش عائشہ وہم خدیجہ دیگراں
راہ علوی سنت نبوی گزیدن را سلام

بی بی سکینہ اور بی بی ساجدہ

خضر خانی سادات میں سلطان سید علاالدین عالم شاہ جو دہلی کا تخت چھوڑ کر بدایوں آ کر متوطن ہو گئے تھے انکے پوتے سید حسن کی یہ دونوں بیٹیاں ہیں۔انہتائی پاک دامن نیک اور پرہیز گار خواتین تھیں جن کے لئے ملا عبدالقادر نے لکھا ہے۔

سید عزت فزا میراں سرا سید حسن
ابن حیدر آں شہید پاک دیدن راسلام
دختر انش از سکینہ ساجدہ ہم غیراں
دیگراں عفت پناہ پاک دامن را سلام

میراں سرائے والے گنبد کے اندر شہر بدایوں میں دفن ہیں۔

بی بی زینب

آپ حضرت شاہ نصیر الدین چشتی المعروف بہ چٹیا والے میاں صاحب کی والدہ اور قطب عالم شاہ بے نیاز حضرت نیاز احمد چشتی قادری بریلویؒ کی زوجہ محترمہ تھیں۔نہایت عابدہ شب بیدار،تہجد گذار،صاحب برکت وکرامت خاتون تھیں۔زبان سے جو فرما دیتی تھیں پورا ہو کر رہتا تھا

۲۰ ذیقعدہ ۱۲۹۶ھ وفات پائی چٹیا والے میاں صاحب کی درگاہ میں جداگانہ گنبد میں دفن ہیں۔

حفیظہ بیگم عرف بیا (بی آ)

آپ حضرت تاج الفحول مولانا عبدالقادر عثمانی بدایونی کی زوجہ ثانی اور عاشق رسول مولانا عبدالقدیر صاحب کی والدہ محترمہ تھیں اسوقت انکے ایک پوتے عبدالمجید محمد اقبال قادری بدایونی کراچی میں مقیم ہیں اور چھوٹے پوتے سالم القادری بدایوں میں درگاہ قادریہ کے سجادہ نشین ہیں۔ آپ نسلاً صدیقی تھیں اور خواجہ ضیاالدین دہلوی کی بیٹی' خواجہ عبداللہ دہلوی کی ہمشیرہ اور خواجہ نظام بدایونی کی پھپی تھیں۔ انتہائی پابند شریعت عابدہ وزاہدہ' خوش اخلاق اور متواضع خاتون تھیں میں نے ان کی ضعیفی اور اپنے بچپن میں انھیں دیکھا ہے شریعت کی اتنی پاسداری تھی کہ بارہ چودہ سال کے لڑکوں تک سے پردہ کرتی تھیں میں اپنے پھپی زاد بھائی خواجہ احتشام الدین ولد خواجہ نظام الدین کے ساتھ جب بھی انکے گھر جاتا تو بڑی شفقت فرماتی تھیں۔

مجھ سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اس وقت میری عمر ۱۴ سال سے کم تھی ان کا وصال غالباً تشکیل پاکستان سے قبل ہوا ان سے متعلق کوئی تحریری مواد میرے پاس نہیں ہے حافظے کے سہارے لکھ رہا ہوں ان کا انتقال بھی مجھے خوب یاد ہے۔ ہمارے گھر والوں نے ان کی تدفین میں شرکت کی تھی اپنے خاندان کی خواتین اور اپنی والدہ محترمہ کی زبانی سنا تھا کہ وصال کے وقت آپکی پیشانی کی رگیں اسطرح سمٹ گئی تھیں کہ ان سے واضح طور پر اللہ لکھا ہوا نظر آتا تھا آپ کا مزار شریف درگاہ قادریہ مجیدیہ میں ہے۔

بلقیس فاطمہ عرف بی عمہ

آپ کا تعلق شیوخ صدیقی عبدالرحمانی کے خاندان خرسواراں سے تھا۔ شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ کی اولاد میں مولوی محمد اصلح کی بیٹی مولوی ریحان رضا کی بہو اور مولوی عثمان

رضا کی زوجۂ اول تھیں انکے بیٹے مولوی سلمان رضا اور فرقان رضا کراچی میں اور احسان رضا بدایوں میں ہیں ۔ آپ شریعت مطاہرہ کی بے حد پابند تھیں کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی انتہائی حیادار اور شرمیلی ہونے کے باوجود رخصتی کی رات بھی بعد غسل نماز فجر ادا پڑھی تھی۔ حیا کا یہ عالم تھا کہ کبھی شوہر کا نام زبان پر نہیں آیا بلکہ عثمان کی صوتی مماثلت سے بچنے کے لئے کبھی لفظ آسمان بھی زبان سے اُدا نہیں کیا۔ نہایت متقی و پرہیزگار اور طہارت و پاکیزگی کا بے حد لحاظ رکھنے والی خاتون تھیں۔ سخت پردہ دار تھیں باقاعدہ تلاوت کرتی تھیں۔ پھول اور خوشبو پسند فرماتی تھیں ضعیفی اور بیماری کے عالم میں موتیا کے پھول پہنے رہتی تھیں مجھے جہاں تک یاد ہے میں نے انھیں ہمیشہ سفید لباس میں دیکھا ہے۔ آخر میں گٹھیا کی مریضہ ہونے کے سبب سب سے دور دور رہتی تھیں بلکہ بچوں سے انتہائی شفقت کے باوجود جوڑوں کی دکھن کے سبب بچوں کو دور رکھتی تھیں۔ میرے مرحوم والد کی حقیقی بڑی بہن تھیں۔ دونوں میں بے حد محبت تھی میں انھیں بی عمہ کہتا تھا۔ وصال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ وہاں کیا گذری آپ نے فرمایا مجھ سے تو کچھ پوچھ گچھ نہیں ہوتی بس دو فرشتے ہاتھوں میں سیب لئے ہوئے آئے اور پوچھا یہ کیا ہے میں نے بتادیا۔ آپ کا انتقال تشکیل پاکستان سے قبل ہوا تھا اور چمنی روضہ کے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئیں تھیں۔

ذیل میں اولیائے بدایوں کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے یہ فہرست مجلہ بدایوں کے جلد نمبر ۷ اور شمارہ نمبر ۱۲ سے منقول ہے۔ اس شمارے کے صفحہ نمبر ۵ ۷ پر جناب محمد عبدالستار کا ایک مضمون بدایوں مدینۃ الاولیا صغیر عالم اسلام کے نام سے موجود ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ مجلہ بدایوں کے بانی و ناشر مرحوم عبدالستار صاحب ہیں یا کوئی انکے ہم نام اور ہیں۔ اس فہرست کو اولیائے بدایوں کے سابق وطن کے حوالے سے جسطرح مرتب کیا گیا ہے وہ بے حد قابل قدر

ہے۔ میں نے اس سے زیادہ مفصل اور مکمل کوئی دوسری فہرست نہیں دیکھی ۔ میں کتاب ھذا کے قارئین کی معلومات کے لئے مجلّہ بدایوں کے شکریہ کے ساتھ پیش کرر ہا ہوں۔ جس سے معلوم ہوگا کہ اولیائے بدایوں میں کون کہاں سے آئے تھے۔

فہرست

مکۃ المکرمہ (سعودی عرب)	حضرت حافظ ضیاء الدین مکی شہیدؒ (ڈھاک والی زیارت) حضرت حافظ وجیہہ الدین مکی شہیدؒ...... حضرت ملا عبداللہ مکیؒ...... حضرت شیخ علی مکیؒ...... حضرت شیخ آدم بندگیؒ...... حضرت خواجہ عطاء اللہ چشتیؒ۔
مدینہ منورہ (سعودی عرب)	حضرت مولانا سید یحییٰ مدنیؒ۔

....

بغداد شریف و عراق	حضرت غازی حامد شہیدؒ...... حضرت غازی راشد شہیدؒ حضرت مولانا عفیف الدینؒ...... حضرت فضیل نہروالی شہیدؒ...... حضرت فتح الدینؒ...... حضرت میاں ضیاالدین آہنگرؒ

....

یمن	حضرت غازی احسن رسالہ دار شہیدؒ...... حضرت سلطان ابراہیم یمنی شہیدؒ...... حضرت سید اعز الدین یمنیؒ...... حضرت شیخ اعظم سہروردی...... حضرت خواجہ حسنؒ (سلطان العارفین) حضرت خواجہ عثمان سہروردی حضرت شاہ ولایت

....

جلاک ، یمن	حضرت خواجہ جلاک سرخیلؒ۔

....

عدن	حضرت تقی الدین۔

....

مصر	حضرت سید جمال مصری شہیدؒ.....حضرت حافظ آیت اللہ فرشوریؒ.....حضرت مقیم الدینؒ۔
مصر (قصبہ کرک)	حضرت ملا مخلص الدین کرکیؒ حضرت خواجہ عزیز کرکیؒ.....حضرت عبدالغفور۔
غزنی	حضرت سید عبداللہ میر ملہم شہیدؒ (میرانجی صاحب).....حضرت علی شہیدؒ.....حضرت سید عثمان غزنوی شہیدؒ.....حضرت سیدہ سالار مسعود غازیؒ..... آپ کی ایک انگلی بدایوں میں دفن ہے) حضرت خواجہ حیدر علی شہیدؒ.....حضرت برہان الدین قتال شہیدؒ.....حضرت سید ابراہیم غزنوی شہیدؒ۔
اصفہان . ایران	حضرت سید جلال الدین اصفہانی شہیدؒ.....حضرت مرید الدین اصفہانی شہیدؒ.....حضرت غلام رسول اصفہانی شہیدؒ۔
تہران ' ایران	حضرت سید غلام علی تہرانی شہیدؒ
ایران	حضرت خواجہ عزیز شہیدؒ۔
شیراز . ایران	حضرت شیخ فتح اللہ شیرازیؒ۔
مہمرہ . ایران	حضرت شیخ شہاب الدین مہمرہؒ.....حضرت میاں مجنوں شاہؒ۔

....

گنور علاقہ سبزوار . ایران	حضرت حمید الدین گنوریؒ (حضرت دادے حمید) حضرت مجید الدین گنوریؒ
مشھد . ایران	حضرت سید محمد یوسف گھاسا شاہ مجذوبؒ
گردیز ایران	حضرت سید علاؤالدین اولاد حضرت امام تقی علیہ السلام..... حضرت مولوی محمد شفیع
ترمذ . ایران	حضرت مولانا سراج الدین ترمذی۔
ترکستان	حضرت حافظ ظفر الدین تلمسانی شہیدؒ حضرت غازی شوکت شہید..... حضرت ضیاء الدین نخشبی حضرت محمد شریفؒ۔
نصیر آباد	حضرت حافظ موسیٰ نصیر آبادی شہیدؒ
زابلستان	حضرت سالار کرار حسین زابلی شہیدؒ..... حضرت رفیع القدر زابلی شہیدؒ
زنگبار (زنجبار)	حضرت سلطان بایزید زنگی شہیدؒ
عسقلان ' شام	حضرت حافظ احمد عسقلانی شہیدؒ
دمشق . شام	حضرت حافظ ظہیر الدین دمشقی شہیدؒ
سرخد . شام	حضرت احمد الدینؒ
فسطاط . شام	حضرت اعظم علیؒ حضرت میاں ثناء اللہ شاہؒ
مرغش . شام	حضرت قاضی کمال الدین جعفریؒ

....

قونیہ۔ ترکی — حضرت عبدالجامعؒ

....

طرطوس شام — حضرت مولانا عبدالباری طرطوسیؒ

....

سجستان یا سیستان — حضرت شیخ عبداللہ سجستانی شہیدؒ حضرت ملا احمد الدینؒ

....

ماوراء النہر — حضرت مولانا نظام الدینؒ...... حضرت مولانا رضی الدین حسن صغانیؒ...... حضرت خواجہ حسن ولیؒ...... حضرت شاہ نصرت الدین چشتیؒ...... حضرت شیخ ابو سلیم چشتیؒ۔

....

قطر — حضرت قاضی دانیال قطریؒ

....

بدخشان — حضرت خواجہ محمود حضرت عبدالغنیؒ

....

طبرستان — حضرت میاں حسن خاں خلیجی شہیدؒ

....

فیلمان یا جیلان — حضرت شاکرین ارشقؒ

....

انڈلس (اسپین) — حضرت محمد زماںؒ

....

بخارا۔

حضرت سید اعظم علی بخاریؒ حضرت مولانا سید نظام الدین بخاریؒ...... حضرت سید واحد علی بخاری شہیدؒ...... حضرت عبدالرشیدؒ ...... حضرت خواجہ سید علی بخاریؒ...... حضرت خواجہ سید عرب بخاریؒ...... حضرت خواجہ سید موسیٰ بخاریؒ...... حضرت سید عبد الرحمانؒ ...... حضرت خواجہ سید احمد بخاریؒ...... حضرت خواجہ سید عبداللہ بخاریؒ...... حضرت خواجہ سید محمود بخاریؒ۔

....

ثمرقند — حضرت مولانا مخدوم عالم ثمرقندیؒ......حضرت میاں اعظم شاہ مجذوبؒ......حضرت مولانا سید عبدالکریم ثمر قندیؒ۔

حلب — حضرت حیدر علی حلبی شہیدؒ

....

طوس خراسان — حضرت سید باقر علی شہیدؒ......حضرت خواجہ حسن افغان طوسی......حضرت مولانا نورالدین طوسیؒ۔

....

خراسان — حضرت محبؒ اللہؒ حضرت محمد عاقلؒ

....

ہرات — حضرت خواجہ سید عثمان شہیدؒ......حضرت حافظ سید سلیمان ہراتی شہیدؒ حضرت سید ہارون ہراتی شہیدؒ......حضرت سید لقمان ہراتی شہیدؒ......حضرت سید موسیٰ ہراتی شہیدؒ۔

....

شروان — حضرت مطیع اللہ شروانیؒ

....

تفت — حضرت شیخ احمد تفتہؒ (شیخ احمد تختہ)

نہاوند — حضرت سلطان نصیرالدین غازیؒ

....

بلخ — حضرت سید غلام قادرؒ

....

کابل — حضرت میاں حبیب اللہ خاں کابلیؒ

....

نیشاپور — حضرت ملک محمد نیشاپوریؒ

....

قندھار — حضرت شیخ احمد معشوقؒ......حضرت میاں محمد خاں

قندھاریؒ

....

همدان — حضرت شاہ حسین قادریؒ.....حضرت پیر بایزید قادریؒ

....

توران — حضرت شاہ نصیرؒ

....

کاشغر — حضرت مولوی نہال الدینؒ

....

افغانستان — حضرت مولانا سید عبدالقیومؒ

....

بنگال — حضرخواجہ شادی لکھنوتیؒ.....حضرت مولانا محمد سعید جعفریؒ.....حضرت صفی اللہؒ۔

....

پاکستان

ملتان — حضرت سید عبداللہ ملتانیؒ.....حضرت احمد خیاطؒ.....حضرت قاضی حسان الدینؒ.....حضرت شاہ صدر الدینؒ ملتانی۔

....

لاهور — حضرت خواجہ شادی مقریؒ

....

پشاور — حضرت احمد الدین ملک الدینؒ

....

پنجاب — حضرت اعظم الدینؒ.....حضرت ملا عبداللہ عارف باللہؒ.....حضرت کرم خانؒ.....حضرت شرف علیؒ حضرت شیخ محمد چشتیؒ حضرت ولی محمد چشتیؒ۔

بھارت

نہروال گجرات	حضرت شیخ احمد ذکی نہروائیؒ......حضرت خواجہ علیؒ
اجمیر شریف	حضرت شیخ احمد بھرتولی......حضرت شیخ احمد بودلہؒ حضرت خواجہ وحید چشتیؒ۔
لکھنو	حضرت دین علی شاہ صابریؒ......حضرت میاں لطف علی شاہؒ
بریلی	حضرت شاہ نصیر الدین چشتیؒ
دھلی	حضرت شیخ اختیار الدین عمر چشتیؒ...... حضرت مرزا قلندر بیگؒ۔
رامپور	حضرت ابراہیم خاںؒ......حضرت سید حبیب اللہ شاہ نقشبندیؒ......حضرت میاں قادر علی شاہؒ
بلگرام (ہردوئی)	حضرت سید جمال احمد بلگرامیؒ
غازی پور	حضرت شاہ جی محمد غوث قادریؒ
سھارنپور	حضرت کلن ولد منگن گو نگے شاہ مجذوب
قصبہ جانسی	حضرت جان محمد
مراد آباد	حضرت مولوی محمد افضلؒ
رسولی (بارہ بنکی)	حضرت مخدوم عبداللہ رسولویؒ

رائے بریلی	حضرت سید محمد طٰحہؒ
پیلی بھیت	حضرت خرم علیؒ
جگناتھ پوری	حضرت میاں شفقت شاہؒ
امرتسر	حضرت میاں علی محمد شاہؒ
ہردوئی	حضرت سید جواد علی شاہؒ
ایٹہ	حضرت میاں حیدر علی شاہ مجذوبؒ

بدایوں

حضرت کالے خاںؒ حضرت مولانا شاہ عبدالمجید قادریؒ حضرت ذکر اللہ حضرت دلیل الدینؒ حضرت میاں محب اللہ شاہؒ حضرت میاں وزیر شاہ مجذوبؒ حضرت میاں حرمت خاںؒ حضرت مولانا شاہ فضل رسولؒ حضرت میاں تعظیم شاہؒ حضرت قاضی عبدالسلام عباسیؒ حضرت مولانا سید محمد تاج الدین حسن نقویؒ۔ حضرت حاجی احسان اللہ شاہ قادریؒ حضرت میاں عظیم اللہؒ حضرت میاں عبداللہ شاہ فاروقیؒ، حضرت مولانا نور احمد عثمانیؒ، حضرت عبدالرحیم خاں قادریؒ حضرت میاں غلام علی شاہ عباسیؒ۔ حضرت مولانا عبد الوالی چشتیؒ حضرت میاں وزیر الدینؒ حضرت خدا بخش حضرت رحمان علی یا رحمان حسینؒ حضرت مولانا دلدار علی شاہ مذاق میاںؒ حضرت مولانا عبدالقیوم شہیدؒ حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ حضرت مرزا محمد صدیقؒ حضرت مولوی عبداللہ چشتیؒ حضرت میاں عطاء اللہؒ حضرت مولا بخش کاسہ گرؒ حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدرؒ حضرت حافظ مجاہد الدین متولیؒ حضرت میاں غلام حسینؒ حضرت سید ماجد علیؒ حضرت عبدالرسولؒ محب احمد قادریؒ حضرت شاہ غلام قادر خاںؒ حضرت پیراں جلال چشتیؒ حضرت شیخ اعظم

شہیدؒ حضرت شیخ سلطان شاہ چشتیؒ حضرت جلال خاںؒ حضرت سید مزمل چشتیؒ حضرت مولانا سید صدرالدین محمد حاکم بندگیؒ حضرت خواجہ سید علی کبیر چشتیؒ حضرت شیخ عبدالہادی منکنؒ حضرت سید شاہ عبدالرحمنؒ حضرت سید محی الدین ہنسلی پیرؒ حضرت شیخ محسن مجذوبؒ حضرت شاہ فخرالدین قادریؒ حضرت شاہ ولی اللہ دانشمندیؒ حضرت شیخ حسینؒ حضرت سید عین الدینؒ حضرت مولانا علی احمد اللہ محدثؒ حضرت عبدالجبار خاںؒ حضرت مولانا شاہ عبدالماجد بدایونیؒ حضرت مولانا قطب الدین برہمچاریؒ حضرت عبد الرزاق صاحبؒ حضرت مولانا سید یونس علی محدثؒ حضرت حکیم مولانا ظہیر احمد ظہیریؒ حضرت حاجی اعجاز حسینؒ حضرت میاں محمد سعید خاںؒ حضرت مولانا محمد ابراہیم بدایونیؒ حضرت مولانا شاہ ایثار علیؒ حضرت نبی بخش نباشاہؒ حضرت سید ارشد علی پیر جیؒ حضرت غلام مصطفیٰ پھولن شاہؒ حضرت امداد اللہ شاہ سدا سہاگنؒ حضرت حاجی عبدالرحیمؒ حضرت مولوی احتشام اللہ خاںؒ حضرت مولوی اسرار علی شاہ چھوٹے میاںؒ حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیمؒ حضرت علی مولا بزرگؒ حضرت سعد الدینؒ حضرت مولانا فخر الدینؒ حضرت شیخ مہناج الدینؒ حضرت شیخ محمدؒ حضرت شیخ عبدالباقی چشتیؒ حضرت قاضی عبدالشکورؒ حضرت مولوی محمد یعقوب دانشمندیؒ۔

مندرجہ بالا فہرست کے علاوہ ایک اور لائق صد احترام نظم بھی نذر قارئین ہے۔ یہ منظم پیران بدایوں کے نام سے خود ایک ولی اللہ اور عظیم المرتبت بدایونی شاعر حضرت مذاق میاں کی ہے۔ ۴۶ شعروں پر مشتمل ہے اور اس میں اکثر اولیائے بدایوں کے نام نظم کئے گئے ہیں شاید کم لوگوں کی نظر سے گذری ہوگی۔

مذاق میاں بدایونی

قصیدہ پیران بدایوں

نام لے پیران حق کا روز و شب صبح و مسا
ہو حیات و موت حشر و نشر ساتھ ان کے ترا

شاہ شرف الدین اعلیٰؒ فخر اولاد نقیؒ
والد سید علاء الدین اصولیؒ ذوالعلا

سید سلطان نظام الدین محبوب الہؒ
ابن احمدؒ بن علی اولاد امجاد رضا

حضرت بی بی زلیخا ہیںؒ ولیہ سیدہ
مادر سید نظام الدینؒ محبوب خدا

ہیں سراپا نور بی بی نورؒ، ہمشیرہ حضور
ہیں یہ دونوں بیبیاں دہلی میں مدفون ایکجا

شیخ شاہی حضرت خواجہ حسن سلطانجیؒ
ہیں برابر ان کے مدفوں شیخ عثماں بادشاہؒ

سوئے مغرب دفن ہیں ہمشیرہ زادہ والدین
قرب میں بالین و پائیں کے ہیں شمسینؒ الضحیٰ

ان کے قدموں سے قریں باطن میں پر ظاہر میں دور
ہیں سراپا سوختہ قوال مدفون ایک جا

ایک بھائی ان کے ہیں شاہ ولایت بدر دیںؒ
بدر دنیا بدر دیں بدر زمیں بدر سما

شیخ ابوبکرؒ احمد خیاطؒ احمد نہروالؒ
احمد خنداںؒ و شیخ احمدؒ مجرد باخدا

شیخ احمدؒ سید احمدؒ احمدؒ بھرتول شاہؒ
احمد تختہؒ و خواجہ شادی مقری شہاؒ

ہیں حسام الدین ملتانی لقب حاجی جمالؒ
خواجہ مولا علی مولیٰ بزرگ و خورد کا

سید محمودؒ محمود فقیراں سرخ پیر
نسل پاک غوث اعظمؒ پیر پیران ہدیٰ

شیخ محمودؒ و جہندہؒ شیخ منہاجؒ و عزیزؒ
مخلص الدینؒ و عزیزؒ کو قوال اولیا

خواجہ زین الدینؒ سراج الدینؒ اور سید عربؒ
شیخ برہانؒ بدایونی شہاب مہمرہؒ

شیخ شرف الدینؒ و مولانا رضی الدین فقیہہؒ
محتشمیؒ خواجہ ضیاء الدینؒ خورشید ضیا

حضرت خواجہ ملک شادیؒ لکھنوتی ولی
اور مذکر اور نصیر دیںؒ کے والد باخدا

سید ملہم شہیدؒ و پیر مکہؒ بادیم — حضرت سید مظفرؒ سید جعفر ہدیٰؒ
سید الہم شہیدؒ و حضرت زنگی شہیدؒ — اور براہیم و علی غازیؒ شہیدان عزا
قاضی، شرع متین و عالمان علم دین — ہیں حمید الدینؒ وصدر الدینؒ وسدا بے گواہ
سید السادات فضل اللہؒ اور سید حسینؒ — حضرت مفتیؒ مرید عالم باالتقا
حضرت حاجی بخاریؒ حضرت شیخ نظامؒ — حضرت خواجہ مہندؒ پیر مردان خدا
حضرت خلدکؒ ہے سر خیل سرافرازان دیں — دوسرا جلدکؒ ہے سر خیل سران دوسرا
شیخ عبد الباقیؒ و شیخ جلالؒ ذی جمال — شیخ عبد الہادیؒ و عبد الغنیؒ صاحب غنا
حضرت شیخ جلال الدین کاسیؒ باجلال — حضرت مخدوم عبد اللہؒ طہٰؒ باصفا
عارف باللہ عبد اللہؒ ہیں مخدوم و شیخ — حضرت شیخ محمودؒ چشتیوں کے پیشوا
حضرت سید شریفؒ و شیخ سلطان شاہ دیںؒ — شیخ چاؤ شیخ فتح اللہؒ حاجی بادشاہؒ
شیخ عبد القادرؒ شاہ شہاں ابن ملوک — اور محمد اخفیؒ شیخ عبد القادراؒ
ہیں محمد کے ولی بن بدر دینؒ و شیخ چاندؒ — ہیں عطیفؒ و شاہ اوجالےؒ اور ولی اللہ شاہؒ
شاہ مولانا سعیدؒ جعفری و قادری — سید عین الدینؒ اور یار محمد مقتدیٰ
خاکسار مسند خرم شاہ سرمست الستؒ — اور مجذوب طپاں، شاہ حمیدؒ بامزا
شاہ گھاساؒ اور امان الدینؒ مجذوبان حق — فاتح دل شیخ فتح الدینؒ مجذوب خدا
ہیں دلیل اللہؒ مرید خان ذیشان سعیدؒ — پیر ہیں سید حسنؒ جن کے رسول اللہ نما
شاہ جی شاہ نصیرؒ و مولوی قطب دیںؒ — ابن مولانا ابو اللیث فقیہہؒ مقتدیٰ
شاہ مولانا معینؒ فائق عاشق فقیر — حضرت حافظ علی احمدؒ محدث مہتدیٰ
نام نامی ان کا مولانا حسنؒ ہے اور علی — ہیں مرید۔ مولوی فخر دینؒ مصطفیٰ
شاہ مولانا محمد اور علیؒ ہے نام پاک — مولوی عبد الغنیؒ و بو المعانیؒ باصفا

جانشین سید آل احمدؒ معشوق حق — عاشق حق عین حق شیخ طریقت رہنما
سید عالی ہمم والا کرم فیاض خلق — قادری رزاقیؒ ، عبد العلیؒ ذوالعلا
مست بیخود حضرت معصوم شاہؒ اور بسریل — اعظم ابراہیم خانؒ حضرت ثناء اللہ شاہؒ
یوں مذاق اس شہر میں ہر ایک جا مقبول ہے — کچھ عجب مقبول حق ہے یہ جگہ نام خدا
کیا ہو پیران بدایوں کا بیان نام و نشاں — باہر اندر شہر کے مدفوں ہیں صدہا اولیا
تربتوں سے ان کی روشن ہیں زمین و آسمان — ہو رہا ہے نور کا عالم سمک سے تا سما
ہووے حاصل دولت الفقر فخری یا فقیر — نعمت دنیا و دیں مل جائے با فقر و غنا
خیر و برکت اور عفو و عافیت ہووے نصیب — ہو محمدؐ کی شفاعت اور دیدار خدا

رحمتہ اللہ علیہم اجمعین پڑھیے مذاقؔ
تا کہیں سب اولیا آمیں تری سن کر دعا

مختصر یہ کہ:

سطور بالا میں جن اولیائے کاملین اور صوفیاے متقین کا تذکرہ کیا گیا ہے اور جن پاک طی بیوں کے حوالے دیے گئے ہیں اگر انھوں نے بلاد عرب و عجم سے تشریف لا کر بدایوں کو شرف وطنیت نہ بخشا ہوتا اور اسے اپنا مسکن و مدفن نہ بنایا ہوتا تو آج دینی سر بلندی کا جو پرچم لہرا رہا ہے وہ سرنگوں ہوتا۔ نہ مساجد ہوتیں نہ مدارس اور نہ خانقاہیں اور نہ ہی یہ مزارات کہ جن سے شب و روز ایک فیض عام جاری ہے نہ علماء و فضلاء و مجاہدین اور ادبار شعراء کے درخشندہ کارناموں کی روشن تاریخ لکھی جاتی۔ نہ بدایوں قبۃ الاسلام ہوتا اور نہ مدینۃ الاولیا۔ پھر تو دیگر بلاد الہند کی طرح یہ ایک غیر معروف چھوٹا سا ضلع تھا اس میں ٹھٹہ، ملتان اور دہلی جیسے تاریخی مراکز کی سی تب و تاب کہاں سے آتی ہے۔

یہ اولیائے بدایوں کا ہی فیضان ہے کہ بڑے بڑے انقلاب اور المیوں سے گزرنے کے بعد آج بھی میرا بداؤں جاگ رہا ہے۔

فائق مرا وطن تھا وہ آغاز عمر میں
شہر بدایوں مسکن شاہان اولیاء
سرکارؒ کا کرم ہے کہ ہیں آج بھی وہاں
اہل بدایوں صاحب فیضان اولیاء

فاؔئق بدایونی

☆☆☆

دوسرا باب

آبادی اور بڑے خاندان

ضلع کی آبادی............مسلم آبادی کا تناسب............بڑے مسلم خاندان
............سادات............نقوی............علوی............ہاشمی اور قریشی............صدیقی
............عبدالرحمانی صدیقی............خاندان خرسواراں............دانشمندی............سلیمانی
صدیقی............بخوش............متولی............بنوحمید............جلیسی............فرشوری
............چودھری صدیقی............فاروقی............عثمانی............عباسی............
انصاری............داؤد خانی............اصالت خانی............کنز التاریخ بدایوں کے
مطابق بدایوں کے خاندان:۔

☆☆☆☆☆☆

اے بدایوں تیری عظمت کے نشانوں کو سلام
جو تری تاریخ ہیں ان خاندانوں کو سلام

فائق بدایونی

دوسرا باب

آبادی:

بدایوں کی آبادی اس کی تاریخ کا آئینہ ہے اس میں قدیم مقامی ہندو جین اور بلاد عرب وعجم سے آنے والے مسلمانوں کی اولادیں اور خاندان، کچھ مشنری کوششوں کے نتیجہ میں ہونے والے عیسائی کچھ سکھ اور کچھ پنجاب سے آنے والے سکھ اور شرنارتھی آباد ہیں۔ مولوی محمد سلیمان بدایونی کے مطابق انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد پہلی مردم شماری ۱۸۵۳ء میں ہوئی، اس وقت پورے ضلع کی آبادی آٹھ لاکھ پینتالیس ہزار آٹھ سو اڑسٹھ 845868 نفوس تھی، دوسری مردم شماری، کا مولوی محمد سلیمان نے کوئی تذکرہ نہیں کیا، تیسری مردم شماری ۱۸۷۲ء میں ہوئی جس کے مطابق کل ضلع کی آبادی نو لاکھ چونتیس ہزار چھ سو ستر 934670 تھی۔ کنز التاریخ بدایوں میں مولوی محمد رضی الدین بسمل نے ۱۸۶۵ء کی دوسری مردم شماری کا بھی تذکرہ کیا ہے جس کی رو سے 43942 افراد کا اضافہ ہو کر کل آبادی 889810 ہو گئی تھی اور فی مربع میل 451 افراد آباد تھے، جبکہ ۱۸۵۳ء کی مردم شماری میں یہ شرح 424 افراد فی مربع میل تھی یعنی 17 افراد فی میل کا اضافہ ہوا۔ ۱۸۷۲ء کی مردم شماری کی رو سے نو لاکھ چونتیس ہزار چھ سو ستر افراد میں 503843 مرد اور 430827 خواتین تھیں اور فی مربع میل شرح 466 افراد تھی کل آبادی میں اضافہ سابقہ کے مقابلے میں 44860 افراد تھا۔ ۱۸۸۱ء کی مردم شماری میں کل آبادی نو لاکھ چھ ہزار چار سو اکیاون 906451 ہو گئی تھی فی مربع میل آبادی 453 رہ گئی تھی اور 28219 افراد کی کمی ہوئی تھی جس میں 6492 مرد اور 11727 خواتین کی کمی ہوئی تھی۔

۱۸۹۱ء کی مردم شماری میں پھر 19531 افراد کا اضافہ ہوا اور ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کی رو سے آبادی 1025753 ہو گئی جس میں 553120 مرد اور 472633 خواتین تھیں ہندو

848737۔ مسلمان ۱۶۸۰۲۰ آریہ ۲۸۸۰۰ عیسائی ۶۱۱۶ تھے اسی طرح آبادی کے معمولی اتار چڑھاؤ کا سلسلہ جاری تھا کہ ۱۹۴۷ء میں تشکیل پاکستان کے وقت ایک بڑی تبدیلی رونما ہوئی بہت سے مسلمان ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور شرنارتھی بدایوں جا کر قاضی محلہ۔ سید باڑہ شیخ پٹی اور میروہ ٹولہ پر قابض ہو گئے ان کی آبادی کے لئے نئے کوارٹر بھی تعمیر کئے گئے اور مسلمانوں کی حالت ابتر ہو گئی شعراء نے شکوہ کیا۔

غیرت اہل چمن کو کیا ہوا
چھوڑ آئے آشیاں جلتا ہوا

بہر حال اس وقت بدایوں کی آبادی بیس لاکھ کے قریب ہے۔

مسلم آبادی کا تناسب:

انگریزی حکومت کے وقت جو مسلمان اعلیٰ منصبوں پر فائز تھے برطانوی تسلط کے بعد بھی ان میں سے اکثر برقرار رہے، مولوی محمد سلیمان رقمطراز ہیں کہ ''مسلمانوں کے عہد حکومت میں بدایوں کے کسی ایک ہندو کا نام بھی کسی ممتاز عہدے پر نہیں ملتا'' انگریزی حکومت کے قیام کے بعد بھی پرانے تعلیم یافتہ مسلمان اعلیٰ مناصب پر قائم رہے۔ جب انگریزی تعلیم کا زور ہوا اس وقت بھی بدایوں کے مسلمان تعلیم میں مقامی ہندوؤں سے آگے رہے، ۱۸۷۲ء میں پورے ضلع کی آبادی میں مسلمان چودہ اعشاریہ نو فیصد 14.9% تھے۔

یعنی 934670 میں 139687 مسلمان تھے، مگر پندرہ فیصد ہونے کے باوجود ضلع کے کل رقبہ کے تہائی یعنی 33% کے مالک تھے۔ اور شہری علاقے میں دیگر اقوام کے مقابلے میں ان کا تناسب ساٹھ فیصد 60% تھا جو ۱۹۴۸ تک قائم رہا'' یہی وجہ ہے کہ شہری زندگی پر مسلم کلچر کی چھاپ بہت نمایاں تھی، شہری مسلم آبادی کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ ان میں 90% سے بھی زیادہ بلکہ کم وبیش جتنے بھی مسلمان تھے، سب کے سب عربی النسل تھے۔ یہ بات شہر میں آباد

مسلمانوں کے بڑے خاندانوں کی تاریخ سے تصدیق پاتی ہے۔

بڑے مسلم خاندان:

بدایوں کے بڑے خاندانوں میں سب سے زیادہ معزز قابل احترام اور افضل خانداں سادات کا ہے۔ ویسے تو ائمہ اہل بیت میں سے ہر ایک امام کے نام سے سادات کی نسل چل رہی ہے۔ اور یہ سادات اپنے آپ کو علوی۔ حسنی۔ حسینی۔ عابدی، باقری۔ جعفری۔ کاظمی۔ رضوی۔ نقوی۔ عسکری۔ اور مہدی کی نسبتوں سے شناخت کرواتے ہیں، جو برصغیر پاک و ہند میں ہر جگہ موجود ہیں، ان میں سے بعض سادات اپنی نسبی نسبت کے بجائے سید کے ساتھ وطنی نسبت بیان کرتے ہیں، جیسے بخاری، یمنی، مکی ان میں سے بدایوں میں جو سادات موجود ہیں وہ عموماً بخاری حسنی، حسینی، عابدی، جعفری، کاظمی رضوی، تقوی، نقوی یا زیدی ہیں اور ان میں بھی نقوی خاندان سب سے نمایاں ہے، اس خاندان سادات کے بعض افراد نے بہت شہرت پائی ہے مثلاً ایک ولی کامل اور عالم دین حضرات یونس علی صاحبؒ جنہوں نے رقم الحروف کو بسم اللہ پڑھائی تھی بدایوں کی معزز ترین ہستی تھے۔ دوسرے مشہور صحافی میر محفوظ علی اور سید سبط نبی نقوی جو پاکستان میں محکمہ موسمیات کے ڈائریکٹر جنرل تھے، جن کے بیٹے اور میرے دوست سید مسعود علی نقوی تھے جو کراچی یونیورسٹی کے سابق طلباء کی یونین کے کرتا دھرتا تھے اور کراچی میں ان کا وصال ہوا، ایک میر محفوظ علی کے پوتے سید مسعود علی نقوی ہیں جو میرے پرانے دوست اور مجلہٗ بدایوں کے نگران اعلیٰ اور مالی بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ پیشہ تجارت ہے، لندن میں مقیم ہیں۔ اسی طرح بدایوں میں اسی خاندان کے بہت سے معروف مس[illegible]ت ہیں ان میں ایک میرے دوست ڈاکٹر سید واجد علی نقوی بھی ہیں جو اپنے والد مرحوم ڈپٹی سید علی نقوی کی وجیہہ اور پرکشش شخصیت کا آئینہ ہیں۔

فاطمی سادات کے علاوہ بدایوں میں علوی سادات بھی ہیں، جیسے موضع شہزاد پور ضلع بدایوں کے سید حلیمؒ جو حضرات عباسی علمدار شہید کربلا کی اولاد ہیں۔ جن کے لئے ملا عبدالقادر

نے لکھا ہے۔

سید زینت دہ شہزاد پور
ابن عباسؓ قتیل پاک مدفن را سلام

غوی سادات کے علاوہ ہاشمی اور قریشی خاندان بھی بدایوں میں معروف ہیں جو نبی کریم ﷺ کی اولاد تو نہیں، مگر ہم نسل ہیں ان میں کچھ لوگ خود کو ہاشمی لکھتے ہیں، یعنی حضرت ہاشم کی اولاد کچھ قریشی یعنی حضرات فہر المعروف قریش ملی کی اولاد ہیں۔

ہاشمی خاندان میں میں نے ایک بزرگ قاضی سراج الاسلام کو ان کی ضعیفی کے عالم میں دیکھا تھا، جن کی گردن رعشہ کے سبب مسلسل ہلتی رہتی تھی۔ بالکل صاف لگتا تھا جسے کسی بات کو منع کرر ہے ہیں۔ اس وقت پاکستان میں اسی خاندان کے چشم و چراغ میرے عمہ زاد بھائی طیب ہاشمی رہائش پذیر ہیں جن کی اولاد کراچی اسلام آباد اور امریکہ میں ہے۔ اسی طرح قریشی خاندان کی ایک ''محب بدایوں شخصیت'' محمد وسیم عمر ہیں جو مجلّہ بدایوں کی جان ہیں۔ کراچی میں اہل بدایوں کی عید ملن اور ڈنر کے اہتمام میں نہایت سرگرم اور مستعد رہتے ہیں، ان کے والد بزرگوار محمد عمر قریشی بدایوں کی ایک معروف شخصیت اور کراچی کے ایک بڑے تاجر ہیں۔

بعض سادات اپنے نام کے ساتھ قادری لکھتے ہیں جو حضرت غوث پاکؓ کی اولاد ہیں مثلاً حضرت سرخ شہیدؒ جن کا نام سید محمودؒ قادری تھا، اپنی بہن بی بی زبیدہ خاتون اور اپنے کم عمر صاحبزادے میاں بہاول شیر قلندر کے ہمراہ بدایوں تشریف لا کر یہیں متوطن ہو گئے آپ حضرت غوث پاکؓ کی دسویں پشت میں ہیں مزار شریف محلہ سوتھا میں ہے۔ حضرت غوث پاکؓ کی اولاد کے علاوہ وہ لوگ بھی اپنے نام کے ساتھ قادری لکھتے ہیں جو آپ کی اولاد تو نہیں ہیں مگر قادری سلسلے میں بیعت ہیں۔ سلسلہ قادریہ میں بیعت وہ سادات بھی ہیں جو آپؓ کی اولاد تو نہیں مگر نام کے ساتھ سید بھی اور قادری بھی لکھتے ہیں۔ چوتھی قسم کے قادری وہ حضرات ہیں جو نہ تو سادات

قادریہ میں ہیں اور نہ قادریہ سلسلے میں بیعت ہیں، مگر ان کے باپ دادا چونکہ قادریہ سلسلہ میں بیعت تھے اور نام کے ساتھ قادری لکھتے تھے، اس لئے ان کی اولاد بھی پدری نسبت سے قادری لکھنے لگے۔ مثلاً ڈبلو۔ بی۔ قادری یا واحد بخش قادری بدایونی جو مرکزی حکومت پاکستان میں سکریٹری تھے اپنی پدری نسبت سے قادری لکھتے تھے۔

بدایوں شہر اور اس کے بعض نواحی علاقوں میں شیخ صدیقی بڑی تعداد میں آباد ہیں اور ان کے کئی معروف خاندان ہیں۔ میری دانست میں شاید صدیقی شیوخ کی تعداد بدایوں میں سب سے زیادہ ہے، ان کے آٹھ، دس بڑے اور معزز و مفتخر خاندان ہیں، جن میں سے چند حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کی اولاد میں ہیں اور چند محمد بن ابوبکرؓ کی اولاد ہیں، شیوخ عبد الرحمانی میں چار معروف خاندان حضرت عبداللہ مکیؒ کی اولاد ہیں اور ایک شیخ مطیع اللہ شروانیؒ عرف ''مطاخر سوار'' کی اولاد ہیں۔ ان کی اولاد میں بھی اس وقت خرسواروں کی دو شاخیں بدایوں میں ہیں ایک تو محمد کبیر صدیقی کی نسل میں قاضی عبدالرشید کی اولاد تھے، جس میں اس وقت قاضی الیاس رشید بدایوں کے اکابر میں ہیں۔ دوسری شاخ حضرت محمد مکمل شہیدؒ کی اولاد ہے پاکستان میں راقم الحروف اسی شاخ کا ایک ادنیٰ فرد ہے۔ حضرت عبداللہ مکیؒ کی اولاد ان کے دونوں بیٹوں سے چلی ہے بڑے بیٹے محمد نجیب اللہ کی اولاد جو نجیبی اور دانشمندی کہلاتے ہیں۔ بہت معزز ہیں۔ اس خاندان کی جو بڑی ہستیاں گذری ہیں ان میں مولوی محمد یعقوب دانشمند اور حاجی وصی اللہ دانشمندیؒ اور شاہ ولی اللہ دانشمندی کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔ حضرت عبداللہ مکیؒ کے چھوٹے صاحبزادے شیخ محمد یعقوب کی اولاد میں جو خاندان ہیں، ان میں سے متولی اور بخوش تو اپنی شناخت اپنے متمیز ناموں سے رکھتے ہیں، مگر باقی صدیقی جو شیخ محمد یعقوب کی ہی اولاد ہیں اپنا نسب ملا عبداللہ مکی سے ہی ملاتے ہیں درمیان کی شخصیت سے منسوب نہیں کرتے ، ملا عبداللہ مکی کی اولاد میں ایک بزرگ شیخ آدم بندگیؒ اور انکے بیٹے سعد اللہ قریشی بھی خاندانی لحاظ

سے بہت معروف شخصیات ہیں۔ سعد اللہ قریشی کے پوتے محمد یوسف تھے۔ ان کے پانچ یا چھ بیٹوں میں سے دو کی اولاد بدایوں میں معروف صدیقی ہیں۔ ان میں ایک محمد سلیمان بن محمد یوسف کی اولاد ہے۔ جس میں جامیؔ بدایونی کا خاندان ہے جن کے پوتے اس وقت کراچی میں ہیں۔ اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز رہے ہیں۔ میرے دوستوں میں ہیں جناب قدیر صدیقی جن کے اجداد کے ناموں کے ساتھ کہیں کہیں سلیمانی بھی لکھا گیا ہے۔ محمد یوسف کے دوسرے بیٹے شیخ کرم اللہ ہیں جن کے نام کے ساتھ شجرے میں متولی لکھا ہے۔ وہ شہنشاہ وقت کے احکام کے مطابق بدایوں میں اس جایداد کے متولی مقرر ہوئے تھے جو حضرت سلطانجی اور حضرت شاہ ولایتؒ کے مزارات کے اخراجات کے لئے تھی۔ ان کی اولاد خود کو متولی لکھتی ہے متولیوں میں ازروئے شجرہ شیخ احمد اور شیخ بدہن کی اولادیں بدایوں میں خوب پھولی پھلیں، ان کی ایک شاخ خاندان بخوش ہے شیخ محمد کی اولاد ہے اور نام کے ساتھ بخش لکھتی ہے۔ ویسے تو بخوش بھی متولیان سے ہی تعلق رکھتے ہیں، مگر اس خاندان میں چونکہ بڑے اہل ثروت وشہرت افراد گذرے ہیں جو اپنے نام کے ساتھ بخش لکھتے تھے، اس لئے خاندان بخوش نے ایک علیحدہ تشخص حاصل کرلیا ہے۔ ان میں حضرت مولوی عزیز بخش مہاجر مکیؒ ایک بڑی دینی شخصیت تھے، ان کے علاوہ مولوی وحید بخش دنیاوی لحاظ سے ایک بڑی محترم شخصیت کے مالک تھے جو بدایوں میونسپل بورڈ کے چیئرمین تھے اور جن کے نام سے بدایوں کی ایک بڑی شاہراہ موسوم ہے۔ ان کے جو بیٹے پوتے کراچی آگئے ان میں فرید بخش ایک انتہائی خوش خلق اور نستعلیق شخصیت کے مالک اور عمدہ شاعر تھے راقم الحرف سے بڑے محبانہ انداز سے ملتے تھے۔ بخوش کے بڑے لوگوں میں مولوی قوی بخش رحمان بخش، پیغمبر بخش، ستار بخش اور مولوی مصطفیٰ بخش، فائق بدایونی بڑی عزت وشہرت کے مالک افراد تھے۔ بخوش تعداد میں کم اور متولیان زیادہ ہیں۔ متولیان میں بڑے بڑے علماء فضلا گذرے ہیں بالخصوص مشاہیر شعراء کی اکثریت اسی خاندان سے وابستہ ہے۔ اس خاندان کے اکابر میں شیخ

شمس الدین جھجار خاں بڑی معروف شخصیت ہیں۔ اکرام اللہ محشر بدایونی کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔ پاکستان میں حضرت منوّر بدایونی اور محشر بدایونی اسی خاندان کے افراد تھے۔ اس وقت کراچی کے مشاہیر شعراء میں نیاز بدایونی اسی خاندان کے رکن ہیں۔ دلاور فگار کی ننھیال بھی اسی خاندان سے متعلق تھی۔ یہ خاندان بدایوں میں علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے، عہد آخر میں ماسٹر سبطین احمد بھی اسی خاندان کے ایک بڑے تاریخ داں تھے۔

شیوخ صدیقی کی دوسری شاخ حضرت محمد بن ابوبکر صدیق ؓ کی اولاد ہیں اس میں کئی مشہور خاندان ہیں۔ ایک خاندان دادے حمید یعنی حضرت حمید الدین گنوری کی اولاد ہے۔ جو حمیدی کہلاتے ہیں دوسرا فرشوری خاندان ہے۔ اور ایک چودھریوں کا خاندان ہے جو نوادے میں رہائش پذیر ہے۔

گذشتہ باب میں حضرت حمید الدین گنوری کے خاندان بنو حمید کے بزرگان کا تذکرہ خاصی وضاحت کے ساتھ آچکا ہے۔ تاہم موجودہ خاندانی حوالے میں اسی خاندان کے چند اکابر کی نشاندہی ضروری اس لئے ہے کہ اس میں بہت سی تاریخ ساز شخصیات میں بڑے بڑے علماء و فضلاء کاملین و مجاہدین اور ادباء شعرا گذرے ہیں ان میں سب سے پہلا نام تو خود حضرت حمید الدین گنوری کے صاحبزادے حضرت صدر الدین باقی وقت کا ہے جو قاضئ بدایوں رہے ہیں۔ بنو حمید کے مشاہیر علماء میں شیخ افضل محمد ایک مشہور عالم تھے، قاضی محمد جلیس عہد عالمگیر میں منصب قضاء پر فائز اور فتاویٰ عالمگیری کے مصنف رہے ہیں۔ روہیلہ عہد میں نامور عالم اور محدث مولانا علی احمد اللہ تھے۔ مولانا حسن علی چشتی بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا احسان اللہ بدایونی اور ان کے دونوں صاحبزادگان مولوی محمد حسن اور احمد حسن ٹونک والوں کے مشاہیر بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ چودھویں صدی ہجری کے اکابر میں مولوی محمد حسین آخوند۔ حضرت مذاق میاں اور شاہ ایثار علی کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح مولانا محبت

احمد قادری بھی ایک بڑے عالم تھے۔ جو مولانا عبدالقادر بدایونی کے شاگرد تھے۔ مولانا حشمت علی کا نام بھی بڑا ہے جن کے مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ نے دستار فضیلت باندھی تھی۔ علم طب کے ماہرین میں حکیم سعید اللہ حکیم وحید اللہؒ اور حکیم فخر الدین بھی قابل ذکر نام ہیں۔ طبقات الاولیاء کے شارح ملا نصیر ملتانی باقیات الصالحات کے مترجم شیخ شرف علی حمیدی بھی مشاہیر میں ہیں۔ آپ پائے کے مورخ بھی تھے۔ دیگر مورخین جن کا تعلق خاندان بنو حمید سے ہے احمد رضا حمیدی حکیم وحید اللہ اور سعید اللہ اور قاضی فدا حسین جلیسی ہیں۔ ان کے ساتھ مولوی غلام شبر ولد مولوی غلام حیدر کا نام بھی بنو حمید کے مورخین اور نسب نگاروں میں بہت نمایاں ہے۔ جنگ آزادی کے مجاہد شہداء مں مولوی رضی اللہ، اشرف علی نفیس اور قاضی تفضیل حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ارباب شعر وسخن میں شیخ ظہور اللہ نوا، شفاعت اللہ شفاعت۔ اکرام احمد لطف بدایونی کرم احمد میخوار۔ امیر احمد امیر، تولا حسین اور قمر بدایونی قابل ذکر ہیں۔ بنو حمید کے اکابر میں وہ شخصیات جنہوں نے ہجرت کی اور پاکستان میں مشاہیر میں شمار ہوئے ان میں جام نوالی بدایونی ان کے بیٹے مہتاب ظفر۔ قمر بدایونی کے بیٹے محبوب الحسن ارشدی۔ دلاور فگار اور فوق بدایونی. کے چھوٹے بھائی اوج بدایونی کے نام شعراء میں قابل ذکر ہیں۔

علماء میں ڈاکٹر ابو للیث صدیقی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں صوفیا و بزرگان میں میاں ابرار علی مذاقی ایک مشہور صاحب طریقت ہیں ان کے بیٹے قمر احرار بھی اپنے مسلک میں شہرت رکھتے ہیں۔ قاضی محمد جلیس کی اولاد خود کو جلیسی لکھتے ہیں۔ میرے نانا مرحوم قاضی غلام سبطین بھی جلیسی تھے ان کے دو بیٹے قاضی امیر حسنین جلیسی اور ضمیر الحسنین بھی کراچی کے معروف بدایونی رہے ہیں۔ قاضی امیر حسنین کے بیٹوں میں، خالد جلیسی اور طارق جلیسی ڈاکٹر ہیں، حیدر جلیسی ظرافت نگار شاعر ہیں اور ضمیر الحسنین کے بیٹے ڈاکٹر اسلم مشرق وسطیٰ میں مقیم ہیں میرے نانا کے بھائی قاضی فدا حسنین تھے، جن کے پوتے ڈاکٹر ایم ایچ جلیسی کراچی میں بین الاقوامی شہرت

کے۔ای۔این۔ٹی۔سرجن ہیں۔ان کے بھانجے۔ڈاکٹر سلیم حیدر مہاجر اتحاد تحریک کے قائد اور نیک نام سیاست داں ہیں۔ایم۔ایچ جلیسی مجلّہ بدایوں کے چیئرمین بھی ہیں۔میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔کراچی میں بنو حمید سے ہی انور مقصود کا بھی تعلق ہے۔جو ایک معروف ادیب اور ٹی۔وی فنکار مزاح کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے ہیں۔اسی خاندان کے سربراہ جناب علی مقصود تھے۔جو کئی مرتبہ بدایوں میونسپل بورڈ کے چیئرمین منتخب ہوئے مشہور حمیدی بزرگ مقصود حسین کے صاحبزادے تھے، جو ہجرت کر کے کراچی آ گئے تھے ان کے بیٹے طارق مقصود جو "لور برادرز" کے ایک اعلیٰ عہدیدار تھے۔گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں سے میرے ساتھیوں میں ہیں۔اسی خاندان کی خواتین میں فاطمہ ثریا بجیا زہرہ نگاہ اور صادقہ فاطمی کو بھی بہت شہرت نصیب ہوئی، ادا جعفری، اور جیلانی بانو بھی اسی خانوادہ سے متعلق ہیں۔مجلۂ بدایوں کے سابق مدیر۔ موجودہ مدیر اعلیٰ اخلاق اختر حمیدی بھی یہاں کی معروف شخصیت اور عہد طالب علمی سے میرے ہمجولیوں میں ہیں۔

بنو حمید کے علاو حضرت محمد بن ابو بکرؓ کی اولاد میں ہی ایک اور معروف خاندان <u>فرشوری خاندان</u> ہے۔یہ خاندان اس قدر با اثر اور معزز ہے کہ اس کے نام سے ایک محلّہ فرشوری ٹولہ کے نام سے آباد ہے یہ محلّہ بدایوں کی مسلم شہری آبادی کے بیچوں بیچ ہے۔قاضی کمال الدین فرشوری جب بدایوں کے محتسب ہو کر یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اندرون قلعہ وسط شہر میں سکونت اختیار کی ان کی اولاد میں ایک باکمال بزرگ حضرت حافظ آیت اللہ فرشوری گذرے ہیں۔جن کا وصال ۱۸ شوال <u>۱۲۴۱</u>ھ کو ہوا اور بدایوں میں ہی دفن ہیں۔قاضی کمال الدین فرشوری نے جہاں سکونت اختیار کی تھی وہی علاقہ اب فرشوری ٹولہ کہلاتا ہے۔آپ کے مورث اعلیٰ ابوالمظفر مصری تھے۔جو فرشور سے چل کر دہلی آئے تھے۔آپ کے آبا میں بعض لوگوں کے نام کے ساتھ مصری ہے اور بعض کے ساتھ فرشوری لکھا جاتا ہے۔سلسلہ نسب حضرت محمد بن

ابوبکرؓ سے ملتا ہے۔اس خاندان میں بھی بدایوں کے بڑے معززین گذرے ہیں۔کراچی میں اسی خاندان کے ایک فرزند ریاض فرشوری بہت معروف تھے۔یہ ایک اچھے نثر نگار تھے۔خوبصورت زبان لکھتے تھے، افسانے بھی لکھے انشائیہ بھی اور ریڈیو کے لئے بہت کچھ لکھا ہے ایک صاحب صلاحیت ادیب تھے اب ان کے بیٹے غالباً صحافت سے وابستہ ہیں۔

بدایوں شہر کے علاوہ اس کے نواحی علاقے نوادہ میں بھی ایک **چودھری صدیقی** خاندان آباد ہے۔اس کے مورث اعلیٰ شیخ چاند افغانستان سے آئے تھے اور سلطان علاؤ الدین کے سپہ سالار تھے، جب سلطان دہلی کی سکونت ترک کر کے بدایوں آیا تو شیخ چاند بھی اس کے ساتھ تھے۔ایک روایت ہے کہ انہیں 99 دیہات بطور تحفہ دیئے گئے تھے۔ان کی اولاد نوادے میں آباد ہے اور اپنے نام کے ساتھ چودھری اور صدیقی لکھتی ہے۔یہ صدیقی اپنا نسب محمد بن ابوبکر صدیقؓ سے ملاتے ہیں۔ان میں متعدد پڑھے لکھے لوگ ادیب وشاعر علماء اساتذہ اور پروفیسر گذرے ہیں۔اس خاندان کی ایک بڑی اور عظیم المرتبت شخصیت ایک بڑے عالم اور تین زبانوں یعنی اردو فارسی اور انگریزی کے شاعر ابوالفضل صدیقی کے والد بزرگوار اور نذر الحسن صدیقی کے دادا چوہدری محمد ابوالحسن صدیقی بصیر بدایونی تھے۔ویسے بھی اس خاندان میں پڑھے لکھے اور عالم و فاضل کئی قابل ذکر بزرگ گذرے ہیں، ان میں سے آٹھ دس تو پی۔ایچ۔ڈی تھے۔ڈاکٹر امیر حسن صدیقی اور ڈاکٹر رفعت صدیقی کا بھی تعلق اسی خاندان سے تھا۔یہ دونوں بزرگ کراچی یونیورسٹی کے مشہور پروفیسروں میں شمار ہوتے تھے۔چوہدری ابوالفضل صدیقی اور ان کے چھوٹے بھائی ابومسلم صدیقی پائے کے افسانہ نگار اور ادیب تھے۔اس وقت کراچی میں چوہدری ابوالفضل صدیقی اور ابومسلم صدیقی کے بھتیجے نذر الحسن صدیقی چوٹی کے افسانہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔وہ اپنے وضع کردہ اسلوب نگارش کے قلم کار اور صاحب تصانیف افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے مجلہ بدایوں میں بھی متعدد مضامین لکھے ہیں حال ہی میں ان کی تصنیف دیدہ بینا شائع

ہو کر آئی ہے۔ان کا قلم گلچھرے اڑاتا ہوا چلتا ہے غیر افسانوی مضامین بھی افسانوی انداز سے شروع کرتے ہیں۔ان کے چھوٹے بھائی نورالحسن صدیقی جو میرے ہم مضمون یعنی نفسیات میں ۔ایم۔اے ہیں۔ایک خوبصورت شخصیت کے مالک اور میرے ہم محلہ کیا برابر والے مکان میں رہتے ہیں ان کا بیٹا جمال کمپیوٹر سائنس میں ڈگری حاصل کر کے امریکہ چلا گیا ہے۔اس کی میرے بیٹوں محمد اویس اور محمد بلال سے بھی خاصی قربت ہے۔اس لئے کہ وہ دونوں بھی نیویارک اور نیوجرسی میں ہیں۔

بدایوں کے فاروقی شیوخ کے بیان میں زیادہ تفصیلات سے میں اس لئے گریز کروں گا کہ اس خاندان سے متعلق یعنی فاروقی شیوخ کے ضمن میں شیخوپور کے حوالے سے اپنی تصنیف ''شیخو سے شیخوپور تک'' میں بدایوں کے نامور نثر نگار اور جواں سال محقق تسلیم اللہ خاں غوری نے بڑے خوبصورت انداز میں حقائق پیش کئے ہیں،تاہم آئندہ سطور میں ایسے ایک بزرگ کا ضرور تذکرہ کروں گا جن کی بدایوں آمد شیخوپور سے بہت پہلے کی تھی۔یہ قابل صد احترام بزرگ صوفی مجاہد ولی اللہ حضرت وجہہ الدین فاروقیؒ ہیں۔

آپ ۵۹۹ھ ہجری میں قطب الدین ایبک کے ہمراہ بدایوں تشریف لائے تھے۔والد بزرگوار کا اسم گرامی حاجی سعد الدین فاروقی تھا۔وہ بھی آپ کے ساتھ ہی تشریف فرما ہوئے تھے۔شیخ وجہہ الدین فاروقیؒ نے بدایوں آکر درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا تھا،بلند پایا عالم دین،صاحب زہد و تقویٰ بے مثال سالک گوشہ نشین تھے۔ریاضت و مجاہدہ اور کرامت و خوارق میں مقام بلند رکھتے تھے۔آپ کے احباب میں بابا گنج شکر فرید اور شیخ جلال الدین تبرتری جیسے اکابر تھے۔یہ دونوں بزرگ آپ سے ملنے بدایوں تشریف لائے تھے اور آپ ہی کے ساتھ قیام فرمایا تھا۔حضرت بابا صاحب کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب اللہ متوکل بھی آپ سے ملنے کے لئے تشریف لائے تھے۔بیدوں ٹولہ کی ایک مسجد میں آپ کا مدفن ہے۔۱۰ ذی الحجہ ۶۳۵ھ تاریخ

وصال ہے۔ شیوخ فاروقی میں ایک اور تاریخ ساز شخصیت شیخ سعد اللہ فاروقی ہیں آپ بابا گنج شکر فریدؒ کی پانچویں پشت میں اور حضرت فاروق اعظمؓ کی ۲۶ ویں پشت تھے، جن کا نام بعض حوالہ جات میں شیخ سعید الدین فاروقی لکھا گیا ہے آپ شہنشاہ بابر کے زمانے میں دسویں صدی ہجری کے نصف اول میں بدایوں تشریف لائے اور مسجد شمسی کے عقب میں رہائش اختیار کی۔ اور آپ کی تشریف آوری کے ساتھ ہی بدایوں میں شیوخ فاروق و فریدی کی آمد شروع ہوئی۔ اور رفتہ رفتہ شیخو پور آباد ہو گیا جو بدایوں کے متمول باثر اور ذی علم افراد کی بستی تصور کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کے ایک بزرگ عہد اکبری میں شیخ قطب الدین فاروقی گذرے ہیں آپ دربار اکبری میں ایک باثر شخصیت تھے، آپ ہی کے بیٹے شیخ نواب فرید فاروقی تھے۔ جن کا لقب اخلاص خاں تھا۔ آپ بھی ایک تاریخ ساز شخصیت تھے جن کا روضہ آج بھی ماضی کے شکوہ کی یادگار ہے۔ ساکنان شیخو پور بدایوں کے جن اکابر اور مشاہیر کا تذکرہ انیسویں اور بیسویں صدی کے اکابر کے طور پر کیا جاتا ہے ان کی فہرست تسلیم غوری نے مرتب کر کے بعض کا اجمالی تعارف اچھے انداز میں لکھا ہے ان میں سے اہم نام شیخ غلام نجف الدین۔ شیخ شرف الدین نواب عبد الغفار میکو میاں۔ شیخ امین الدین حیدر۔ سلطان حیدر جوش۔ وحید میاں۔ قادری میاں۔ فرید میاں اور ننھے میاں کے ہیں۔ ایک اور قابل ذکر فاروقی بزرگ حضرت میاں عبد اللہ شاہ فاروقی کا ذکر بھی شیوخ فاروقی کے ضمن میں اہمیت کا حامل ہے۔ آپ کی ولادت بدایوں میں ۱۲۲۱ھ میں اور وصال ۱۲۹۸ھ میں ہوا۔ آپ بابا گنج شکر فرید کی پندرھویں پشت میں تھے۔ آپ شاہ عبد المجید قادری عثمانی کے مرید و خلیفہ تھے۔ مولانا شاہ فضل رسول عثمانی قادری سے بھی فیض پایا تھا۔ انتہائی متقی اور محتاط بزرگ تھے۔ صاحب اجازت ہونے کے باوجود کسی کو اپنا مرید نہیں کیا۔ محلہ سوتھا میں سکونت اختیار کی تھی اور درگاہ قادریہ میں مزار شریف ہے۔ بدایوں میں فاروقی خاندان کی ایک مشہور شخصیت جان محمد فاروقی تھے جو بدایوں کی سیاست اور فلاحی مشاغل کے ایک سرگرم اور فعال رکن

تھے۔

تھے۔ بدایوں کے اسلامیہ کالج کی انتظامیہ کے سربراہ بھی رہے تھے۔ کانگریس کی حکومت کے بعد ضلع بدایوں کے کانگریس کے صدر بھی رہے تھے۔ بعد میں ہجرت کر کے کراچی آ گئے تھے۔ کراچی کی رہائش کے دوران ان سے میری بہت ملاقاتیں ہوئی ہیں، ان کی دونوں بیٹیاں ''سلیم ظہور'' اور ''فہیم فریدی'' میری شاگرد رہی ہیں اور مجھ سے نفسیات پڑھی ہے۔ فہیم کے شوہر کا نام جلیل فریدی ہے کراچی کے بدایونی حضرات میں خاصی معروف شخصیت ہیں، اپنے طالب علمی کے زمانے میں طالب علم لیڈر رہتے تھے۔ بہت رعب داب کے ساتھ رہتے تھے۔ عمر میں مجھ سے شاید دو چار سال بڑے ہوں گے مگر بزرگ بن کر ملتے ہیں۔ اور اب بھی اسی جوانی والے وقار سے بات کرتے ہیں۔ رٹائرمنٹ کے بعد سے طریقت کی طرف مائل ہیں اور ایک اچھے خاصے حلقہ میں ایک بزرگ کی حیثیت سے متعارف ہیں، ان کے والد بزرگوار جناب فخر الدین فاروقی کو میں نے بدایوں میں دیکھا تھا وہ بھی بڑی پروقار اور وجیہہ شخصیت کے مالک اور معروف فرد تھے۔

بدایوں کا عثمانی خاندان بھی ایک عظیم المرتبت خاندان ہے۔ علم وفضل، ریاضت و عبادت، زہد وتقویٰ، تصوف وفقر اور فیضان قادریہ کے باب میں اس خاندان کی عظیم الشان روایات اور خدمات ہیں۔ یہ حضرات نسلاً حضرت عثمان غنیؓ کی اولاد ہیں، بدایوں میں ان کے مورث اعلیٰ اور جد امجد حضرت دانیال قطریؒ ہیں، جن کا ذکر تفصیل سے پہلے باب میں آ چکا ہے۔ آپ ۵۹۹ھ میں قطب الدین ایبک کے ہمراہ بدایوں تشریف لائے، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پیر بھائی اور خواجہ عثمان ہارونیؒ (ہرونی) کے مرید وخلیفہ تھے۔ حضرت دانیال قطری کے فرزند ارجمند قاضی شمس الحق شمس الدین المعروف بہ قاضی رکن الدینؒ بڑے عالم تھے اور منصب قضا پر فائز تھے۔ اسی خاندان کی ایک مشہور ومعروف شخصیت حضرت قاضی سعد الدین سدا بے گواہؒ تھے آپ کے دربار میں جو مقدمے پیش ہوتے ان کی اصلیت کشف باطنی سے معلوم کر لیتے اور گواہوں کے بغیر مقدمات کا صحیح فیصلہ فرماتے تھے، اس لئے قاضی سدا بے گواہ مشہور ہوئے،

۱۱۷٦ھ میں وصال فرمایا، مدفن گل چیں والی مسجد مولوی ٹولہ میں ہے۔ اس خاندان کے ایک اور معروف بزرگ قطب زماں بحر العلوم مولانا محمد علی گزرے ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۳۴ھ میں ہوئی ،آپ مشاہیر علمائے کرام میں شمار ہوتے ہیں، نواب آصف الدولہ والئی اودھ کو آپ سے عقیدت اور شرف تلمذ تھا۔ وہ آپ سے ملاقات کے لئے بدایوں بھی آیا تھا، بحر العلوم مولانا محمد علی کے تربیت یافتہ ایک بزرگ برگزیدہ حضرت مفتی عبد الغنی صاحب کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا، آپ بارہویں صدی ھ کے مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں، مختلف درباروں میں آپ سے فتوے طلب کئے جاتے تھے۔ ایک اور جید عالم اور بزرگ مولانا مفتی محمد عوض بھی اسی خاندان سے تھے، آپ بریلی میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے۔ آپ کے بعد اکابر عثمانی بدایونی میں ایک عظیم صاحب مراتب حضرت شاہ عین الحق مولانا عبد المجیدؒ کا نام آتا ہے، جن کی درگاہ سے آج بھی اہل بدایوں فیضیاب ہو رہے ہیں۔ آپ حاجئ حرمین شریفین فدائے غوث الثقلینؒ بزرگ تھے، آپ کا لقب شاہ عین الحق تھا۔ آپ حضرت اچھے میاں صاحب مارہرویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے پیر مرشد حضرت اچھے میاں آپ کو افضل العبید مولوی عبد المجید لکھا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر خداوند کریم کی جناب سے پوچھا گیا کہ ہماری بارگاہ کے لئے کیا تحفہ لائے ہو تو مولوی عبد المجید کو پیش کر دوں گا۔ آپ کی درگاہ مجیدیہ قادریہ بدایوں میں مرجع خلائق ہے آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا شاہ فضل رسولؒ بڑے حق گو بے باک اور پائے کے عالم ہونے کے علاوہ ایک صاحب حال ولی کامل قادری بزرگ تھے۔ بحیثیت عالم آپ کا لقب سیف اللہ المسلول'' یعنی اللہ کی برہنہ شمشیر'' تھا اور شاہ معین الحق کے لقب سے معروف تھے۔ آپ کا نام فضل رسول حضرت اچھے میاں مارہرویؒ نے رکھا تھا، بغداد شریف میں قیام کے دوران عالم بیداری میں حضرت غوث پاکؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ عرب وعجم کے بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ بلاد اسلامیہ کے مشائخ عظام آپ کو اپنے وقت کا امام مانتے تھے۔ آپ

کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی بھی پورے برصغیر کے مشہور ترین علماء اور صف اول کے کاملین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ علوم دینیہ میں آپ کے استاد حضرت مولانا نور احمد عثمانی تھے۔ جو خود ایک باکمال بزرگ اور مولانا عبدالمجید قادری کے مرید اور مجاہد آزادی حضرت مولانا فیض احمد عثمانی رسوا بدایونی کے شاگرد تھے۔

مولانا عبدالقادر کا لقب تاج الفحول تھا، انتہائی ذہین شمار کئے جاتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ فضل رسولؒ سے نقل ہے کہ ''برخوردار عبدالقادر کی ذہانت مجھ سے اور مولوی فیض احمد صاحب دونوں سے زیادہ ہے''۔

امام اہلسنت حضرت احمد رضا خانصاحب بریلویؒ نے آپ کی شان میں ''چراغ انس'' کے عنوان سے ایک قصیدہ بھی لکھا ہے۔ آپ کے دو فرزند تھے ایک حضرت مولانا عبدالمقتدر صاحبؒ اور دوسرے عاشق رسول حضرت مولانا عبدالقدیرؒ صاحب میں نے اپنے بچپن میں مولانا عبدالقدیر صاحب کو دیکھا تھا، سفید کھدر میں ملبوس انتہائی باکمال اور نورانی صورت بزرگ تھے، آپ ہر سال بغداد شریف میں عرس میں شرکت کے لئے جاتے تھے اور مزار غوث پاکؓ کے لئے چادر پیش کرتے تھے، جب آپ کا وصال ہوا تو سرکارؓ نے اپنے سجادہ نشین کو خواب میں حکم دیا کہ میرے مزار کی چڑھی ہوئی چادر مولوی عبدالقدیر کے مزار کے لئے بھجواؤ وہ ہر سال ہمارے لئے لباس لاتے تھے۔ حضرت مولانا کے بڑے بھائی مولانا عبدالمقتدر صاحب تھے، جن کا وصال نماز فجر کے سجدے میں ہوا۔ انتہائی سادہ مزاج اور نیک ترین ہستی تھے، ان سے ہی مولانا عبدالقدیر صاحب کو خلافت ملی تھی، جن کے ایک صاحبزادے جناب عبدالمجید، محمد اقبال قادری کراچی میں ہیں، مولانا عبدالقدیر صاحب کے پوتے عبدالوہاب المعروف بہ آفتاب میری عمہ زاد بہن کے شوہر ہیں۔ مولانا صاحب کے سجادہ نشین اس وقت بدایوں میں درگاہ مجیدیہ کے وارث جناب سالم القادری ہیں۔ اسی خاندان کے دو مشاہیر حضرت عبدالماجد بدایونی خطیب ہند اور فاتح سرحد

حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی تھے، یہی خاندان مفتی ''شہر بدایوں'' خواجہ غلام نظام الدین قادری کی ننھیال ہے وہ مولانا عبدالقادرؒ کے نواسے تھے۔ میری پھپھی کے شوہر یعنی میرے پھپا تھے جن کے بیٹے خواجہ احتشام الدین بدایوں میں مقیم ہیں اور جناب سالم القادری کے شریک کارو معاونین میں اوران کے بہنوئی بھی ہیں۔

بدایوں کے معزز اور مشہور خاندانوں میں ایک بڑا اور اہم خاندان عباسی خاندان ہے، ان کے نام سے ایک محلہ بھی عباسی محلے کے نام سے اندرون قلعہ مشرقی علاقے میں موجود ہے۔ اس خاندان میں بڑے علماء وفضلا گزرے ہیں اور کم وبیش بدایوں کے تمام ہی بڑے خاندانوں میں ان کی نسبتیں اور رشتہ داریاں ہیں راقم الحروف کے خاندان کی بھی عباسیوں سے قریبی رشتہ داریاں ہیں، میرے دادا مرحوم کے پردادا حافظ محمد مکمل شہید کی زوجہ اول بھی عباسی خاندانؒ سے تھیں۔ ان کی پوتی اور مولوی محمد اکمل کی بیٹی جو حافظ عبدالستار کی ہمشیرہ تھیں، ان کی شادی بھی عباسیوں میں ایک مقتدر شخصیت سدید الدین عباسی سے ہوئی تھی، میری دو پھپیاں بھی اسی خاندان میں بیاہی گئی ہیں، ایک تائی بھی عباسی تھیں، اس خاندان کے مورث اعلیٰؒ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ پہلے عباسی تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ سے براہ راست علم کا ورثہ ملا ہے اسی لئے یہ خاندان پوری تاریخ میں اہل علم اور علم پروروں کا خاندان مشہور ہے۔ آپ نبی کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کے بیٹے ہاشمی النسل قریش مکہ کی اولاد اور بنو اسمٰعیل سے تھے، سب سے پہلے اس خاندان کے مشہور بزرگ حضرت ملا قاضی مظہر سنبھل سے بدایوں تشریف لا کر یہاں متوطن ہوئے تھے۔ جب ہلاکو خان نے بغداد فتح کر کے عباسیوں کو بری طرح تہہ تیغ کیا تو ملا واحد بن مستقر باللہ کے بیٹے شیخ شہاب الدین اصفہان ہوتے ہوئے ہندوستان آکر قصبہ سنبھل میں متوطن ہوئے، ملا مظہر ان کے پانچویں پوتے تھے، جن کی کم وبیش ۲۰ نسلیں بدایوں میں گذری ہیں ان کے پوتے بدایوں کے معروف بزرگ حضرت عبدالسلام عباسی بن عطا الحق عباسی تھے۔

آپ مقتدائے اہل طریقت اور پیشوائے شریعت بزرگ تھے ۱۲۰۱ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے تھے۔ شاہ آل احمدؒ مارہروی عرف اچھے میاںؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ عالم باعمل، پابند شریعت اور سالک طریقت بزرگ تھے، شاعر بھی تھے تقریباً دو لاکھ اشعار پر مشتمل قرآن حکیم کی منظوم تفسیر لکھی تھی۔ حضرت غوث پاکؒ کے شیدائی تھے۔ ۱۲۸۹ھ کو وصال ہوا، عباسیوں والی مسجد کے صحن میں آپ کا مدفن ہے۔ اسی خاندان کی ایک معروف ہستی جناب سدید الدین عباسی تھے، جن کے بڑے بیٹے جناب خلیل الدین احمد عباسی المتخلص بہ ''نوشہ'' ایک معروف شاعر اور تاریخ گویان بدایوں کے امام تھے۔ ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۶۳ء میں وفات پائی۔ بدایوں کے ایک اور معروف شاعر پہلوان سخن امام الکلام ثاقبؔ بدایونی کا بھی تعلق اسی خاندان سے تھا بڑے رچے ہوئے شعر کہتے تھے۔

طول موسیٰ نے دیا طور کے افسانے کو
ورنہ کیا شمع جلاتی نہیں پروانے کو

☆

لگی ٹھوکر کسی دشمن کو میرے دل پہ چوٹ آئی
کسی کا پاؤں پھسلا میں زمیں پر سر کے بل آیا

ثاقبؔ بدایونی کے بیٹے جناب شمس بدایونی کراچی کے بزرگ شعراء میں معروف ہیں میرے بڑے کرم فرما ہیں گاہے گاہے ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں۔ خاندان بنو عباس کی ایک اہم شخصیت پروفیسر وحید الدین قادری بھی تھے، جو نوشہ بدایونی کے بھتیجے خطیب الدین عباسی کے بیٹے اور ڈبلو۔ بی قادری کے ماموں زاد بھائی تھے میرے زمانۂ طالب علمی میں اردو کالج او جامعہ کراچی میں سیاسیات کے پروفیسر تھے، انکے بیٹے منظور جو صحافت سے تعلق رکھتے ہیں میرے دوست ہیں گاہے گاہے ملاقات ہو جاتی ہے پروفیسر وحید الدین قادری کی بیٹی بھی کسی کالج میں

پروفیسر ہیں۔ ہمارے خاندان سے ان کے قریبی روابط تھے میں پروفیسر وحید الدین کو ان کے گھریلو نام سے قطب چچا کہتا تھا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی جو اولاد بدایوں میں ہے وہ خود کو انصاری یا ایوبی کہتے ہیں۔ میں اس خاندان کے بدایونی حضرات سے زیادہ واقف نہیں ہوں مگر تاریخ میں اس خاندان کے علماء کے تذکرے ملتے ہیں۔ اس ضمن میں پہلا نام حضرت شیخ عبداللہ انصاریؒ کا ہے، آپ حضرت شیخ احمد رفائیؒ کے مرید و خلیفہ تھے سلطان محمد غوری کی سپاہ میں علمبردار تھے۔ ۵۹۹ھ میں قطب الدین ایبک کے ہمراہ بہ نیت جہاد اپنے خاندان کے ستر افراد کے ساتھ بدایوں تشریف لائے تھے، ان میں چھ آپ کے بھائی تھے۔ جہاد میں آپ سمیت آپ کے چھ کے چھ بھائی شہید ہوئے تھے۔ طریقت کی نسبت چونکہ قادری تھی اس لئے آپ کا نام عبداللہ قادری بھی لکھا جاتا ہے۔ آپ کے چھ شہید بھائی جن کے مزارات اور آپ خود کھنڈساری محلہ میں دفن ہیں آپ کے شہید بھائیوں کے نام شیخ زکریا انصاری، شیخ یحیٰی انصاری، شیخ اعزالدین انصاریؒ، شیخ احسان اللہ انصاریؒ، شیخ جمال الدین انصاری، شیخ حمزہ انصاری اور شیخ حسام الدین انصاری ہیں، انصاری خاندان کے ہی ایک اور بزرگ حضرت میاں جی عبدالمالک انصاریؒ ہیں۔ مراد آباد سے آ کر بدایوں میں متوطن ہوئے۔ شاہ عین الحق عبدالمجید قادریؒ کے ہم عصر پیر بھائی اور سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہرویؒ کے مرید و خلیفہ تھے، ۱۲، رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ کو وصال ہوا، خواب گاہ قاضی حوض کے متصل ہے۔ کراچی میں اس خاندان کے ایک مشہور شاعر پروفیسر منظر ایوبی بھی ہیں۔ میرے دوست اور کرم فرما ہیں، گاہے گاہے ملاقات ہوتی ہے۔ مجلہ بدایوں کے مدیر رہے ہیں۔

بدایوں میں ایک اور معزز و متمول خاندان وہ ہے جو میردہ ٹولہ متصل قاضی ٹولہ میں آباد تھا، اس خاندان کے مشاہیر میں مولوی محمد سلیمان مرحوم تھے جن کا پاکستان میں انتقال ہوا۔ بڑے ذی فہم صاحب وقار تھے۔ بدایوں کی سیاست اور فلاحی کاموں میں فعال کردار ادا

کرتے تھے، بدایوں پر بہت کچھ تاریخی حوالوں سے لکھا ہے ''بدایوں ۱۸۵۷ء میں اور'' بدایوں ۱۹۴۷ء میں'' بدایوں کے حالت پر معتبر کتب ہیں ان کے بیٹے محمد عزیز کراچی میں ہیں، جو اپنے عہد طالب علمی میں بڑے فعال بہادر اور مشہور شخصیت تھے، مولوی سلیمان کے چھوٹے بھائی ڈپٹی جمیل بھی اس خاندان کے معروف فرد تھے۔ جن کے بیٹے کموڈور خالد جمیل پاکستان نیوی کے کموڈور اور چیف آف اسٹاف اور ڈپٹی کمانڈر مگر انتہائی با اختیار شخصیت تھے۔ خوش مذاق اور اپنائیت اور بے تکلفی سے ملنے والے اور کھری گفتگو کرنے والے تھے۔ رٹائر ہونے کے بعد سیاست میں آ گئے تھے اور قومی اسمبلی کے رکن بھی رہے تھے۔ میں نے ان کے الیکشن کے لئے منشور لکھا تھا۔ جسے پڑھ پڑھ کر جھومتے تھے مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے کبھی کبھی رات کو پکڑ کے کلفٹن لے جاتے اور وہاں مزاحیہ شعر سنتے اور سناتے تھے۔ ایک یادگار باغ و بہار شخصیت تھے۔

بدایوں میں یہ خاندان روہیلوں کے زمانہ میں آباد ہوا، جب اس خاندان کے مورث اعلیٰ داؤد خاں اپنے بیٹے شیخ لطف اللہ کے ساتھ نادر شاہ کے حملے کے بعد افغانستان سے بھاگ کر ہندوستان آئے، اس خاندان کے کئی بزرگوں کے نام کے ساتھ شیخ لکھا گیا ہے۔ جس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان شیوخ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر میری محدود معلومات میں یہ بات نہیں کہ یہ کس خاندان اور نسل کے شیوخ ہیں مجھے ایک مرتبہ مولوی سلمان رضا بدایونی نے بتایا تھا کہ ان کے والد مولوی عثمان رضا کے مولوی سلیمان سے خاصے قریبی تعلقات تھے اور ان سے دوران گفتگو مولوی سلیمان صاحب نے فرمایا تھا کہ ہم اور تم ہم نسل ہیں، مگر باہر کے خاندانوں میں شادیاں ہونے سے ہمارے اور تمہارے درمیانی فصل آ گیا ہے اگر یہ بات درست ہے تو اس کے معنیٰ ہوئے کہ مولوی محمد سلیمان کا نسلی تعلق شیوخ عبدالرحمانی صدیقی سے ہے۔

مولوی محمد سلیمان کے خاندان کی ہی طرح شوکت علی خاں فانی بدایونی کا بھی تعلق افغانستان سے ہی تھا۔ ان کے جد اعلیٰ سردار نواب اصالت خاں مغل بادشاہ شاہ عالم کی طلبی

پر افغانستان سے ہندوستان آئے تھے، منصب ہفت ہزاری سے بہرہ ور ہوئے شہنشاہ نے سرکار بدایوں میں (۲۸۰) دوسو اسی مواضعات پر مشتمل ایک بڑی جاگیری عطا فرمائی جس کے بعد نواب اصالت خاں بدایوں میں متوطن ہوئے جن کا سلسلہ نسب چند واسطوں کے بعد شاہان افغانستان سے ملتا ہے۔ اسی طرح افغانستان اور ہرات سے آئے ہوئے بعض مقامی لوگوں کے چند اور خاندان بھی ہیں جو اپنے نام کے ساتھ خان لکھتے ہیں، مگر بدایوں میں نام کے ساتھ خان لکھنے والے بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نسلاً پٹھان نہیں ہیں مگر ان کے اجداد میں کوئی بزرگ ایسے گذرے ہیں جنہیں خان بہادر کا لقب عطا کیا گیا ہے اور وہ اسی نسبت سے خان بہادر کی اولاد ہونے کے سبب اپنے نام کے ساتھ خان لکھتے ہیں۔

بدایوں کے بہت سے اولیاء بزرگ، مشاہیر، علماء اور ادباء شاعر ایسے گذرے ہیں جو اپنے نام کے ساتھ اپنی نسلی نسبت نہیں لکھتے، بلکہ طریقت کی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں مثلاً قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی، فریدی، نظامی، صابری تو ایسے حضرات کی شہرت ان کے نسلی یا خاندانی حوالے سے نہیں ہوئی اور لوگ ان کی خاندانی نسبت سے ناواقف ہیں۔ بہت سے بزرگ مشاہیر اور اکابرین اپنی وطنی نسبت سے پہچانے جاتے ہیں، جن میں متعدد اولیائے بدایوں اور مشاہیر کے نام لئے جاسکتے ہیں، جن کے ناموں کے ساتھ ان کی وطنی نسبت مشہور ہے، مثلاً غزنوی، عسقلانی، اصفہانی، مصری، خوارزمی، مکی مدنی، یمنی، بغدادی، بخاری مہرہ، شیرازی، سمرقندی، شروانی، نخشبی، گنوری، گردیزی، قندھاری، ہراتی، ملتانی دہلوی، اور بدایونی نسبتوں والے بہت سے بزرگوں کے مزارات بدایوں میں ہیں، مگر ان میں بعض کے نسب کا معتبر حوالہ دستیاب نہیں، اسی طرح شعراء اپنے تخلص سے مشہور ہیں تو ایسے مشاہیر کے خاندانی حوالے دریافت کرنا مشکل ہے۔

کنز التاریخ بدایوں میں مولوی رضی الدین بسمل نے خاندانوں کی جو نشاندہی کی ہے وہ

بڑی حد تک معتبر ہے اس لئے کہ یہ کتاب ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی ہے۔ اور چالیس برس میں یعنی ۱۹۴۷ء تک بدایوں کسی بڑے انقلاب سے دوچار نہیں ہوا۔ ہاں ۱۹۴۷ء کے بعد وہاں کی آبادی میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور اس کے بعد کے کوائف فی الحال دستیاب نہیں ہیں، تاہم میرا ذاتی خیال ہے کہ تقسیم ہند کے ساتھ خاندان تقسیم تو ہوئے ہیں یکسر ختم نہیں ہو گئے۔ کنز التاریخ کے مطابق بحوالہ صفحہ ۱۵۷ بدایوں میں خاندان حسب تفصیل ذیل ہیں۔

ا۔ سادات

حسب تحریر سادات کے وہاں نو (۹) خاندان ہیں۔

الف۔ بخاری

ب۔ تقوی

ج۔ جعفری

د۔ حسینی

ہ۔ رضوی

و۔ زیدی

ز۔ عابدی

ح۔ کاظمی

ط۔ نقوی

خاندانوں کے یہ نام حروف تہجی کی ترتیب سے درج ہیں۔ اندراج کے مطابق سادات کی کل تعداد 3609 ہے۔

۲۔ شیوخ کے درج ذیل خاندان بیان کئے ہیں۔

الف۔ انصاری

ب۔ بنی اسرائیل

ج۔ صدیقی

د۔ عثمانی

ہ۔ عباسی

و۔ چوہان

ز۔ قریشی

راقلم الحروف دوسرے اور چھٹے نمبر کے خاندان کے کوائف سے بالکل ناواقف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان کے کچھ متبادل نام ہوں اور بنی اسرائیل سے مراد وہ افراد ہوں جو مدینہ کے یہود کی اولاد ہوں اور بعد میں ایمان لے آئے ہوں۔ حیرت یہ ہے کہ اس میں فاروقی شیوخ کے نام سے کسی خاندان کا حوالہ نہیں ہے جبکہ بدایوں اور خاص کر شیخوپور میں ان کی تعداد خاصی ہے۔ کنز التاریخ کے مطابق ۱۹۰۷ تک شیوخ کی کل تعداد 42720 تھی جس میں 21784 مرد اور 20936 خواتین تھیں۔

۳۔ مغل خاندان حسب ذیل تھے۔

الف۔ چغتائی

ب۔ قزلباش

کل تعداد مغلوں کی 574 تھی۔

۴۔ پٹھان خاندان تعداد میں چودہ ہیں ان کی کل آبادی 29023 ہے، مگر ان میں 14622 خاندانی شناخت کے بغیر ''دیگر'' کے عنوان سے شامل ہیں، یعنی شناخت شدہ پٹھانوں کی کل تعداد 14401 ہے۔ اور 1901ء کی مردم شمار کے مطابق مسلمانوں کی کل تعداد 168020 تھی۔

اے شہر بدایوں

شعرو ادب و فکر و ثقافت میں یگانہ
تہذیب و طریقت میں وہ یکتائے زمانہ
تاریخ کے اوراق کا اک باب درخشاں
اے شہر بدایوں تری عظمت کا فسانہ

فائق بدایونی

تیسرا باب

بدایوں کی ثقافت

مادی کلچر...... ملحقات وقصبہ جات............ سہسوان............ شیخو پور...... اوجھیانی...... بلسی...... بسولی...... اسلام نگر............ گنور............ دیگر مضافات............ شہری حدود............ محلے اور سڑکیں............ مساجد............ مزارات............ مدارس............ قدیم عمارات (مقابر، قلعے، گنبد) مکان کنوئیں اور نالیاں............ بازار اور منڈیاں۔

سواد رفتہ میں اپنا گزر جدھر سے ہوا
ہمیں تو راہ میں جلتے ہوئے چراغ ملے

فانی بدایونی

تیسرا باب

مادی کلچر

کسی بھی خطے یا علاقے سے متعلق معلومات حاصل کرنے اور پوری طرح واقف ہونے کے لئے تین ہی بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کب؟۔ کہاں؟۔ اور کیا؟۔ ان تینوں سوالوں میں پہلے کا جواب تاریخ سے ملتا ہے دوسرے کا جغرافیہ سے اور تیسرے کا نفسیات و عمرانیات وادب کے مطالعہ سے۔ یہ تینوں سوالات اس لئے بنیادی ہیں کہ ہم دنیائے زمان و مکان میں رہتے ہیں اور یہاں کی ہر شے کو اس کے بھرپور مفہوم میں سمجھنے کے لئے اس کی زمانیت، مکانیت اور کیفیت کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ ان حوالوں سے بدایوں کو سمجھنے کیلئے اس کی ابتدائی جغرافیائی علامات تو کسی گہرے مطالعہ کی دعوت نہیں دیتی ہیں، البتہ تمدنی جغرافیہ کا مطالعہ عمق میں لے جاتا ہے مگر وہ بھی بیان کرنا کوئی بہت مشکل اور بڑی بات نہیں ہے۔ ہاں اس کے تاریخی مطالعہ کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اسی لئے میں نے موجودہ تحریر میں اسے ظنی تاریخ کی مباحث سے بچانے کے لئے اس کا آغاز قبۃ الاسلام بننے کے تاریخی عمل سے کیا ہے۔ اور اسی لئے "میرا بداؤں" کا عنوان دیا ہے۔ اب اگر اس کی تاریخ و جغرافیائی نسبتوں سے قطع نظر اس کے کوائف کے مطالعہ کی طرف رجوع کریں تو اس کی ثقافت کا مطالعہ لازم آتا ہے۔ ثقافت عرف عام میں تو ایک فصیح اور آسان لفظ ہے۔ مگر جب علمی نقطہ نگاہ سے اس کے مفہوم کے تعین اور تعریف کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں بڑی مشکل پیش آتی ہے اس لئے کہ ہماری زبان میں

تقریباً ایک جیسے ہی مفہوم کی ادائیگی کے لئے تہذیب، تمدن اور ثقافت و معاشرت کی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں، جن کی معنوی تحدید آج تک ممکن نہ ہو سکی۔ اگر ثقافت کے علمی مفہوم کو ہم متعین کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے میرا انداز رسائی یہ ہے کہ پہلے ہم سمجھ لیں کہ انسان کے اردگرد جو کچھ بھی اس کائنات میں ہے وہ سب کچھ یعنی اس کی ذات کے علاوہ جو کچھ ہے ماحول ہے اور ماحول دو عوامل سے تشکیل پاتا ہے ایک تو وہ عوامل جو قدرت کے پیداہ کردہ فطری عوامل ہیں مثلاً دریا۔ پہاڑ۔ میدان۔ جنگل سورج چاند روشنی ہوا اور حرارت وغیرہ یہ سب فطری یا قدرتی عوامل ہیں جو انسان کے لئے فطرت کا عطیہ ہیں، ان کی تخلیق میں اس کا اپنا کوئی ہاتھ نہیں ہے دوسرے قسم کے عوامل وہ ہیں جو انسان کی تصنیع یعنی اس کے تشکیل کردہ ہیں "تو شب آفریدی چراغ افریدم" تو یہ چراغ درحقیقت انسان کا ہی روشن کیا ہوا ہے۔ جب ہم اس کے مطالعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو اس میں پھر دو قسم کے عوامل نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جنہیں طبیعاتی عوامل کہا جاتا ہے اور دوسرے وہ جو سماجی، نفسیاتی اور غیر مرئی نوعیت کے ہیں اول قسم کے عوامل کو Physical Culture یعنی مرئی ثقافت اور دوسرے قسم کے عوامل کو SocialsCulture غیر مرئی یا سماجی ثقافت کا نام دے سکتے ہیں۔

زیر نظر باب بدایوں کی مرئی ثقافت کے مطالعہ کیلئے مختص ہے جس میں اس کے علاقاجات ملحقات ومضافات، محلے اور سڑکیں، مساجد مدارس مزارات ومقابر، مکانات، کوئیں، پل، بازار اور منڈیاں زیر بحث آنی ہیں۔

ملحقات وقصبہ جات:

جہاں تک شہر بدایوں کے ملحقات وقصبہ جات کا تعلق ہے تو تقسیم ہند کے بعد کی تبدیلیوں کا تو مجھے علم نہیں مگر اس سے پہلے "میرے بداوں" کے درج ذیل قصبہ جات تھے۔

۱۔ سہسوان:

یہ قصبہ بدایوں کا سب سے بڑا اور مشہور قصبہ ہے اس کی دو وجوہ ہیں ایک تو یہ کہ ایک زمانے میں یہ ضلع بدایوں کا صدر مقام رہا ہے جس کی وجہ سے اسے مرکزیت حاصل ہو گئی تھی، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں بھی شہر بدایوں کی طرح بڑے بڑے علماء فضلا اور ادباء و شعرا گزرے ہیں جن کی تفصیلات زیر نظر تحریر کی حدود سے باہر ہیں البتہ دلچسپی رکھنے والے حضرات اس ضمن میں ضمیر الحسنین بدایونی کا تحقیقی مقالہ جو مجلہ بدایوں کی جلد نمبر ۲ اور شمارہ نمبر ۴ میں صفحہ نمبر ۲۹ سے صفحہ نمبر ۱۴۱ تک بہ عنوان ''سہسوان کے شعراء'' شائع ہوا ہے ملاحظہ کر سکتے ہیں، اس شمارے کی شناخت کے لئے عرض کر دوں کہ اس پر موتی میاں شہید بدایونی کی تصویر چھپی ہے۔ سہسوان دریائے مہابا کے بائیں کنارے پر شہر سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کی میونسپل حدود میں تیرہ مواضعات ہیں۔ اس کی بعض قدیم عمارتیں اور تالاب بھی مشہور ہیں۔

شیخو پور:

یہ قصبہ بدایوں شہر سے بہت قریب ہے بلکہ اس کی حدود شاید اب تو شہر سے متصل ہو گئی ہوں گی، اس لئے کہ جب یہ عہد جہانگیری میں آباد ہوا تو شہر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ یہ دریائے سوت کے کنارے پر آباد ہے۔ وہاں کی بہت بڑی آبادی حضرت بابا گنج شکر فریدؒ کی اولاد ہے۔ اس خاندان کا جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے اثر و رسوخ بہت ہے۔ یہاں کے مسلمان روساء اور با اثر سیاسی شخصیات نمایاں مقام رکھتے ہیں میں نے اپنے قیام بدایوں کے دوران شیخو پور کے دور حاضر کے روسا و مشاہیر کے جو نام سنے تھے۔ ان میں نواب عبدالغفار، میکو میاں، سلطان حیدر جوش، اور وحید میاں کے نام خاص کر نمایاں تھے۔ فاروقی خاندان کے ساتھ اس قصبہ کے دیگر اکابر کے نام اور مختصر تاریخ کا حوالہ سابقہ باب میں دیا جا چکا ہے۔ شیخو پور سے متعلق

مختصر اور معتبر اہم معلومات کی خاطر بدایوں کے ایک جواں سال قلم کار اور تاریخ بدایوں میں اہم شخصیات اور خاندان پر کثرت سے لکھنے والے تحقیق کار تسلیم اللہ غوری بدایونی کی کتاب ''شیخو سے شیخو پور تک'' لائق مطالعہ ہے۔

اجھیانی:

بدایوں کے قصبہ جات میں اوجھیانی غالباً دو وجوہ سے مشہور ہے۔ ایک تو یہ کہ قصبہ بدایوں سے بہت قریب ہے، تانگے کے ذریعہ بھی اوجھیانی تک پہنچنا مشکل نہیں ہے۔ دوسری وجہ اس کے زیادہ معروف ہونے کی یہ ہے کہ بدایوں کے بعد یہ ریلوے اسٹیشن بھی ہے قرب وجوار کے لوگ ریل گاڑی پکڑنے کے لئے یہاں آتے ہیں۔ قدیم نام اس قصبہ کا ''پپریا'' تھا۔ اس جگہ پیپل کے درخت بکثرت موجود تھے۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ جے پال اوجین نے اس علاقے کو پسند کر کے یہاں آبادی کو وسعت دی تھی۔ یہ پرگنہ حافظ الملک نے نواب علی محمد خاں کے بیٹے نواب عبداللہ خاں کو عنایت کیا تھا، ان کا مقبرہ بھی یہیں ہے۔ اور اہم عمارتوں میں شہرت رکھتا ہے۔ اس قصبہ کی بھی علیحدہ میونسپلٹی ہے۔

قصبہ بلسی:

یہ قصبہ متذکرہ بالا تینوں قصبوں کے مقابلے میں کم شہرت والا اور کم ترقی یافتہ ہے۔ سہسوان اور شیخو پور کی طرح اس کی کوئی اپنی قدیم تاریخ نہیں ہے۔ ہر چند کہ یہ پرگنہ کوٹ تحصیل سہسوان میں بدایوں شہر سے پندرہ سولہ میل کے فاصلہ پر مغرب میں واقع ہے۔ اسے برطانوی دور میں کچھ شہرت نصیب ہوئی تھی کہ ایک بااثر انگریز نے نیل کی تجارت کے سلسلے میں وہاں رہائش اختیار کر لی تھی، جس کے سبب یہ تجارتی لحاظ سے مشہور ہے۔ یہ قصبہ جسرام بقال نے عہد

نواب وزیر میں آباد کیا تھا۔ صاحبزادہ نواب حیدر علی خاں ولد نواب یوسف علی خاں بہادر والئی ریاست رامپور نے اس قصبہ کا بڑا علاقہ خرید کر وہیں رہائش اختیار کی جس کے بعد وہاں پختہ عمارات کا سلسلہ شروع ہوا اور ایک پختہ سڑک بھی بنوائی گئی جس کی وجہ سے وہاں رونق میں اضافہ ہوا، ویسے اس جگہ ہندو قوم کے افراد کثرت سے آباد ہیں۔ اس کی اپنی میونسپلٹی سرائے، شفا خانہ، ڈاک خانہ اور پولیس اسٹیشن موجود ہے۔ دو مساجد اور دو معروف محلے ہیں۔

بسولی:

شہر بدایوں سے تقریباً ۲۵ میل کے فاصلے پر ہے اس مقام پر چونکہ بانس کثرت سے پیدا ہوتے تھے اسی لئے اس کا نام پہلے ''بانس واڑی'' تھا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ بسوڑ واڑی سے بسولی ہوا ہے۔ اب اس میں کئی محلے ہیں پہلے تین محلے تھے۔ دوندے خان کے وقت سے یہ مقام معروف ہوا، ۱۷۵۷ء میں یعنی جنگ آزادی سے سو (۱۰۰) سال پہلے دوندے خان نے ایک قلعہ بنایا تھا جو اب ایک ٹیلے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ یہاں روہیلہ پٹھانوں کی یادگار مسجد سرائے، عمارات، زنانخانہ و مردانہ اس وقت تک موجود ہیں۔ ایک پرانا قلعہ کئی سو برس پرانا موجود ہے۔ شاید فیروز شاہ تغلق کے عہد کا ہو بلکہ اس سے بھی قدیم مسلمانوں کی آمد سے قبل کا ہو سکتا ہے۔

اسلام نگر:

جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے قصبہ مسلمانوں سے قریبی تعلق رکھتا ہے وہاں مسلمانوں کی آبادی بھی اچھی خاصی ہے اسی لئے تقسیم ہند کے دوران مختلف نواحی علاقوں میں مسلم کش فسادات ہونے کے باوجود وہاں کوئی بڑا ہنگامہ نہیں ہوسکا۔ ویسے تو یہ قدیم آبادی ہے مگر شمس

الدین التمش کے عہد میں رستم خان نے اس کا نام اسلام نگر رکھا تھا، تقسیم ہند کے مسلم کش فسادات کے زمانے میں میرے والد مرحوم دورے پر اسلام نگر جایا کرتے تھے۔ اور وہ کہتے تھے کہ وہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ ہندو ہم پر حملے کی ہمت نہیں کر سکتے ہماری تیاری بہت اچھی ہے۔

گنور:

جیسا کہ گزشتہ اوراق میں اجمالاً تحریر کیا گیا ہے کہ اس قصبہ کا نام گنور دادے حمید کے بڑے بھائی شیخ مجید الدین طاہر نے اپنے سابقہ وطن سبزوار کے ایک علاقے گنور کے نام پر رکھا ہے جہاں سے ترک وطن کر کے وہ بدایوں آئے تھے، ان سے پہلے یہاں برہمنوں کی آبادی تھی جب شیخ مجید الدین طاہر اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں قیام پذیر ہوئے تو یہ بات مقامی برہمنوں کو بالکل پسند نہ آئی اور انہوں نے شیخ صاحب اور ان کے ساتھیوں کو وہاں آباد ہونے سے روکنے کے لئے راجہ مجہولہ سے مدد چاہی راجہ اپنے لشکر کے ساتھ برہمنوں کی مدد کے لئے مقابلے کو آ گیا، شیخ مجید الدین نے یہ نقشہ دیکھ کر ایک مٹھی مٹی اٹھا کر راجہ کے لشکر کی جانب پھینکی۔ آپ کے تصرف روحانی سے مقابل اندھے ہو گئے اور انہوں نے شیخ صاحب سے معافی طلب کی آپ کی دعا سے ان کی آنکھوں میں روشنی آ گئی اور شاہ صاحب کے معتقد اور معاون ہو گئے اس وقت سے یہ علاقہ گنور کے نام سے آباد ہے، راجہ نے شیخ صاحب کو یہیں ایک بڑا علاقہ بطور تحفہ پیش کیا۔ یہ علاقہ اب گنور سے متصل مخدوم صاحب کے نام سے آباد ہے کچھ دیہات نواب وزیر کے عہد میں مخدوم زادگان کے صبط کر لئے گئے اور کچھ آخر تک ان کی ملکیت رہے۔

دیگر مضافات:

مندرجہ بالا کے علاوہ چند دیگر علاقہ جات اور مواضع بھی معروف علاقے ہیں۔ ان میں

داتا گنج۔ اوسہت ککرالہ۔ سلیم پور اور علیٰ پور قابل بیان ہیں، انمیں سلیم پور کو نواب علی محمد خان نے علیحدہ پرگنہ کی حیثیت دی ان کی وفات پر یہ حافظ رحمت خاں کو دیا گیا۔ پہلے یہ علاقہ صدر مقام تھا پھر ۱۸۷۲ء کے بندوبست میں داتا گنج کو صدر مقام بنایا گیا۔ دوسرا علیٰ پور جو تحصیل داتا گنج میں ہے شہر سے تقریباً ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ قصبہ سلطان سید علا الدین نے ۱۲۵۰ مطابق ۸۵۲ھ میں اپنے نام سے موسوم کر کے آباد کیا تھا۔ ککرالہ جہاد کی تاریخ میں ایک مشہور علاقہ ہے۔

شہر بدایوں کی میونسپل حدود

بدایوں میونسپلٹی کی حدود خاص شہر بدایوں تک محدود ہیں۔ دیگر قصبہ جات کی میونسپلٹیاں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جنکی نشاندہی قصبوں کے بیان میں کی گئی ہے۔ یہ میونسپلٹیاں بعد میں وجود میں آئی ہیں ان میں سب سے پرانی میونسپلٹی بدایوں شہر کی ہی میونسپلٹی ہے ہاں اس کی ہم عمر دوسری میونسپلٹی بلسی کی ہے۔ جو وائی رامپور کے سرکاری اثر و رسوخ کے تحت بدایوں میونسپلٹی کے ساتھ ہی تشکیل دی گئی تھی۔ ۱۸۶۲ء میں میونسپل ایکٹ کے تحت یہ میونسپلٹیاں وجود میں آئیں۔ ابتداً بدایوں کی میونسپلٹی ضلع کلکٹر کے زیر انتظام رہی، جس کے دور میں بہت سی پکی سڑکیں اور نالیاں تعمیر کی گئیں، پختہ کوئیں بنوائے گئے۔ یہ انتظام ۱۸۹۴ء تک رہا ۹۴ء میں مقامی لوگوں کو حق رائے دہی ملا اور بدایوں میونسپلٹی کو چھ انتخابی حلقوں میں تقسیم کر کے انتخابات کرائے گئے۔ پہلے چیئرمین شیخوپور کے نواب عبد الغفار ہوئے ۱۹۲۲ء میں مرحوم مولوی محمد سلیمان کی تجویز پر یہ فیصلہ کیا گیا کہ چیئرمین شہر بدایوں کی میونسپل حدود کا باشندہ ہوگا۔ اس شرط کے بعد پہلے اور ویسے دوسرے چیئرمین ظہور حسن ٹونک والے ہوئے۔ ان کے بعد جناب وحید بخش قادری دو مرتبہ چیئرمین رہے۔ ایک مرتبہ نواب دولہے جناب ابوالحسن قادری ہوئے۔ جناب وحید بخش قادری

دوسری مرتبہ چیئرمینی کے زمانے میں بدایوں شہر میں بجلی آئی، جس سے شہر روشن ہوگیا، اس کے بعد دو مرتبہ جناب علی مقصود حمیدی چیئرمین ہوئے اور ایک مرتبہ جناب رحمٰن بخش قادری چیئرمین رہے پھر تین مرتبہ جناب شبیر حسن خاں چیئرمین منتخب ہوئے اور ایک مرتبہ سہسوان سے ترک سکونت کر کے شہر بدایوں محلہ سوتھہ میں سکونت اختیار کرنے والے جناب قمر احمد نقوی چیئرمین رہے اس کے بعد سے گزشتہ دس سال کے حالات کا راقم الحروف کو علم نہیں ۱۹۸۸ء میں جب ۱۸ سال کی عمر والوں کو بھی حق رائے دہی دیا گیا تو رائے دہندگان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا اور میونسپل حدود کو ۲۲ حلقہ جات میں تقسیم کر دیا گیا اس انتخاب میں ۲۲ ارکان میں سے ۱۲ مسلمان اور ۱۰ غیر مسلم ارکان تھے، بدایوں میونسپل بورڈ میں ہمیشہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ رہی ہے اس لئے کہ ۴۷ء تک بدایوں شہر میں تقریباً ۶۰ فیصد مسلمان تھے اور ہمیشہ منتخب ہونے والا چیئرمین مسلمان ہی ہوتا تھا ہاں ڈپٹی چیئرمین کے عہدے پر ہندو فائز رہے ہیں ۴۷ء کے بعد ہجرت کے سبب مسلمانوں کی شرح کچھ کم ہوگئی تھی مگر مسلمانوں میں شرح پیدائش زیادہ ہونے کے سبب کوئی بہت بڑا فرق رونما نہیں ہوا۔

محلے اور سڑکیں:

جہاں تک بدایوں کی سڑکوں اور محلوں کا تعلق ہے تو کنز التاریخ بدایوں کے مطابق جو ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی سب سے زیادہ بڑی سڑک وہ ہے جو جنرل روڈ کے نام سے مشہور ہے اور بریلی سے بناور بدایوں اجھیانی ہوتی ہوئی ضلع ایٹہ کو جاتی ہے۔ دوسرے نمبر پر اجھیانی سے سہسوان والی سڑک ہے جس کی ایک شاخ بلسی کو جاتی ہے۔ تیسری سڑک بدایوں سے عارف پور نوادہ کو ہوتی ہوئی اسٹیشن آنولہ کو جاتی ہے۔ چوتھی سڑک بدایوں سے قادر چوک تک ہے اور پانچویں بڑی سڑک جو ابتدا سے ہی پختہ تھی بدایوں سے بسولی تک ہے۔ باقی کچھ خام سڑکیں بھی ہیں۔ بدایوں کی پختہ سڑکیں بالعموم کنکر کی ہیں ایک تارکول کی ہے۔ اندرون شہر کی چھوٹی گلیاں

کھرنجے یا خرنجے کی ہیں، ایک سڑک سیمنٹ کی بھی ہے۔ اندرون شہر بڑی قدیم سڑکوں کا رخ شمال سے جنوب ہے جو سڑک اسٹیشن کو جاتی ہے۔ اس کا رخ مغرب سے مشرق کی سمت ہے۔

مجلہ بدایوں کے جلد نمبر۲ اور شمارہ ۲، اور ۳ کے صفحہ ۲۱ کے مطابق ضیاء علی خاں اشرفی بدایوں کی موجودہ سڑکوں اور ریلوے لائن کے ضمن میں رقمطراز ہیں کہ ''بریلی سے گاس گنج جانے والی این ای ریلوے ضلعے کے صدر مقام سے ہوکر گزرتی ہے۔ اس کے علاوہ بریلی سے علی گڑھ جانے والی ناردرن ریلوے بھی اس ضلعے کی تحصیل بسولی اور تحصیل گنور میں ہوکر گزرتی ہے۔ بڑی ریلوے لائن (ناردرن ریلوے) کی لمبائی اس ضلعے کی حدود میں ۴۸ کلومیٹر ہے اور چھوٹی لائن (این ای ریلوے) کی لمبائی ۵۰ کلومیٹر ہے۔ اس کے علاوہ ضلع شاہ جہان پور کے میران پور کٹرا اسٹیشن سے بجوئی ضلع مراد آباد تک ایک بڑی لائین بنانے کا منصوبہ زیر غور ہے جو ضلعے کے سات مختلف علاقوں سے گزرے گی۔''

مراد آباد سے چندوسی اور بسولی ہوتی ہوئی پختہ سڑک بدایوں آتی ہے۔ آگرہ سے سکندرہ راؤ اور کاس گنج ہوتی ہوئی پختہ سڑک بدایوں سے گزر کر بریلی جاتی ہے۔ بدایوں سے اجھیانی سہسوان، ببراللہ اور نرورا ہوتی ہوئی پختہ سڑک بلند شہر کو بھی نکل جاتی ہے۔ بدایوں سے اوساوں (ضلع بدایوں) اور کلاں (ضلع شاہ جہاں پور) ہوتی ہوئی پختہ سڑک فرخ آباد بھی جاتی ہے۔ ایک پختہ سڑک آنولہ ہوکر بھی بریلی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ضلعے کے تمام قصبات اور مشہور مواضعات پختہ سڑکوں کے ذریعے ایک دوسرے سے ملا دیئے گئے ہیں۔ جس سے عوام کو آمدو رفت میں بہت سہولت ہوگئی ہے روڈویز کی بسیں اور پرائیوٹ لاریاں ہر وقت بدایوں آتی جاتی ہیں، میرٹھ، دہلی، لکھنو، متھرا آگرہ اور ہردوار سے براہ راست سروس ہے۔''

جہاں تک بدایوں کے محلوں کا تعلق ہے تو وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) محلہ قبول پورہ...... (۲) محلہ سوتھہ...... (۳) مولوی ٹولہ...... (۴) محلہ کمنگران......

(۵) فرشوری ٹولہ...... (۶) بیدوں ٹولہ...... (۷) شیخ پٹی...... (۸) سید باڑہ...... (۹) چاہ میر محلہ...... (۱۰) قاضی ٹولہ...... (۱۱) میردہ ٹولہ...... (۱۲) ٹکٹ گنج...... (۱۳) محلہ حلوایان...... (۱۴) شہباز پور...... (۱۵) مولوی گنج...... (۱۶) پٹیالی سرائے (۱۷) مصطفیٰ گنج...... (۱۸) کٹرہ ابراہیم (برام پورہ)...... (۱۹) کارمیکل گنج...... (۲۰) چودھری سرائے...... (۲۱) جالندھری سرائے...... (۲۲) اور جدید علاقہ سول لائن وغیرہ......۔

یہ خاص خاص محلے ہیں ورنہ اور بھی بعض چھوٹے چھوٹے نام ہیں جو پچاس سال میں ذہن سے بالکل محو ہو چکے ہیں۔

ایک محلّہ اپنے نام کے حوالے سے بڑے تضاد کا حامل ہے۔ یعنی وہ محلّہ جس کا نام تو انتہائی مقدس ہے۔ مگر محلّہ بڑا گندہ ہے۔ یعنی مصطفیٰ گنج جو طوائفوں کا محلّہ مشہور ہے۔ یہاں بڑے پائے کی مشہور طوائفوں میں سب سے زیادہ نامور طوائف برقؔ منیر تھی جس کی چھوٹی بہن بدرؔ منیر کو بھی بڑی شہرت حاصل تھی اور آخر زمانے میں تقسیم ہند کے وقت ماہؔ منیر شہرت حاصل کر رہی تھی۔ یہ مشہور طوائفیں بعض معززین شہر سے نیاز مندانہ اور شریفانہ تعلق بھی رکھتی تھیں، جیسے برقؔ منیر، قمرؔ بدایونی کی بڑی معتقد اور تابع دار تھی جس کا قریب کے اضلاع تک شہرہ تھا۔ میں نے ان تینوں کو دیکھا تھا جو عمر میں مجھ سے بہت بڑی تھیں اور میں بچہ تھا۔

مساجد:

بدایوں میں کثیر المنزلہ عمارات نہ ہونے کے برابر ہیں شہر کی آبادی افقی طور پر پھیلی ہے مگر گنجان اور اس کے محلے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ہر محلّہ میں ایک دو مساجد ضرور ہیں مولوی رضی الدین بسمل نے شہری میونسپل حدود میں اٹھانوے مساجد کے نام اور پتے ایک جدول کی شکل میں تحریر کیئے ہیں۔ یہ جدول پانچ عمودی خانوں پر مشتمل ہے اس میں خانہ نمبر ایک نمبر شمار ہے۔ خانہ نمبر ۲ نام محلّہ ہے۔ خانہ نمبر ۳۔ نام مسجد ہے...... خانہ نمبر ۴۔ مختصر خاص پتہ......اور

خانہ نمبر ۵۔ کیفیت کے لئے ہے اس سے اگلی جدول منادر کیلئے ہے۔ جس کی رو سے شہر کے اندر ۹۸ مساجد کے مقابلے میں مندروں کی تعداد صرف ۲۸ ہے۔ بدایوں میں لوگ دعائیں مانگنے کے لئے ایک عقیدے کے مطابق ایک رات میں چالیس مسجدوں میں جا کر دعا مانگتے تھے جو پوری ہو جاتی تھیں۔ زیادہ تر خواتین رات کو اوڑھنی یا چادر سے منہ ڈھانپے ہوئے چالیس مساجد میں دعا مانگنے کیلئے کسی واقف کار خاتون کے ساتھ ''چالیس مسجد'' جاتی تھیں اور وہ اپنی نسوانی چال کے مطابق دو تین گھنٹے میں دورہ مکمل کر لیتی تھیں اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ مساجد بہت کم فاصلہ پر تھیں۔ جناب نظامی بدایونی نے بدایوں کے تعارف کے طور پر جو کتابچہ تحریر کیا ہے، اس میں درج پندرہ مساجد کا حوالہ ہے جو مشہور مساجد تھیں۔ فہرست حسب ذیل ہے۔

۱۔ جامع مسجد شمسی:

یہ وہی شاندار مسجد ہے جو شمس الدین التمش کے دور کی ہے۔ اور اسی کے نام سے موسوم ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ یہ مسجد خود التمش نے بنوائی تھی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ التمش کے بیٹے رکن الدین کے حکم سے ۶۲۰ھ میں تعمیر ہوئی تھی، اور اس نے اپنے والد ماجد کے نام نامی سے موسوم کر کے اس کا نام جامع مسجد شمسی رکھا تھا۔ ۱۰۱۲ھ میں نواب قطب الدین فاروقی نے اس کو نئے سرے سے تعمیر کروایا۔

۲۔ مسجد خرما:

یہ مسجد شیوخ فاروقی نے بنوائی تھی۔ قدیم زمانے کی پختہ عمارت ہے۔ جائے وقوع کے لحاظ سے تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کے مکان میں داخل ہے۔

۳۔ مسجد معزی:

مدرسۂ معزیہ کے اندرونی حصہ میں عقب جامع مسجد شمسی واقع ہے۔

۴۔منڈی مسجد:۔

اس مسجد کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں کوئی گنبد نہیں ہے جو بالعموم مساجد میں ہوتا ہے اسی لئے اہل بدایوں اسے منڈی مسجد کہتے ہیں یہ مسجد بیدوں ٹولے اور مولوی ٹولے کا نقطۂ اتصال ہے اس کے قرب میں ہی حضرت جام نوائی اور دلاور فگار کے مکانات تھے۔

۵۔ مسجد میرانجیؒ:

یہ مسجد میرانجی صاحب کے نام سے اس لئے موسوم ہوگئی ہے کہ یہ آپ کی درگاہ کے اندر بیدوں ٹولے کے متصل واقع ہے۔

۶۔ سیدوں والی مسجد:

محلہ سوتھا میں متصل چاہ سادات ہے۔ یہ قدیم مسجد ہے مشہور ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ یہیں بیٹھ کر مطالعہ فرماتے تھے۔ اس میں ایک طاق دان بھی ہے جس کے لئے مشہور ہے کہ آپؒ اسی طاق دان میں چراغ رکھ کر مطالعہ فرماتے تھے۔

۷۔ مسجد خان:

یہ مسجد روہیلوں کے دور کی تعمیر ہے۔ اسے شیخ نصیر الدین متولی نے تعمیر کروایا ہے جو بدایوں میں روہیلوں کے گورنر فتح خان خانساماں کے میر منشی تھے۔

اس مسجد کی تعمیر سے پہلے بحوالہ تحریر نظامی بدایونی اس مقام پر متولیوں کا قبرستان تھا۔ جس میں کئی اہم بزرگ مدفون ہیں خاص کر ملا محمد یوسفؒ کا مزار بھی اسی مسجد کے احاطے میں ہے۔

۸۔مسجد تکیہ والی:

شاہان سلف کے دور کی یہ مسجد ہے اپنے عہد میں ایک خوش وضع مسجد تھی، شفاخانے کی

حد میں آ جانے کے سبب اس کی جگہ حکومت وقت نے ۱۸۵۷ء میں اس کے بدلے ایک اور مسجد بنوادی جو شفا خانے والی مسجد مشہور ہے۔

۹۔ کالیوں والی مسجد:۔

یہ مسجد حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے زمانے کی ہے۔ اس کے قرب و جوار میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے خاندانی مکانات ہیں جو اب ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں۔

۱۰: راجوں والی مسجد:

یہ مسجد حضرت جلال الدین تبریزی کے عہد کی ہے۔ اس کے متصل فتح اللہ شہید کا مزار شریف ہے جو پیر فتوں کے مزار کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

۱۱۔ مسجد ہنسلی پیر صاحب:

یہ مسجد ہنسلی پیر صاحبؒ کے مزار کے پاس ہے۔ ہنسلی پیر صاحب کا نام سید محی الدین تھا۔ آپ سید علاؤ الدین اصولیؒ کی اولاد میں سید جلال الدینؒ کے فرزند ہیں۔ مزار شریف کے ساتھ ایک پتھر کی ہنسلی چکی کے پاٹ سے بھی بڑی رکھی ہے۔ مشہور ہے کہ جس کی مراد پوری ہونے والی ہوتی ہے وہ یہ ہنسلی گردن میں ڈال کر مزار شریف کا طواف کر لیتا ہے۔

۱۲۔ قدیمی مسجد:

یہ مسجد محلہ سید باڑہ میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر التمش کے عہد سے پیشتر کی ہے اب یہ مسجد احسان اللہ والی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔

۱۳۔ دادے حمید کی مسجد:

سابقہ اوراق میں بھی اسی مسجد کا تذکرہ آچکا ہے۔ یہ مسجد ۶۴۸ء میں تعمیر ہوئی تھی۔

دادے حمید نے بنوائی تھی اسی کے صحن میں آپ کا مزار شریف ہے۔

۱۴۔ بڑ والی مسجد:

یہ مسجد محلہ سوتھ میں متصل چاہ بھنڈار واقع ہے۔ یہ سلطان علاؤالدین کے عہد کی تعمیر ہے اور اس میں شیخ سعد اللہ فاروقی کا مزار مبارک بھی ہے۔

۱۵۔ اسٹیشن والی مسجد:

یہ مسجد بدایوں میں ریل آنے اور اسٹیشن تعمیر ہونے کے بعد مسافروں کی سہولت کے لئے احسان اللہ ٹھیکیدار نے بنوائی تھی۔ پہلے حکومت نے ایک دیوار بنوا کر اسٹیشن سے قرب ختم کر دیا تھا۔ مگر بعد میں مسلمانوں کے احتجاج پر یہ دیوار گروادی گئی۔

مزارات:

بدایوں میں معلوم اور نا معلوم بے شمار مزارات ہیں جس میں اولیائے کاملین اور شہدا دفن ہیں۔ بعض مزارات ایسے بھی ہیں کہ ایک مزار (کوئیں) میں ۴۰ شہدا مدفون ہیں۔ اس کو مٹکی پیر صاحب" کی زیارت کہتے ہیں۔ اس میں ایک مزار درگاہ کے اندر شہنشاہ شہیداں کے نام سے موسوم ہے۔ جن کے حالت کا کوئی علم نہیں تمام مزارات میں سب سے پرانے اور معروف مزارات حضرت سید عبداللہ المعروف بہ میرانجی" اور حضرت علی شہید" کے ہیں باقی حضرت سلطانجی" حضرت شاہ ولایت" اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے اجداد و اساتذہ و نعت" احمد کے مزارات ہیں۔ انمیں سے بعض مزارات کا تذکرہ کنز التاریخ بدایوں میں تعمیرات کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مزارات تعداد میں اس قدر ہیں۔ کہ ان کی تفصیلات تحریر کرنا مجھ جیسے بے بضاعت انسان کے بس کی تو بات نہیں۔ مزارات کی تفصیل تو کجا بدایوں کے صاحب مزار اولیاء واصفیا کی شمار اوران کا مختصر تعارف بھی محال تھا۔ مگر جناب ضیاء علی خاں اشرفی نے اس نعت خوان

''کیا'' ''ہزار خوان'' کو سر کر کے کارنمایاں انجام دیا ہے۔ اگر سب مزارات پر نہ لکھا جائے تو چند کا انتخاب کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ملتی۔ باطنی مدارج و مقامات کے حوالے سے اس لئے لکھنا مشکل ہے کہ اس کا علم تو باری تعالیٰ کو ہی ہے۔ تاریخ کے حوالے سے اگر ادوار کے لحاظ سے لکھا جائے تو بھی ایک دور میں کسے لیا جائے اور کسے چھوڑا جائے۔ اور اگر مزار کے تعمیری شکوہ کے لحاظ سے انتخاب کیا جائے تو بہت سے اکابر کے نام اس میں اس لئے نہیں آسکیں گے کہ بعض اولیائے اکابر کے مزار محض پختہ قبر کی شکل میں بغیر گنبد و مینار ہیں۔ چنانچہ اپنے کسی معیار انتخاب کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ سندھ کے سابق قائم مقام وزیر اعلیٰ الحاج شمیم الدین بدایونی کی اس فہرست سے خوشہ چینی کروں گا جو مجلّہ بدایوں میں قسط وار شائع ہوئی ہے۔ وہ فہرست میری معلومات تک دیگر تمام فہرستوں سے زیادہ معلومات افزا معتبر اور مفصل ہے۔ جس میں مزار اور صاحب مزار کے نام و نشان کے علاوہ عرس کی تاریخیں بھی درج کی گئیں ہیں۔ پوری فہرست کی نقل کرنا تو اس لئے مشکل ہے کہ صفحات کی گنجائش اجازت نہیں دیتی البتہ ان میں سے چند کے حوالے ذیل میں درج کروں گا اور چند کے انتخاب میں میں نے معیار یہ بنایا ہے کہ صرف ان اولیائے کرام کے نام منتخب کر لیئے جائیں جن کا عرس رمضان شریف میں ہوتا ہے اور جو بدایوں میں عرسوں کا مہینہ کہلاتا ہے اس ماہ مبارک میں بعض تاریخیں تو خالی ہیں مگر اکثر میں ایک سے زائد یعنی چار چار اولیائے کرام کے عرس ہوتے ہیں۔ مثلاً اسی ماہ مبارک کی سب سے اہم تاریخ ۲۷ رمضان کو چار اولیائے کرام کے عرس ہیں۔

یہ فہرست دیکھ کر ناواقف حضرات اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس شہر میں صرف ایک ماہ کے اندر وصال فرمانے والے اولیاء کی تعداد اتنی ہے تو کل معلوم مزارات کتنے ہونگے

فہرست مزار، صاحب مزار اور تاریخ وفات ماہ رمضان

(اولیائے بدایوں)

مقام مزار	اسم شریف	تاریخ وفات
حضرت میرانجی کی آبادی سے ملحق جانب شمال پختہ ہے۔	حضرت شیخ احمد بھرتولؒ	چاندرات رمضان المبارک
محلہ چودھری گنج متصل گھنٹہ گھر ہے۔	حضرت خواجہ وحید چشتی (حضرت پیر بودلہؒ)	۲/ رمضان المبارک
حضرت سلطان العارفینؒ کی درگاہ کے جنوب میں	حضرت شیخ احمدؒ (تھتہ، شیخ احمد تختہ)	۳/ رمضان المبارک
حضرت سلطان العارفینؒ اور حضرت بانکے میاںؒ کے راستے کے درمیان جانب شمال ایک ٹیلے پر پختہ ہے۔	حضرت خواجہ شادی لکھنوئیؒ	۶/ رمضان المبارک
حضرت شاہ ولایت کی درگاہ کے شمال میں	حضرت شیخ ولی محمد چشتی	۷/ رمضان المبارک
بیرون شہر جانب غرب ایک بلند پختہ چبوترے پر حریم میں پختہ ہے	حضرت شیخ احمد خیاطؒ	۸/ رمضان المبارک
بدایوں میں کچہری کلکٹری کے احاطے میں ہے۔	حضرت سید علاؤالدین گردیزیؒ (اولاد حضرت امام تقی علیہ السلام)	۹/ رمضان المبارک
حضرت شاہ جمندہ کی درگاہ کے نزدیک ہے۔	حضرت حاجی احسان اللہ شاہ قادریؒ	۱۰/ رمضان المبارک

۱۱/ رمضان المبارک	حضرت عبدالرزاق صاحبؒ	بیرون شہر متصل تکیہ موتی شاہ میں ہے۔
۱۱/ رمضان المبارک	حضرت عبدالجبار خانؒ (شاہ جبار مستؒ)	محلہ سرائے فقیر میں حضرت شاہ اجیالے کی درگاہ کے باہر چبوترہ ہے۔
۱۱/ رمضان المبارک	حضرت دلیل الدینؒ (حاجی شاہ حاجی چمچہؒ)	متصل سرائے ملا والی مسجد میں ہے تحقیق نہیں ہوئی۔
۱۱/ رمضان المبارک	حضرت قاضی حسام الدین (حضرت حاجی جمال ملتانی)	بیرون شہر جانب غرب ہے۔
۱۲/ رمضان المبارک	حضرت میاں جی عبدالمالک انصاریؒ	حوض قاضی کے متصل بتاتے ہیں۔
۱۵/ رمضان المبارک	حضرت مولانا سید یحییٰ مدنیؒ امام عساکر سلطان محمد غوری	حضرت میرانجی کی درگاہ میں جانب جنوب ہے
۱۵/ رمضان المبارک	حضرت شیخ احمد ذکی نہروالیؒ (لقب احمد دین خطاب کی)	محلہ چاہ میر میں مچھی کنویں والی مسجد کے احاطے میں تین قبروں میں سے ایک درمیانی والی قبر ہے۔
۱۷/ رمضان المبارک	حضرت حمید الدین گنوریؒ (دادا ے حمیدؒ)	محلہ قاضی [illegible] [illegible] میں دادا ے حمید والی مسجد میں ہے۔
۱۸/ رمضان المبارک	حضرت ملا [illegible] الدین کرکیؒ	حضرت قاضی دانیالؒ قطری کے مزار کے جوار میں ہے
۱۰ .. رمضان المبارک	حضرت مولانا قطب الدین برہنہ پاؒ	قصبہ سہوان ضلع بدایوں میں جامع مسجد کے جانب شمال ہے۔

۲۱/ رمضان المبارک	حضرت شاہ ولی اللہ دانشمندؒ	محلہ سرائے فقیر میں حضرت شاہ اجیالےؒ کی درگاہ میں پختہ ہے۔
۲۱۔۲۲ رمضان المبارک	حضرت جلال خان کاسی	مقبرہ سرخیلاں میں
۲۱،۲۲،۲۳ رمضان المبارک	حضرت بدرالدین شاہ ولایت موئے تاب	بجانب شمال بیرون محلہ قبول پورہ
۲۴۔۲۵/ رمضان المبارک	حضرت خواجہ حسن سلطان العارفین شیخ شاہی روشن ضمیر سلطانؒ جی (بڑی سرکار)	دریائے سوت کے پختہ پل کے پار وسیع شاندار درگاہ ہے۔
۲۶/ رمضان المبارک	حضرت حاجی فتح اللہ چشتیؒ	محلہ سوتھہ میں قلعہ کے برج پر گنبد کے اندر پختہ ہے۔
۲۷/ رمضان المبارک	حضرت حیدر علی شاہ مجذوبؒ (شہید تحریک آزادی ۱۸۵۷ء)	ککرالہ میں ہے قبر تحقیق نہ ہو سکی۔
۲۷/ رمضان المبارک	حضرت میاں یقین شاہؒ	محلہ سوتھہ پولیس چوکی کے قریب ہے۔
۲۷/ رمضان المبارک	حضرت شیخ احمد بودلہؒ (ہفت احمد میں شامل ہیں)	متصل گھنٹہ گھر ہے۔
۲۷/ رمضان المبارک	حضرت سید محی الدینؒ (اصلی پیرؒ)	محلہ سید باڑہ میں مسجد کے جانب شرق املیوں کے نیچے ہے۔
۲۸/ رمضان المبارک	حضرت مولانا نورالدین طوسیؒ	مولوی محلے میں مسجد خرما کے احاطے میں پختہ ہے۔
۲۸/ رمضان المبارک	حضرت شیخ احمد ختداںؒ	محلہ سوتھہ میں شیخ ممدو والی مسجد کے صحن میں پختہ ہے۔
۲۹/ رمضان المبارک	حضرت عبدالغفورؒ (میاں تسلیم شاہ کلاںؒ)	جامع مسجد بدایوں کے شمالی دروازہ کے نزدیک ہے۔

مدارس:

مساجد و مزارات کے بعد ایک اہم موضوع وہاں کے مدارس ہیں ہم جب بدایوں کو علماء فضلاء کا مسکن کہتے ہیں اور یہاں کے مشاہیر علماء کو تاریخ ساز ہستیاں قرار دیتے ہیں جو عین حقیقت ہے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی لازم آتا ہے کہ ہم ان بڑے مدارس اور تعلیمی اداروں کو بھی تلاش کریں جن سے فارغ التحصیل ہو کر علماء نے شمع علم روشن کی اگر اس زاویے سے ہم تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہم کو چار بڑے مدارس کا تذکرہ تاریخ کی کتب اور بدایوں کے اثار میں نظر آئے گا۔ یہ چاروں مدارس حسب ذیل ناموں سے معروف ہیں جو اپنی شاندار کارکردگی کے انمٹ نقوش تاریخ میں قائم کر چکے ہیں۔

۱۔ مدرسۂ معزیہ:

یہ مدرسہ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش نے تعمیر کروایا تھا ایک وسیع و عریض کشادہ عمارت میں تھا۔ شہنشاہ وقت نے اسے اپنے آقا کے نام سے موسوم کر کے مدرسہ معزیہ نام رکھا تھا اس کے آقا کا نام سلطان معز الدین تھا۔

۲۔ مدرسۂ محمدیہ:۔

جب بدایوں کے تاریخی مدارس کی بات آتی ہے۔ تو اس میں مدرسۂ محمدیہ کا تذکرہ ضرور آتا ہے۔ یہ مدرسہ چودھری گنج میں چودھری عبدالعلی مرحوم کی زوجہ کا وقف کردہ ہے۔ اور اس کے اخراجات پورے کرنے کے لے ایک بڑی اراضی بھی بحوالہ وقف نامہ مورخہ ۷ محرم ۱۲۸۸ھ مختص

ہے۔مدرسہ کی پرانی تعمیر تو بالکل ختم ہو چکی تھی۔مگر ۱۳۵۸ھ میں چودھری نبی بخش نے اس کی از سر نو تعمیر کی جو اس مدرسہ اور آراضی کے متولی تھے۔یہ مدرسہ ۱۹۰۷ء تک کی تحریر کے مطابق جاری و ساری تھا جس میں عربی اور قرآن مجید کی تعلیم ہوتی تھی۔کیفیت حال کا علم نہیں۔

۳۔ مدرسۂ قادریہ:

یہ مدرسہ دینی علوم کے مدارس میں اس وقت بھی پورے برصغیر میں شہرت رکھتا ہے۔ مولوی ٹولہ بدایوں میں واقع ہے۔اس میں ایک قدیم مسجد بھی موجود ہے۔جو مسجد خرمہ کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ذکر مساجد کے باب میں آچکا ہے۔اس مدرسہ کی عمارت وسیع وعریض ہے جس میں باہر سے آنے والے طلباء کے قیام کے لئے کمرے بھی موجود ہیں۔یہ مدرسہ حضرت عین الحق عبدالمجید قادریؒ کے اجداد کا قائم کیا ہوا ہے۔جہاں آپ کی اولاد میں اکابر علماء نے تدریسی فرائض انجام دیئے ہیں انمیں حضرت شاہ فضل رسول، حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی، حضرت مولانا عبدالمقتدر اور مولانا حضرت عبدالقدیر عاشق رسول کے نام خاص کر قابل ذکر ہیں ۔اس وقت اس مدرسہ کا نظم ونسق مولانا عبدالقدیرؒ کے چھوٹے صاحبزادے جناب سالم القادری کے پاس ہے۔مولانا عبدالقدیرؒ کے قیام حیدرآباد کے دوران اس مدرسہ کے کرتا دھرتا خواجہ غلام نظام الدین قادریؒ بدایونی تھے۔جو مولانا عبدالقادر بدایونی کے نواسے تھے اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء میں بڑے بڑے نام شامل ہیں۔

۴۔ مدرسۂ شمس العلوم:

یہ مدرسہ انتہائی معروف ہونے کے باوجود بہت قدیم نہیں ہے۔یہ مدرسہ ۱۳۱۷ھ میں حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کے والد بزرگوار نے قائم کیا تھا۔بعد میں حضرت عبدالماجد بدایونی اس کے مہتمم ہوئے جن کی وجہ سے اس مدرسہ کی تعمیر وترقی میں

بہت سے امراء اور مسلمان ریاستوں کے والیان کا تعاون رہا بلکہ متوسط گھرانوں نے بھی اس کے لئے حسب استطاعت عطیات دیئے۔ اس مدرسہ کا دار التصنیف بہت مشہور ہوا جس میں بڑی شہرۂ آفاق علمی کتب شائع ہوئیں، اس کا اپنا ایک رسالہ بنام رسالہ شمس العلوم بھی جاری ہوا، اس مدرسہ کے مشاہیر تلامذہ میں مفتی عزیز احمد قادری ملا عبد الصمد مقتدری۔ مولانا عبد الواحد عثمانی، علامہ حیرت بدایونی۔ مولانا احمد یار خاں شارح ترجمہ قرآن حکیم (اعلیٰ حضرت بریلوی) اور خواجہ نظام الدین بدایونی کے نام قابل ذکر ہیں۔

قدیم تعمیرات:

کسی بھی علاقے کے ثقافتی مطالعہ میں وہاں کے ملحقات، اداروں، اور تعمیرات کا مطالعہ، انتہائی اہمیت کا حامل ہے چنانچہ ثقافت بدایوں کے مطالعہ میں اس کے ملحقات اور اداروں کا تذکرہ سطور بالا میں آچکا ہے۔ اب چند تعمیرات قدیم کا حوالہ ضروری معلوم ہوتا ہے تو اس ضمن میں ذیل کے مختصر حوالے اہم ہیں۔

ا۔ جامع مسجد شمسی:

ایک مسجد کی حیثیت سے تو اس کا تذکرہ مساجد کے بیان میں آچکا ہے۔ مگر ایک شاندار قدیم عمارت کی حیثیت سے اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو وہ اکابر قدیم کی قد آور شخصیتوں اور عہد سلف کی عظمتوں کا آئینہ ہے۔ یہ محلّہ سوتھہ اور مولوی ٹولہ کا نقطۂ اتصال ہے۔ گمنگروں محلہ کے چوراہے کے شمال مغرب میں ایک وسیع و عریض بڑے گنبد والی شاندار عمارت ہے۔

عہد شمسی میں اس کی تعمیر ہوئی۔ اس کی بیرونی طوالت ۲۷۶ فٹ اور چوڑائی ۲۱۶ فٹ ہے۔ اندرونی صحن کی لمبائی ۱۸۰ فٹ اور چوڑائی ۹۴ فٹ ہے دیواروں کے نیچے کا حصہ ۱۲ فٹ اونچائی تک کنکر کی چٹانوں اور پتھروں سے بنا ہے۔ اوپر کی تعمیر بڑی پکی اینٹوں سے ہوئی ہے۔

اس کے تین دروازے ہیں مشرقی دروازہ بڑا دروازہ ہے، ۲ دروازے جنوب اور شمال میں ہیں۔ جنوبی دروازہ راقم الحروف کے آبائی مکانوں کے سامنے ہے۔ عہد اکبری میں ایک بہت بڑا گنبد درمیان میں تعمیر ہوا مسجد کے صحن میں ایک نہایت خوبصورت حوض ہے جس کے بیچ میں ایک فوارہ ہے۔ حوض کی فصیلیں بلند ہیں، جن کے ساتھ ساتھ پختہ نالیاں ہیں۔ فصیلوں پر بیٹھ کر وضو کیا جاتا ہے وضو کا پانی نالیوں کے ذریعہ خارج ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی دروازہ پر ایک کتبہ ہے جس پر سنہ تعمیر ۶۲۰ھ درج ہے ایک کتبہ شمالی دروازہ پر ۲۶۷ ہجری کا ہے۔ درمیانی گنبد کا قطر ۴۳ فٹ ہے دیواروں کے آثار ۱۷ فٹ چوڑے ہیں۔ اندرونی محراب کی چوڑائی ۱۸ فٹ ہے، باہر کی محراب ۳۲ فٹ چوڑی ہے ۶۳ ۱۰ھ میں اور ۱۰۱۳ھ عہد اکبری میں عمارت میں کچھ تعمیر و مرمت ہوئی۔ سورۃ جمعہ بڑی محراب کے حاشیہ پر کندہ ہے بڑے گنبد کے اندرونی بالائی حصہ میں سورۃ الاخلاص تحریر ہے بازو کی دیواروں پر سورہ مزمل خوشخط لکھی ہوئی ہے۔

۲۔ عیدگاہ شمسی:

یہ عیدگاہ شہر سے ایک میل فاصلہ پر التمش کے عہد گورنری میں ۵۹۹ھ تا ۶۰۶ھ تعمیر ہوئی۔ اس عیدگاہ کی دیوار ۳۰۰ فٹ لمبی ہے ایک منبر بہت خوبصورت عمدہ اور بلند خطبہ کے واسطے بنا ہے۔ اس منبر کے جنوب میں دیوار کی محراب پر قرآنی آیات کندہ ہیں۔ دیوار کے بالائی حصہ پر کھدی ہوئی اینٹوں سے کچھ عبارت لکھی ہے جس کے حروف مٹ جانے کی وجہ سے پڑھنے میں نہیں آتے۔ دیوار کے حاشیہ پر نیلی چمکدار اینٹیں جڑی ہوئی ہیں سنگین چبوترے کے قریب بڑے بڑے ستون کھڑے ہیں۔

عیدگاہ کے عقب میں حضرت شاہ ولایتؒ کی درگاہ ہے۔ عیدگاہ سے متصل ایک حوض

برائے وضو تھا، جو شکستہ ہو گیا ہے۔ اس کی اینٹیں لوگ نکال کر اپنے گھروں کو لے گئے ہیں اور وہاں پر صرف تلیہ باقی ہے۔

۳۔ درگاہ حضرت شاہ ولایتؒ:

عیدگاہ شمسی کے عقب میں درگاہ حضرت بدرالدین شاہ ولایتؒ کی ہے آپ حضرت سید اعزالدین کے چھوٹے فرزند اور حضرت حسن شیخ شاہی حضرت سلطان العارفینؒ کے چھوٹے بھائی مرید و خلیفہ بڑے صاحب مقام صاحب فیض بزرگ ہیں ۶۰۴ھ میں اپنے والد کے ساتھ بدایوں آئے تھے۔ ۶۹۰ء میں رمضان شریف کی ۲۱ اور ۲۲ کی درمیانی شب عشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے چوتھی رکعت کے دوسرے سجدے میں پردہ فرمایا۔ آپ کی درگاہ شریف جو عمدہ و پختہ بنی ہوئی ہے اس کی اصل عمارت کی وضع قطع کا کوئی علم نہیں۔ درگاہ شریف میں موجود کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ تعمیر و ترمیم کئی مرتبہ ہوئی ہے۔ موجودہ عمارت کسی طوائف نے اپنی منت پوری ہونے پر تعمیر کروائی تھی یہ قول مشہور ہے مگر تاریخی حوالے دستیاب نہیں۔ درگاہ کے دروازے سے متصل شمال کی سمت حضرت جلال کاسیؒ کا حظیرہ ہے۔

۴۔ درگاہ حضرت ملہم شہیدؒ:

آپ حضرت میرانجی کے نام سے مشہور ہیں، قلعہ کے شمالی دروازہ کی جانب موجودہ بیدوں ٹولہ میں آپ کا مزار مقدس ہے آپ ۴۰۹ھ میں آنے والے مجاہدین کے سپہ سالار اور شہدا اول میں ہیں آپ کی درگاہ میں ایک مسجد اور حریم زیارت ہے جس میں چند دیگر قبور بھی ہیں۔ آپ کے گھوڑے کا مدفن بھی وہیں ہے برابر کے اونچے ٹیلے پر پولس چوکی ہے۔ آپ کی قبر مطاہر کے جنوب یعنی آپ کے قدموں میں ایک آب دان ہے جس میں پانی بھرا رہتا تھا، اور آب شفاء کا کام کرتا تھا۔ درگاہ میں پائے جانے والے کتبوں سے درگاہ شریف کے متعلق معلومات حاصل

ہوتی ہیں۔ایک کتبہ کی عبارت عربی کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

"یہ عمارت محمد بن تغلق شاہ کے عہد جدید میں مکمل ہوئی جو اللہ واسطے کا مجاہد اور مسلمانوں کا سردار و مددگار ہے۔اللہ ہمیشہ اس کی شان عزت اور دبدبہ قائم رکھے۔ بروز پیر بتاریخ آٹھ ربیع الثانی ۷۲۸ھ۔

۵۔ مسجد سوتھہ:

یہ مسجد بھی ایک قدیم عمارت اور اہل اسلام کی بدایوں آمد کے ابتدائی ایام کی ہے۔جس میں بیٹھ کر حضرت نظام الدین اولیاء زمانۂ طالب علمی میں مطالعہ فرماتے تھے۔اور اس میں ایک طاق ہے چراغ دان بھی ہے۔جس میں آپ چراغ روشن کر کے مطالعہ کرتے تھے۔اسے سیدوں والی مسجد بھی کہتے ہیں۔

۶۔ مسجد خان محلّہ سوتھہ:

یہ بھی بدایوں کی قدیم عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے جس کا تذکرہ مساجد کے باب میں آچکا ہے۔

۷۔ گنبد راپڑ:

بدایوں شہر کی آبادی سے تقریباً آدھے میل کے فاصلے پر نہایت مضبوط اونچے اور پرانے گنبد موجود ہیں کہا جاتا ہے کہ جب قلعہ آباد تھا اس وقت یہ گنبد اس کے دفاع کے لئے بنائے گئے تھے جو دفاعی چوکیوں کے طور پر استعمال ہوتے تھے، کنزالتاریخ بدایوں کے مصنف مولوی رضی الدین بسمل نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ دفاعی چوکیاں نہیں بلکہ مقبرے ہیں جن میں قبور معدوم ہوگئی ہیں راقم الحروف کے نزدیک صاحب کنزالتاریخ کے خیال کی اس امر سے تائید ہوتی ہے کہ ان میں تین دروازے مشرق، شمال اور جنوب کی سمت میں ہیں۔سمت مغرب کوئی دروازہ

نہیں ہے۔ شہر بدایوں کے مغرب میں ایک ایسا ہی بڑا گنبد ہے جسے گنبد راپڑ کہتے ہیں۔ وجہ تسمیہ معلوم نہیں۔ یہ گنبد شاہان لودی کے زمانے کی تعمیر ہے۔

۸۔ گنبد مقبرۂ عماد الملک:

عماد الملک لودیوں کے زمانے کا ایک مشہور سپہ سالار ہے جس نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے اس کا مقبرہ شاہ ولایتؒ کے بن میں شہر کے مغرب میں واقع ہے۔ اس گنبد کی جنوبی محراب پر ایک کتبہ موجود ہے جو دو رنگ کے پتھروں پر ہے، ایک سرخ دوسرا سفید ہے۔ سنہ تعمیر ایک ہی کتبہ میں دو جگہ درج ہیں اور دونوں میں پانچ سال کا فرق ہے۔ دوسرے پتھر میں جو سنہ مرقوم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر سلطان علاؤ الدین کے زمانے میں ہوئی۔

۹۔ چمنی روضہ:

دیگر عمارت کے مقابلے میں اس کی عمارت زیادہ خُوش وضع ہے۔ بلندی بھی دوسری عمارتوں سے زیادہ ہے۔ اس کے متصل راقم الحروف کا آبائی قبرستان ہے۔ مشہور ہے کہ یہ روضہ کسی خاتون مسماۃ بی بی چمنی کا ہے۔ جو شیوخ فاروقی سے تھیں۔ مولوی رضی الدین بسمل نے لکھا ہے کہ ''ہماری تحقیق کے مطابق ملک چمن جو حاکم بدایوں اور سید مبارک شاہ کا نواسہ تھا اور سید علاوالدین کے زمانے میں وہاں رہا تھا، اس کی قبر اس گنبد میں ہے اس کے ساتھ ایک باؤلی اب سے سو سال قبل برآمد ہوئی تھی۔ جس میں سیڑھیاں ہیں اور ایک بڑا پکا کنواں ہے۔ اس عمارت پر شیخ زادگان فاروقی کا قبضہ رہا ہے۔

۱۰۔ روضہ جھجار خاں:

یہ قلعہ کے جنوب مغرب میں قبول پورہ سے متصل سرائے ملاں میں ہے۔ سو (۱۰۰)

سال قبل لکھا گیا تھا کہ یہ گنبد اب ایسی خراب حالت میں ہے کہ اگر اس کی مرمت نہ ہوئی تو زمین بوس ہو جائے گا، معلوم نہیں تقسیم کے بعد اس کا کیا حال ہوا۔ اس روضہ کے مشرقی دروازے کے سامنے جھجار خاں کی قبر ہے، جن کا نام شمس الدین تھا اور شہنشاہ اکبر نے انہیں جھجار خاں کا لقب دیا تھا۔ مولوی رضی الدین بسمل نے لکھا ہے کہ جھجار کی عرفیت شیخ بدھن تھی اور وہ سعد اللہ قریشی کے بیٹے تھے جو متولیوں کے آباؤ اجداد میں ہیں۔ مگر راقم الحروف کی معلومات کے مطابق شیخ بدھن جھجار خاں کی عرفیت نہیں تھی بلکہ شیخ بدہن کرم اللہ متولی کے بیٹے تھے جو شیخ سعد اللہ ولی کے پوتے محمد یوسف کے پوتے تھے۔ یعنی سعد اللہ قریشی کی پانچویں نسل میں تھے اور ان کے والد کرم اللہ کو متولی مقرر کیا گیا تھا۔ جو ملا عبداللہ مکی کی نسل سے تھے۔ میری معلومات کا مآخذ جناب غلام شبر کا بیان کردہ شجرہ متولیاں شیوخ صدیقی عبدالرحمانی ہے۔ مگر حضرت بسمل نے لکھا ہے کہ روضہ کے کتبہ پر جھجار خاں عرف شیخ بدھن کندہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب یہ روضہ ۹۵۰ھ کی تعمیر ہے۔ مگر جھجار خاں کی وفات ۹۹۰ء ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ روضہ جھجار خان نے اپنی وفات سے قبل ہی تعمیر کروالیا تھا۔ یہ بات کسی مورخ نے بیان نہیں کی ہے مگر اندراجات تاریخ سے یہی اخذ ہوتا ہے۔

۱۱۔ گنبد شاہ یمنی:

یہ مقبرہ شاہ یمنی کے نام سے مشہور ہے اس کا گنبد بہت بڑا ہے دریائے سوت کے کنارے جنوب کی جانب پل کے قریب ایک بہت اونچے ٹیلے پر ہے۔ اسی لئے بہت بلند و بالا ہے۔ آپ شہزادگان یمن میں تھے اور سلطان العارفینؒ کے دور میں تشریف لائے آپ کی آنکھ کی روشنی سلطانجی صاحبؒ کے تصرف سے واپس آئی تھی جس کے بعد آپ ترک دنیا کر کے عبادات و ریاضت میں مشغول رہے۔

۱۲۔ گنبد فتح خاں:

شہر سے مشرق کی جانب ابراہیم پور سے جو براہم پورہ مشہور ہے اس کے اور نئی سرائے کے قرب میں تین گنبد ہیں، انمیں ایک گنبد فتح خان کے نام سے مشہور ہے باہر سے ۴۰ فٹ مربع اور اندر سے تقریباً ۲۰ فٹ مربع ہے۔ گنبد کے حاشیہ پر نیلی نقشین اینٹیں نصب ہیں، جن میں ایک پر بسم اللہ کندہ ہے مشرقی دروازہ پر ایک کتبہ نصب ہونے کا نشان ہے۔ یہ گنبد سلطان علاوالدین خضر خانی کے عہد کی تعمیر ہے تاریخ میں اس کا سنہ تعمیری ۸۶۰ھ درج ہے فتح خان جن کا یہ مقبرہ ہے شاید اسی عہد کے کوئی بڑے رئیس یا نواب ہیں۔ اس کے ساتھ اس مقبرے کے قریب ایک اور مقبرہ ہے جو باہر سے ۴۳ فٹ اور اندر سے ساڑھے ۲۷ فٹ ہے اس پر کلمہ کندہ ہے اس سے متعلق دیگر کوئی معلومات میسر نہیں۔ جانب جنوب ایک باغ میں ایک اور مقبرے کا گنبد ہے اس کے متعلق بھی کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

۱۳۔ روضہ اخلاص خاں:

نواب شیخ فرید محتشم خاں کو اخلاص خاں کا لقب عطا کیا گیا (حوالہ شیخو سے شیخو پور تک مصنفہ تسلیم غوری صفحہ ۳۲) اسی کتاب میں صفحہ ۶۵ پر اللہ دیا عرف اخلاص خاں لکھا گیا ہے اور یہاں نواب شیخ فرید کے ساتھ ان کا لقب اخلاص خاں درج نہیں ہے۔ شاید اس لئے کہ محتشم خاں بڑا لقب ہے۔ مجلۂ بدایوں صفحہ نمبر ۲۸ جلد چار شمارہ ۹ میں ابو منظر لکھتے ہیں کہ اخلاص خاں مرحوم کا نام شیخ اللہ دیا تھا۔ صفحہ نمبر ۳۲ پر تسلیم اللہ غوری نے لکھا ہے کہ احمد خوشگی کو اخلاص خاں کا لقب عطا کر دیا گیا تھا۔ مولوی رضی الدین بسمل نے روضہ اخلاص خاں کے بیان میں نام کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاص خاں کوئی ایک فرد نہیں تھا، بلکہ یہ لقب کئی لوگوں کو دیا گیا

ہے۔ روضہ اخلاص والے بزرگ کا نام کیا ہے۔ ابومنظر کے مطابق اللہ دیا ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال یہ روضہ جس کی تصویر متذکرہ شمارہ مجلّہ بدایوں کے سرورق پر ہے ایک خوش قطع عالیشان وسیع مکان ہے۔ اس نمونے کی عمارت بدایوں کے اور کسی مقبرے کی نہیں۔ یہ مقبرہ عہد سلطنت مغلیہ زمانہ جہانگیر میں تعمیر ہوا، زمانہ غدر میں کچھ دنوں کے واسطے اسے جیل خانہ بنا دیا گیا، سو برس پہلے کا بیان ہے کہ اب یہاں گوبر کے اپلے پاتھے جاتے ہیں، اور گائے بیل باندھے جاتے ہیں۔ خدا جانے آج کیا حال ہوگا۔

۱۴۔ روضہ شیخ فرید فاروقی:

یہ مقبرہ فرید فاروقی کا ہے جو شیوخ فاروقی کی ایک عظیم المرتبت شخصیت تھے۔ یہ شہر کے جنوب میں دریائے سوتھ کے جنوبی کنارے پر سرحد شیخوپور میں ہے یہ بھی انتہائی شکستہ حالت میں ہے۔ معلوم نہیں کہ فاروقی نوابین نے اس کی حفاظت اور مرمت کی طرف کیوں توجہ نہیں دی۔

۱۵۔ قلعہ شیخوپور:۔

مولوی رضی الدین بسمل رقمطراز ہیں کہ عہد جہاں گیر میں قطب الدین خاں کی اولاد نے ایک چھوٹا سا قلعہ بنایا تھا۔ جس کی چہار دیواری پختہ اور دروازہ کلاں وغیرہ تعمیر تھے۔ اب صرف دروازہ کلاں موجود ہے۔ شیخ فرید مرحوم نے یہ عمارت تعمیر کی تھی، قلعہ سے متعلق تسلیم اللہ غوری نے سلطان حیدر جوش اور مولوی فضل اکرم کے بھی حوالے دیئے ہیں۔

۱۶۔ مقبرہ شاہ عالم خاں:

یہ قبر حافظ الملک نواب رحمت خاں کے والد کی ہے جو مسجد شاہ عالم کے صحن میں ہے۔ اس کے آس پاس کسی وقت پختہ حریم تھی، دیواروں کی بنیادیں اب منہدم ہو چکی ہیں۔ مسجد و حریم

مسجد باقی ہے۔

قاضی حوض:

متذکرہ بالا قدیم عمارات کی طرح بدایوں کے آثار قدیمہ میں قاضی خوص بھی اہم ہے یہ ایک تالاب ہے جو بتو حمید کے قبرستان کے قریب شہر سے تھوڑا سا باہر کی طرف ہے پچھلے زمانے میں یہ تالاب کچا تھا۔ مگر مولوی تفضل حسین مرحوم نے اسے پختہ کر کے اس کے چاروں جانب سیڑھیاں بنوائی تھیں، جو بہت وسیع تھیں، راقم الحروف نے انہیں شکستہ حالت میں دیکھا تھا۔ مگر جب بنا تھا، اس وقت انتہائی پر فضا مقام ہوگا، سو سال پہلے بھی اس کی مرمت کی کوشش کی گئی تھی، نہ معلوم اب کیا حال ہے۔

درگاہ حضرت سلطان العارفینؒ:

زیارت بہت قدیم زمانے کی ہے، پورا بدایوں صاحب مزار کے زیر تصرف ہے۔ زائرین اور حاجتی دور دراز کے علاقوں سے یہاں منتیں ماننے آتے ہیں۔ یہ درگاہ حضرت حسن شیخ شاہیؒ کی ہے جو شاہ ولایتؒ کے بڑے بھائی اور سید اعزا لدین یمنیؒ کے صاحبزادے نہایت با کمال فیض رساں بزرگ ہیں، اسی درگاہ میں حضرت عثمان سہروردیؒ اور سلطانجی کے دیگر اعزاء بھی مدفون ہیں درگاہ مرجع خلائق ... بہت مشہور ہے۔

درگاہ قادریہ:

اس درگاہ کی عمارت بہت عالیشان اور ذی وقار ہے اس کی دیکھ بھال اور مرمت مسلسل ہوتی رہی ہے۔ یہ درگاہ جہاں سے مارہروی قادری فیض جاری ہے حضرت اچھے میاں مارہرویؒ کے مرید و خلیفہ حضرت شاہ عین الحق عبدالمجیدؒ کی ہے۔ اس میں بڑی صاحب حیثیت با کمال اور کامل ہستیاں مدفون ہیں۔ جن میں حضرت شاہ فضل رسولؒ مولانا عبدالقادر بدایونیؒ، مولانا عبد

المقتدر" اور مولانا عبد القدیر" عاشق رسول آرام فرما ہیں، اس وقت اس درگاہ عالیہ کے وارث جناب سالم القادری ہیں۔ جو اپنے آبا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں اہل بدایوں کا بڑا سہارا ہیں متذکرہ بالا درگاہوں کے علاوہ حضرت سید عرب صاحب" حضرت سید احمد" حضرت مٹکی پیر صاحب" حضرت سرخ شہید" حضرت حمید الدین گنوری" حضرات ہفت احمد" اور دور آخر کے بزرگوں میں چٹیا والے میاں صاحب شیخ نصیر الدین چشتی" اور حضرت مذاق میاں" کی درگاہیں بھی فیض و کرم کے جاری و ساری چشمے اور عمدہ عمارتیں ہیں۔

گھنٹہ گھر:

میں نے مدرسۂ شمس علوم کے بیان میں دانستہ اس کی عمارت کا تذکرہ نہیں کیا، اس لئے کہ میں بدایوں کی تعمیرات کے ضمن میں گھنٹہ گھر پر علیحدہ چند سطور لکھنا چاہتا تھا۔ اس تعمیر سے شاید میری جذباتی وابستگی اس لئے بھی ہے کہ میں مشن اسکول کا طالب علم ہونے کے سبب اس کے آس پاس ہی رہتا تھا۔ آتے جاتے دن میں دو مرتبہ اسکے نیچے سے گذرتا تھا اور اس کی پہلی منزل پر واقع دو کانوں میں گھڑی ساز جناب ذکا اللہ اور ماسٹر تراب کی دوکانوں پر اکثر جاتا تھا۔ اس پوری عمارت کو دیکھنے کے لئے نظریں زمین سے اٹھا کر آسمان کی طرف کرنی پڑتی تھیں۔ یہ گھنٹہ گھر جو شاید آج تک بغیر گھنٹہ کا گھر ہے۔ شہر کے بیچوں بیچ مسلم ثقافت کا ایک بلند و بالا مینار ہے اس لئے کہ اس میں مدرسۂ شمس العلوم قائم ہے اور اس کے شاندار دروازہ کی تعمیر رئیس بدایوں جناب ظہور حسن ٹونک والے نے اپنی جیب خاص سے کی ہے۔ شمس العلوم میں طلبہ کی تدریس اور دار المطالعہ سے قطع نظر اس کا مینار کئی دوسرے حوالوں سے اہم ہے۔ رمضان شریف کے زمانے میں لوگوں کو سحری پر اٹھانے کے لئے اس میں سحری کے وقت نوبت بجنی شروع ہوتی تھی، جو تا اختتام سحر مسلم شہر کے کم و بیش تمام ہی علاقوں میں سنی جاتی تھی، مجھے خوب یاد ہے، میرے گھر تک اس کی آواز صاف آتی تھی اور جب وقت افطار ہوتا تھا تو یہیں گولہ چھوٹتا تھا، جسے سن کر سب

افطار کرتے تھے۔ غالباً بدایوں کی تمام عمارتوں میں شاید اس کی بلندی سب سے زیادہ تھی وحید بخش روڈ اس کے برابر سے گذرتی تھی اس کے عقب میں جی۔ٹی روڈ تھی۔ شاید یہ پرانے قلعہ کی سرحد پر تھا جس کے شمال میں کوتوالی تھی ڈاکٹر عابد حسین شہید بدایونی کی ہومیو پیتھک کلینک بھی اس کے سامنے تھی بکرے کے گوشت کا قصائی خانہ، تحصیل، مشن اسکول، اور خیراتی چوک اس کے قریب ہی قریب تھے۔ مجھے آج بھی یہ علاقہ اور مسجد شمسی اپنے گھر کی طرح یاد آتے ہیں، اس کے ذکر کے ساتھ ہی عمارتوں کے بیان کو ختم کر کے اس باب کے آخری عنوان کی طرف آتا ہوں۔

مکان کنوئیں اور نالیاں:

سرزمین بدایوں میں جہاں اور خوبیاں ہیں وہیں یہ بھی ہے کہ اس کی تہوں کے نیچے پایا جانے والا پانی بھی انتہائی خوش ذائقہ اور صحت افزاء ہے نہ جانے اس میں کون کون سے ''منرل'' موجود ہیں، جنہیں پی کر ہر آدمی ذہین، طباع اور موزوں طبع ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ خوبیاں کہاں سے آئیں، شاید پانی میں یہ مٹھاس اس مٹی کی گھل جاتی ہے، جو بے شمار اولیائے کاملین اور بزرگان اکابرین ومجاہدین اسلام کے قدموں کو چھو کر اکسیر ہوگئی ہے۔ جب ہی تو امیر خسرو نے کہا تھا ''بجائے سرمہ دردیدہ کشم خاک بداؤں را'' ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اہل بدایوں کی سیرابی کے لئے بیرون شہر کسی علاقے سے پانی لانے کی ضرورت نہیں ہوتی، بیرون شہر کیا بیرون مکان بھی نہیں اس لئے کہ بدایوں کے اکثر متوسط اور بالا طبقے کے مکانوں میں خود کوئیں موجود ہیں، اور گھر میں نہیں تو چند قدم کے فاصلے پر کوئی نہ کوئی کنواں ضرور ہے اور وہ بھی کیسا آباد اور محفوظ کہ جس کی ڈھائی تین فٹ بلند اور چوڑی منڈیروں پر دن بھر سقے پانی بھرتے رہتے ہیں اور کبھی کسی جگہ قرب وجوار میں آگ لگ جائے تو قریب کے تمام کنوؤں سے سقوں کے پرے کے پرے دوڑ کر اپنی مشکوں کے دہانے کھول دیتے ہیں۔ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اگر ایسا نہیں کرینگے، تو جہنمی ہو جائینگے۔ انسانی خدمت کے لئے یہ عقیدہ رکھنے والے واقعی بہشتی تھے۔

مجھے یاد ہے کہ میرے بچپن میں ''انگن'' جو اپنے آخر ایام میں مسجد شمسی کے مؤذن

ہو گئے تھے کس معاوضے پر پانی بھرتے تھے۔ بس صرف اتنا کہ دو وقت کی دال روٹی میسر آ جائے ان کی غربت ایسی تھی کہ اس پر تمول رشک کرے۔ وہ جس گھر میں پانی بھرتے تھے۔ اس کی خدمت حفاظت اور محبت میں گھر کے فرد کی طرح ہوتے تھے۔ کیا زندگی تھی! تو بات کنوؤں کی ہو رہی تھی بدایوں میں مساجد اور مزارات کی طرح کنوئیں بھی قدم قدم پر تھے۔ بعض انمیں سے بہت مشہور تھے فوارے کا کنواں، نونی کنواں، گنوری کنواں، بھنڈاری کنواں، منڈی مسجد کا کنواں۔ چاہ ماہی، چاہ یوسف انمیں سے اکثر تو ایسے تھے کہ مکانوں کی نشاندہی کے لئے پتہ کے طور پر ان کے نام استعمال ہوتے تھے وہاں مکانوں پر نمبر تو تھے نہیں، بدیہی علامتوں سے پتے لکھتے تھے، میرے نانا مرحوم کی ڈاک اسی طرح آتی تھی پتہ کیا تھا! ''قاضی غلام سبطین متصل گنوری کنواں'' ایک جگہ دلاور فگار نے یاد وطن کے حوالے سے کہا ہے۔

منڈی مسجد کے برابر کا کنواں یاد آیا — من پہ وہ ڈول وہ رسی وہ بہشتی وہ مشک

ان کنوؤں میں بہت سے قدیم تھے مگر اکثر انیسویں صدی کے آخر میں کھدوائے اور پختہ کئے گئے تھے۔ بدایوں میونسپل ایکٹ پاس ہوتے ہی۔ میونسپلٹی بن گئی تھی۔ ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۱ تک ڈبلو سینڈز کلکٹر بدایوں کے دور میں بلکہ اس کے بعد بھی ۱۹۹۴ء تک جب ہندوستانیوں کو حق رائے دہی ملا ہے۔ میونسپلٹی کا سربراہ انگریز ہی ہوتا تھا۔ اس زمانے میں میونسپلٹی کی طرف سے خاص کر دو بڑے کام ہوئے تھے۔ ایک تو کنوؤں کی کھدائی اور مرمت اور دوسرے سڑکوں اور گلیوں میں دو رویہ نالیاں اور نالے۔ بدایوں میں فراہمی آب کے علاوہ نکاسی کا نظام بھی بہت عمدہ تھا۔ موسلا دھار بارش ہونے کے بعد شہر میں پانی کا قطرہ سڑکوں پر نہیں رہتا تھا۔ بلکہ سارا شہر دھلا ہوا دکھائی دیتا تھا، کیا فضا تھی کیا روز و شب، سنا ہے اب تو واٹر سپلائی کا نظام نلوں کے ذریعہ ہے اور کنویں بند کر دیئے گئے ہیں۔

بازار منڈیاں اور بستیاں:

ہاں ایک بات اور ذہن میں آئی وہ یہ کہ شہر بدایوں کی آبادی کی منصوبہ بندی بھی بہت

خوبصورت تھی ۔ محلے ایک دوسرے سے متصل چھوٹے مگر پھیلے پھیلے ہندو علیحدہ مسلمان علیحدہ سوائے ان علاقوں کے جو ہندو مسلم محلوں کا نقطۂ اتصال تھے، مثلاً میر دہ محلہ ٹکٹ گنج اور دیگر بیرون قلعہ محلوں میں دونوں آباد تھے، مگر وہ سڑک جواب شکیل بدایونی روڈ کہلاتی ہے۔ اس کے ارد گرد بلکہ پورے اندرون قلعہ علاقوں میں مسلم کلچر کی چھاپ تھی اور یہی بدایوں کا تشخص تھا۔ محلوں سے ہٹ کر ذرا منڈیوں اور بازاروں پر نظر ڈالئے وہ بھی خوبصورت مختصر اور سلیقے سے آباد تھے۔ جی ٹی روڈ پر شمال کی سمت سے آگے بڑھیے تو قاضی ٹولہ اور ساہوکارہ ختم ہوتے ہی منڈھئی کا علاقہ جس میں مشرق کی سمت بڑھتے ہوئے پہلے گھی والوں کی دوکانیں اس سے ذرا آگے مٹھائی بازار، جہاں خشک مٹھائی دونے میں پیڑے ہنڈیوں میں رس والی کلڑ میں ملتی تھی یہ دونوں کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھے۔ اس سے آگے جائیے تو صرافہ بازار اس سے ملحق برتنوں کی دوکانیں کہیں تانبے کے نقشین برتن مسلمانوں کے لئے اور کہیں پیتل کے برتن ہندوؤں کے لئے اور آگے جا کر من کے پیڑوں کی بڑے نام والی چھوٹی سی دوکان ۔ بڑی سڑک پر ذرا جنوب کی طرف آئیں تو ہندو بنیوں کی دوکانیں اور تقریباً ملا جلا بازار مگر چھوٹے پیشوں والا نہیں۔ ذرا آگے بڑھ کر بانس منڈی پھر پنساری یعنی کرانہ والے بساط خانہ اور بزازہ اور مشہور خیراتی چوک پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے دو بڑی دوکانیں خیراتی کی دوکان تمبا کو کشیدنی کی اس کے مقابل ایک ہندو پان فروش کی دوکان ۔ یہ دونوں دوکانیں بڑی اور نمایاں تھیں، جو بدایونی ثقافت میں حقہ اور پان کی نشاندہی کرتی تھیں اس سڑک سے متصل خوبصورت سبزی منڈی اور جوتے والوں کی دوکانیں تھوڑا ۔ آگے بڑھ کے روٹی والوں کی دوکانیں نان بائی اور گائے کا قصائی خانہ اور آگے ناج منڈی یہ سب بازار رہائشی آبادی سے الگ شہری منصوبہ بندی کی خوبصورتی کی نشاندہی کرتے تھے۔

"یاد ایام عشرت فانی"

☆☆☆

چوتھا باب

بدایوں کی معاشرتی زندگی

معاشرتی کلچر ....عمومی فضا .... ٹریفک
.... زبان ....رہائش ....
شہریوں کے روابط ....معیشت اور پیشہ جات..........
لباس..........کھانے اور پھل..........محافل اور تقاریب......
میلے.......... ...... تعلیم ....صحت اور صفائی.......... ......
اشاعت وصحافت..........ادبیات اور رقص وموسیقی..........
مجلّہ بدایوں۔

تھا بدایوں تجھ کو حاصل جو وقار زندگی
اس کا ہی پر تو ہے یہ تیری بہار زندگی

فائق بدایونی

چوتھا باب

معاشرتی کلچر

غیر مادی کلچر:

جیسا کہ گذشتہ باب میں عرض کیا تھا کہ ثقافت یا کلچر کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک مادی اور دوسرا غیر مادی یا معاشرتی ۔ تو مادی کلچر کا تو ہم نے گزشتہ باب میں جائزہ پیش کیا اور یہ باب غیر مادی یا معاشرتی کلچر کے لئے مختص ہے۔ آیئے پہلے ذرا لفظ ''معاشرتی'' پر غور کریں اور اس کے مفہوم کو ذہن میں صاف اور واضح کرلیں۔ یہ لفظ ''عشرت'' سے مشتق ہے۔ اور ''عشرت'' اس راحت یا خوشی کو کہتے ہیں جو اپنے ہی جیسے دوسروں کے ساتھ رہنے سے حاصل ہو، چنانچہ ''عشرت'' کو حاصل کرنے کا عمل ''معاشرت'' ہے۔ اسی لئے معاشرتی زندگی سے مراد وہ باہمی اثر اندازی اور اثر پذیری کا عمل ہے جو ساتھ ساتھ رہنے سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس عمل کی تشریح میں باہمی روابط کے ساتھ زبان، لباس پیشہ جات، معیشت، تعلیم، صحت، صحافت، سیاست، ادبیات اور کھیل تفریح اور سب سے بڑھ کر مذہب اور عقیدہ کی وضاحت ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ باب میں ان تمام اعمال اور ان کا تعین کرنے والے عوامل کی بھرپور تشریح تو ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ ہم ذیل میں ان کا اور ایسے ہی دوسرے عوامل کا بدایوں کے حوالے سے ایک سرسری جائزہ لینے کی کوشش کرینگے۔ اس ضمن میں تاریخ وروایت کے اثرات موجودہ زندگی کے محرکات اور آئندہ زندگی کے امکانات کی مبہم سی جھلکیاں سب ہی شامل ہیں، اگر کسی علاقہ کی تاریخ کثیر الجہاتی ہے تو موجودہ معاشرے پر بھی اس کے اثرات ہونگے اور سماجی نفسیات کے

اصولوں کی روشنی میں اس کا جائزہ بلکہ تجزیہ جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔ برصغیر کی تاریخ میں بدایوں وہ اہم شہر ہے جو ہندو، مسلم، اور برطانوی تینوں ادوار میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ بالخصوص اسلامی دورِ حکومت کے آغاز میں اس کی بڑی اہمیت رہی ہے اور ایک صوبہ کی حیثیت سے یہ اس قدر اہم تھا کہ جو بھی یہاں گورنر رہا ہے بعد میں وہی بادشاہ ہوا ہے۔

اعتماد دین و دنیا اس کو حاصل ہوگیا
تیری چوکھٹ جس نے چومی مرد کامل ہوگیا

ماہرین آثار قدیمہ کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی علاقے کی کھدائی کرتے ہیں تو اس پر زور دیتے ہیں کہ وہاں کیا نکلا، اسی کی بنیاد پر وہاں کے ماضی کی معاشرت کا اندازہ لگاتے ہیں اگر وہاں کی کھدائی میں نکلنے والے مکانات میں غسل خانے اور نالیاں کثرت سے ہوں تو کہتے ہیں ''یہ لوگ بڑے صفائی پسند تھے'' اگر آلات حرب و ضرب اور اسلحہ کے ثبوت ملیں تو کہتے ہیں ''یہ بڑے جنگجو تھے'' اگر کہیں پتھر کی مورتیاں نکلیں تو کہتے ہیں یہ لوگ ''سنگ تراش اور بت پرست تھے'' تو جس شہر کی پچاس ساٹھ ہزار کی آبادی میں ۹۸ مساجد ہوں، سیکڑوں کی تعداد میں مشہور مجاہدین اور اولیاء کے مزارات ہوں، بڑے بڑے دینی مدارس کے نشانات ہوں۔ قدیم مقابر اور گنبد ہوں اس کے متعلق آپ کیا کہیں گے کہ ''یہ بڑے مذہب پرست اور صحیح العقیدہ لوگ ہیں'' ہاں یہ بات اہل بدایوں کے لئے بالکل درست تھی، ان کے شہر میں مسلمانوں کی آبادی کثرت سے ہے اس کے پاس اقتدار رہا ہے اس پر مسلم کلچر کی چھاپ نمایاں ہے لوگ صلوٰۃ و صوم و تلاوت کے پابند رہے ہیں۔ ان میں اولیائے کرام کے فیضان کا عقیدہ موجود ہے۔ درود و سلام کی کثرت ہے رد وہابیت اور رد ندوہ کی تحریکیں یہاں سے چلی ہیں اور اس کے اثرات ہر چند کے مدھم سہی آج کی زندگی میں بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔ یہاں چونکہ ابتدائی دور میں ہندو حکمراں مسلمانوں کی آبادی کے ساتھ اور مسلم حکمراں ہندو آبادی کے ساتھ گزرے ہیں، اس لئے ان

میں اپنے دین پر پختہ یقین ہونے کے باوجود مذہبی منافرت انگیز تعصب کا نام ونشان نہیں ہے۔

بدایوں کے عہد قدیم سے آج تک وہاں کے مسلم آثار کا قائم رہنا یہ بتاتا ہے کہ وہاں کے ہندوؤں میں بھی مسلم دشمنی کا جذبہ نہیں تھا اور وہاں مسلمان حکمرانوں نے بھی اسلام کی سربلندی کی کوششوں کے باوجود وہاں کے مندر اور ہندو تہذیب کی دیگر علامتوں کو مسمار نہیں کیا، بلکہ ان کا تعاون حاصل کرنے کی ہی کوشش کی مسلمان علماء نے بھی اپنی شخصی عظمتوں کی بنیاد پر کم ظرفی کا مظاہرہ نہیں کیا جس کی ایک مثال موجودہ بدایوں میں ...... جناب سالم القادری ہیں تو دوسری ویریندر پرشاد سکسینہ ہیں اور اسی جذبہ کا نتیجہ یہ ہے کہ شہر بدایوں میں کبھی کوئی بڑا ہندو مسلم فساد نہیں ہوا سوائے اس کہ باہر سے آنے والے چند افراد نے یا بعض غیر بدایونی متعصب ہندو افسران نے یہاں کی فضا خراب کرنے کی در پردہ کوشش کی مگر عملاً وہ ناکام رہے اور مقامی ہندوؤں کا طریقہ کار یہی رہا کہ وہ سلطان جی صاحبؒ اور شاہ ولایت صاحبؒ کے مزارات پر منتیں مانتے رہے اور مسلمانوں سے مٹھائی پر نیازیں دلواتے رہے۔ لالہ بانکے لال جیسے لوگوں نے تو اس مقصد میں معاونت کے لئے اپنے ہاں مسلم ملازم بھی رکھے تھے۔

شہر کی عمومی فضاء:

شہر کی عمومی فضاء ہندو مسلم باہم روابط کی آخر تک آئینہ دار رہی ہے۔ اس کے معاشرتی اسباب میں ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ وہاں کی تجارت پر ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ بڑی بڑی ہر قسم کی دوکانیں ہندو بنیوں کی ہی تھیں اور اکثریت میں ہونے کے سبب مسلمان ہی ان دوکانوں کے خریدار تھے۔ اگر دوکاندار اپنے خریداروں کو تباہ کر دیتے تو کاروبار کیسے چلتا، مجھے خوب یاد ہے کہ سیارام جیسے کپڑے کے بڑے کاروباری بھی مسلمان بچوں تک کے ساتھ کیسی شفقت سے پیش آتے تھے۔

اب اسے ہندوؤں کی خوش اخلاقی یا دور بینی کہیں یا اولیائے کرام کا تصرف بہر حال ظاہر

یا باطن میں سبب جو کچھ بھی تھا اس نے بدایوں کی عمومی فضا کو بہت متاثر کیا تھا اور اس کے سبب وہ بے حد خوشگوار تھی کوئی بھی ایک دوسرے کے معاملات میں مانع اور مزاحم نہ تھا سوائے اس عبوری دور کے جب سیاست دانوں نے اپنی لیڈری چمکانے کے لئے تعصب پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

ویسے طبیعی اور کیمیاوی لحاظ سے بھی بدایوں کی فضا ہر قسم کی آلودگی سے پاک تھی وہاں نہ تو بڑی فیکٹریوں اور ملوں کی چمنیوں سے نکلنے والا دھواں تھا اور نہ موٹر گاڑیوں اور رکشاؤں سے نکلنے والا پیٹرول اور ڈیزل کا دھواں ویسے بھی سڑکوں پر بنی ہوئی دوررویا نالیوں سے گندے پانی کی نکاسی بآسانی ہو جاتی تھی گھروں کا کوڑا کرکٹ بھنگی لے جاتے تھے۔ چھڑکاؤ کی ہوئی سڑکیں صاف ستھری نظر آتی تھیں۔ دھوپ تیز اور موسلا دھار بارش فضائی آلودگی کی صفائی میں معاون ہوتی تھی۔ ہر چند کے انفیکشن کا تصور ذہنوں میں واضح نہیں تھا۔ مگر پانی کے گھڑے مٹکے صراحی ڈھکے رہتے تھے۔ کھانے کی چیزوں پر سرپوش اور خوان پوش ہوتے تھے پان جس کثرت سے کھائے جاتے تھے، اس کے تناسب سے پیک کے نشانات بھی کم ہوتے تھے۔ پیکدان ہر گھر میں ہوتے تھے۔ مادی غلاظتوں کے علاوہ سماجی غلاظتیں بھی کم تھیں۔ چور اچکے اور غنڈے وہاں بھی تھے، مگر اپنے اپنے محلہ کے معززین کا بڑا احترام کرتے تھے، نہ سڑکوں کے حادثے تھے۔ نہ گاڑیاں چھینی جاتی تھیں نہ اغوا کر کے پیسے وصول کئے جاتے تھے نہ قتل کی وارداتیں ہوتی تھیں نہ لوگ خودکشی کرتے تھے ہاں گاہے گاہے چوری چکاری یا کنویں میں ڈوب کر خودکشی کے واقعات تھے مگر بہت کم سڑکوں پر لوگ ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے نہیں چلتے تھے۔ شاذونادر ڈاکے بھی پڑتے تھے مگر وہ امراء و روساء کے ہاں خاص اسباب کے پس منظر میں غرض یہ کہ میرے بداؤں کی فضا خاموش اور پرسکون تھی۔

ٹریفک:

فضا کے خموش ہونے کا بڑا سبب شہر کا صنعتی مزاج نہ ہونا تھا۔ ٹریفک مشینی اور تیز رفتار پٹرول اور ڈیزل کی گاڑیوں والا نہ تھا، پورے شہر میں شاید چار پانچ سے زیادہ کاریں نہ تھیں اگر کبھی کوئی موٹر سائیکل سڑک سے گزر جاتی تو ''پھٹپھٹیا'' کو دیکھنے کیلئے اس کی آواز سن کر بچے گھروں سے باہر نکل آتے تھے۔ شہر میں یکے اور تانگے عام سواریاں تھیں وہ بھی قریبی محلوں میں جانے کیلئے نہیں، ایک محلہ سے دوسرے محلے میں تو لوگ پیدل چل کر جاتے تھے۔ کچہری۔ ہسپتال اور اسٹیشن جانے کیلئے تانگے استعمال ہوتے تھے، جب سائیکل رکشہ آگئے تھے تو ایک محلہ سے دوسرے محلہ تک کے لئے رکشہ بھی استعمال ہوتے تھے، خواتین سب ہی پردہ دار ہوتی تھیں ان کے لئے پردہ پڑے ہوئے لکڑی کے ٹھیلے تھے اور ٹھیلے والے خاندان کے معروف لوگوں سے اتنے واقف ہوتے تھے کہ صرف نام لیجے ٹھیلے والا گھر پر پہنچا دیتا تھا۔ ذرا طویل فاصلے کے لئے اور دیہات کے لئے بیل گاڑی جسے بیلی کہتے تھے بعض امراء کے اپنے تانگے اور ٹمٹمیں تھیں مگر لوگ عموماً پیدل چلتے تھے۔ میں نے حضرت مولانا عبدلقدیر حضرت حامد بدایونی۔ ملا عبدالصمد اور خواجہ نظام الدین جیسے اکابر کو محلوں کے اندر پیدل ہی چلتے دیکھا ہے ہر چند کہ وہ اکیلے نہیں ہوتے تھے چار پانچ عقیدت مند ساتھ ہوتے تھے۔ سب ہی پیدل چلتے تھے۔

بڑے مجتہد الدین عیش بدایونی عطا محمد اکرام احمد شاد حاجی حمزہ مولوی نہال الدین۔ مولوی شفیع الدین۔ ڈاکٹر عابد حسین، مولوی سلیمان اور جناب مقصود حسین جیسے شرفاء معززین کو میں نے شہر کی سڑکوں پر اپنے محلوں کے اندر پیدل ہی چلتے دیکھا تھا بعض روساء البتہ ایسے تھے بالعموم سڑکوں پر پیدل نہیں نکلتے تھے مگر متوسط اور اعلی متوسط طبقہ کے معززین پیدل ہی چلتے تھے۔ ہاں شہر کے بعض نوجوان سائکل پر چلتے تھے ہمارے پرنسپل صاحب صغیر الدین صدیقی بھی بڑے باوقار انداز میں سائکل چلاتے ہوئے گورنمنٹ اسکول تک جاتے تھے اسکول اور کالج

حالانکہ شہری رہائشی علاقوں سے فاصلے پر تھے مگر طلباء وہاں پیدل ہی جاتے تھے گھنٹہ گھر اور چھ سڑکہ پر مجھے تانگے والوں کی آوازیں یاد آرہی ہیں "گولے سے بچ کر چلنا۔"

زبان

اہل بدایوں اردو بولنے والے تھے مسلمانوں کے علاوہ کائست اور مہذب ہندو بھی فارسی آمیز اردو بولتے تھے ماشاءاللہ سبحان اللہ اور انشاءاللہ کے ٹکڑے انکی گفتگو میں عام تھے جیسے گلزار تشی نے کہا۔

ہیرے کی کنی آنکھ
نیزے کی انی آنکھ
لعل یمنی آنکھ
اللہ غنی آنکھ

تو اللہ غنی ان کا عقیدہ نہیں تھا زبان تھی۔اوسط درجہ کے اور نچلے طبقہ کے ہندو بھی اردو بولتے تھے مگر بعض اس اردو کو ہندی کہتے تھے ان کا تلفظ البتہ کمزور تھا مخرجات کی صحیح ادائیگی نہیں ہوتی تھی میرا ایک کلاس فیلو جگدیش جراح کو زراہ اور زخم کو جخم کہتا تھا۔تلفظ دہی علاقے کے لوگوں کا بھی کچھ مختلف اور لہجہ کچھ پوربیوں جیسا تھا انکے ہاں بعض عربی الفاظ۔مقامی لہجہ میں بولے جاتے تھے مثلاً وہ شادی بیاہ کے معاملے میں نکاح کا وقت مقرر کرنے کے لئے سات سیدھ دیکھتے تھے میرے والد مرحوم نے بتایا یہ لفظ ساعت سعید" ہے جو بگڑ کر یہ شکل اختیار کر گیا ہے وہ لوگ بخار کو عام طور پر" تپ" کہتے تھے اور "تپلرزہ" بھی غرض یہ کہ دیہاتی لوگوں کی زبان اوران کا تلفظ بہت بدلا ہوا تھا مگر زمیندار اور دوکاندار انکی زبان خوب سمجھتے تھے عام مسلمان شہریوں میں بھی بہت سے الفاظ اور اسکے تلفظ مقامی تھے مشہور ہے کہ بداؤں والے یہ کو" گے" اور نہیں کو نا کہتے ہیں کسی نے ایک بدایونی سے یہی بات کہی تو اسنے فوراً تردید کی "گے کوئی نا کہے ہے۔" ویسے

امراء وشرفا کے خاندان کی زبان بہت شستہ اور لطیف تھی خاص کر شعر کی زبان بڑی بامحاورہ آسان اور سلیس ہوتی تھی ایک مشاعرہ ہوا طرحی مصرع کی ردیف تھی ''تو کچھ اور بات ہوتی'' جناب منوؔر بدایونی نے مصرعہ پڑھا ''ترے عشق میں ستمگر مری آنکھ کے یہ آنسو'' مصرعہ سنکر سامنے بیٹھے ہوئے انوؔر صابری نے مصرعہ لگایا ترے سامنے نکلتے تو کچھ اور بات ہوتی مصرعہ سنکر منوؔر بدایونی ٹھہرے اور بولے انور صاحب ''میں بداؤں کا ہوں'' سپاٹ مصرعہ نہیں کہونگا تو سینے

ترے عشق میں ستمگر مری آنکھ کے یہ آنسو
تری آنکھ سے نکلتے تو کچھ اور بات ہوتی

اسی طرح بدایوں کے اکثر شعراء کے اشعار زبان اور لہجہ کے لحاظ سے بڑے تیکھے ہوتے ہیں۔

خیال شاہ دیںؐ تشریف لایا قلب مضطر میں
ہے مہمانی رسول اللہ کی اللہ کے گھر میں
زلاؔلی بدایونی

کام پتھر سے لیا آپ نے گویائی کا
خاتمہ کردیا اعجاز مسیحائی کا
شاؔد بدایوں

کفن پہناؤ تو خاک مدینہ رخ پہ مل دینا
یہی بس ایک صورت ہے خدا کو منہ دکھانے کی
جاؔمی بدایونی

جب انگشت نبی اپنی طرف اٹھتی ہوئی دیکھے
کلیجہ پھٹ نہ جائے کیوں خوشی سے ماہ تاباں کا
جاؔمی بدایونی

جھانکتا جا ادھر او ناقہ سوار بغداد
جھونکتا جا میری آنکھوں میں غبار بغداد
ثاقب بدایونی

اسی طرح بہاریہ شاعری کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

میں نے اپنا جامۂ ہستی حوالے کر دیا
شرم آئی دیکھ کر خنجر کی عریانی مجھے
بسمل بدایونی

حیات و موت میں چوٹیں چلیں برابر کی
ادھر سے آئے قضا اور ادھر سے تو آئے
زلالی بدایونی

یقین وعدے پہ انکے کرلیا سیدھا مسلماں ہوں
میں کیا جانوں کہ ان باتوں میں پیچ وخم بھی ہوتے ہیں
عیش بدایونی

میں کر رہا تھا حضرت واعظ پہ لعن طعن
وہ سن رہے تھے سب مرے پیچھے کھڑے ہوئے
منور بدایونی

داغ دل رکھتے ہیں اور داغ جگر رکھتے ہیں
اس رعایت سے تخلص بھی قمر رکھتے ہیں
قمر بدایونی

پوشاک سے چھٹے تو اب آئینہ چاہئے
یہ اور راہ وصل میں اک سنگ آ گیا
لطفؔ بدایونی

میری انکی کوئی لڑائی ہے
ابھی مل جاؤں ابھی صفائی ہے
عیشؔ بدایونی

رہائش

بدایوں کی رہائش بالعموم سادہ آرام دہ اور بغیر تصنع کی تھی۔ وہ امراء ہوں کہ غربا انکے مکانات اور عام استعمال کی اشیا حسب ضرورت و استطاعت ہوتی تھیں قسطوں پر چیزیں خرید کر اور قرضہ لیکر دوسروں کو دیکھانے کے لئے ڈرائنگ روم سجانے کا رواج نہیں تھا۔ ہر گھر میں مال و اسباب صاحب خانہ کی ضرورت اور اسکی مالی حیثیت کے مطابق ہوتا تھا مفتی لطف جیسے عظیم شاعر اور اعلیٰ خاندان کے افراد شکستہ مکان اور جھلنگی چار پائی پر بھی مطمئن رہتے تھے اور نواب دولھے ظہور حسن اور رحمان بخش کی طرح مکان کوٹھیاں اور حویلیاں عالی شان اور پر شکوہ بھی تھیں۔ ویسے وہاں مڈل اور لوئر مڈل کلاس کے لوگ زیادہ تھے جو اوسط درجے کے مکانات میں رہتے تھے یہ مکانات بالعموم یک منزلہ ہوتے تھے شاذ و نادر ہی کوئی دو منزلہ یا سہ منزلہ نظر آتا تھا ویسے بعض گھروں پر ''انٹیا'' ضرور بنی ہوتی تھی تعمیر موسم کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی تھی یا تو کچھ کی پکی کڑیوں والی چھتیں ہوتی تھیں یا کچی چھتیں بارش کی آمد سے پہلے جنکی بھروائی کر لی جاتی تھی مکان بالعموم اونچی کرسی کے ہوتے تھے کھلے کھلے نیچے نیچے امراء کے مکانات کی دیواریں بلند ہوتی تھیں اکثر گھروں میں کنوئیں ہوتے تھے یا پانی محفوظ کرنے کے لئے بڑے سقابے ہوتے تھے کوئی گھر فلیٹ نما نہیں تھا سب میں صحن ہوتے تھے ۸۰ فیصد سے زائد مکانات پختہ تھے صحن بالعموم

پختہ نہیں ہوتے تھے گرمیوں میں چھڑکاؤ کیا جاتا تھا سردیوں میں اپنے صحن میں دھوپ کھاتے تھے ۔گھروں میں غسل خانے ۔ بیت الخلا اور باورچی خانے رہائشی دالانوں اور کمروں سے قدرے فاصلے پر ہوتے تھے کہ بدبو اور دھوئیں سے محفوظ رہیں۔ دھواں اس لئے ہوتا تھا کہ ائیدھن کے طور پر گیس تو تھی نہیں چھلی ہو لکڑی ڈنڈے کھوئیرا کوئلہ اور اپلے استعمال ہوتے تھے بالعموم معززین اپلے کے استعمال سے گریز کرتے تھے مگر حقہ پینے والوں کے گھروں میں چلم بھرنے کے لئے کوئلے دہکانے کے لئے اپلا اس لئے استعمال ہوتا تھا کہ بارش کے سبب ماچس سیل جاتی تھی اور سوختنی لکڑی گیلی ہو جاتی تھی باورچی خانہ میں بالعموم پنڈول یا رام رچ (مجھے صحیح تلفظ یاد نہیں کوئی اسی قسم کا لفظ تھا) سے پوتے جاتے تھے مکان یا تو چھوٹی ککیا اینٹ کے بنے ہوتے تھے یا پکے گے کے سیمنٹ استعمال نہیں ہوتا تھا پکی اینٹوں کی سرخی کوٹ کر اور اس میں چونا ملا کر مصالحہ تیار ہوتا تھا تعمیر بہت سست رفتاری سے ہوتی تھی دیواروں کے آثار بالعموم چوڑے ہوتے تھے متوسط طبقے کے مکانات میں ڈیوڑھی ہوتی تھی کواڑ مضبوط لکڑی کے ہوتے تھے کبھی سادے اور کبھی نقشین کواڑوں کو بند کر کے سہارا دینے اور مضبوط کرنے کے لئے ''اڑیڑا'' ہوتا تھا جو کھلے دروازوں میں دیوار دوز ہو جاتا تھا اور رات کو بند دروازے کے پیچھے باہر نکال لیا جاتا تھا گھروں میں بالعموم بجلی نہیں تھی آنے والے یا تو دستک دیتے یا کسی کا نام لیکر آواز دیتے تھے بھنگی، بہشتی، دھوبی آواز دیکر گھر میں داخل ہوتے تھے۔ اکثر مکانات آبائی تھے۔

باہم روابط

بدایوں کے مکانات کی ساخت کچھ ایسی تھی کہ گھر کی کئی دیواریں برابر کے گھروں سے ملتی تھیں دیواریں اونچی ہوتی تھیں کہ گھر کی آوازیں باہر نہ جائیں فضاء میں چونکہ خموشی تھی شور شرابہ بالکل نہیں تھا اسی لئے برابر کے گھر میں اگر کوئی زور سے بولے تو آواز صاف سنائی دیتی تھی مکانوں کے درمیان بالعموم خالی قطعات زمیں نہیں تھے اس لئے محلّہ والے باہم مربوط رہتے

تھے اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک تھے کراچی کی طرح پڑوسی اجنبی نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ بعض تو ایک دوسرے کے رازہائے درون خانہ سے بھی واقف ہوتے تھے عام طور سے ہم محلہ لوگ ایک دوسرے کے اعزا و اقارب ہی تھے جو ہر برے بھلے میں ایک دوسرے کے معاون تھے کچے فرش ہونے کی وجہ سے سانپ زیادہ نکلتے تھے اگر کسی گھر سے آواز آئی کہ سانپ ہے یا کیڑا ہے فوراً دور چار جوان لٹھ ہاتھوں میں لئے پڑوس سے آجاتے تھے غرض یہ کہ خاندانی قربت اور پڑوس کی وجہ سے لوگوں کے باہم روابط بہت اچھے اور طمانیت بخش تھے۔ اگر کسی گھر میں شادی ہو یا کسی کے موت ہو جائے تو صرف یہ نہیں کہ لوگ گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے ہوں بلکہ گھر والوں جیسی ذمہ داری محسوس کر کے سارے کا سارا بوجھ اپنے اوپر لیتے تھے۔ شادی بیاہ میں برات ٹھہرانے کے لئے یا کھانا پکوانے کیلئے قریب کے مکان ایسے استعمال ہوتے تھے جیسے کسی دوسرے کے نہیں اپنے ہی ہیں کسی کے گھر موت ہو جائے تو کئی وقت تک کھانا دوسرے گھروں سے آتا تھا اور تمام اقربا سوگ میں شریک ہوتے تھے بلکہ بعض ایسے محلوں میں جہاں ہندو مسلم مشترک آبادیاں تھیں دونوں ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت یا دست اندازی تو نہیں کرتے تھے مگر ہر قسم کی ممکنہ معاونت کے لئے تیار رہتے تھے۔ ایک بات جو آج مجھے کھٹکتی ہے مگر پہلے اس کا احساس نہیں تھا وہ یہ کہ ہندوؤں سے قریبی روابط رکھنے والے مسلمان خاندانوں میں ہندوؤں کے یہاں سے اکثر پکوان اور اچار تحفہ کے طور پر آتے تھے جنھیں مسلمان استعمال کرتے تھے میری دانست میں یہ بات حد سے گذر جانے والی تھی جس کا اب احساس ہو رہا ہے ویسے ایک بار کوڑے کے میلے میں میں نے بھی اپنے والد مرحوم کے ایک پیشہ ورانہ ساتھی جناب کیلاش نرائن کے خیمے میں انکی خصوصی دعوت پر اپنے والد مرحوم کے ساتھ بہترین اچاروں اور خالص گھی کے بھگاروں کے ساتھ اڑد کی کھچڑی کھائی تھی۔ اسکے علاوہ شہر کے اکثر حلوائی بھی ہندو تھے جنکے یہاں سے مسلمان مٹھائی خریدتے تھے۔ دھوبی تو تھے ہی ہندو انکے ہاتھ کے دھلے ہوئے کپڑوں سے نماز پڑھتے اور ان

سے خرید کردہ مٹھائی پر نیاز دیتے تھے اس ضمن میں بعض علما کا یہ فتوی تھا کہ'' بیع پاک ہے'' دھوبی کو بھی چونکہ دھلائی کا معاوضہ دیا جاتا تھا اس لئے کپڑے بھی پاک تصور کئے جاتے تھے۔ شاید آج یہ رابطہ بہت زیادہ محکم ہو چکا ہے جسکے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ان باہمی قربتوں کے باوجود ایک بات یہ بھی تھی کہ اپنے ہی اعزاء واقارب میں بلکہ اکثر بھائی بھتیجوں میں زمینداری کے معاملے میں مقدمہ بازیاں بھی بہت ہوتی تھیں ایک دوسرے سے کشیدہ بزرگ ضرورت پر ایک دوسرے سے گفتگو کر لیتے تھے مگر عام حالات میں تعلق منقطع رہتے تھے یہ زمیندارانہ چشمک میرے خاندان میں بھی تھی مگر چھوٹے بچے اس کشیدگی سے کبھی متاثر نہیں ہوتے اور نہ ہی والدین انھیں اس کی تنبیہ کرتے تھے۔ بڑوں کا بھی انداز ایسا ہوتا تھا۔

صورت کوئی منانے کی نکلے تو کس طرح
وہ شوخ یوں خفا ہے کہ جیسے خفا نہیں

معیشت اور پیشہ جات

ماہرین معاشیات کسی بھی علاقہ کی معیشت کا مطالعہ کرنے کیلئے وہاں کی آبادی کو تین طبقات میں تقسیم کرتے ہیں۔ ۱۔ اعلیٰ طبقہ ۲۔ وسطی طبقہ ۳۔ ادنیٰ طبقہ پھران میں سے ہر تین کے دو دو حصوں بالائی اور زیریں میں تقسیم کر کے کل چھ طبقات مقرر کرتے ہیں دنیا کے ایک آدھ کسی چھوٹے سے حصہ میں شاید ایسا ہو کہ اعلیٰ طبقہ اکثریت میں ہو ورنہ اچھی معیشت والے مالی اور معاشی لحاظ سے خوش نصیب وہ علاقے سمجھے جاتے ہیں جس میں مڈل کلاس یعنی وسطی طبقہ کی اکثریت ہو اور وہ علاقہ غریب اور پسماندہ تصور کیا جاتا ہے جہاں ادنیٰ طبقہ بلکہ زیریں ادنیٰ طبقہ کی اکثریت ہو تو اگر اسی پیمانہ پر ہم بدایوں کی آبادی کا جائزہ لیں تو یقیناً وہ اعلیٰ طبقہ کی اکثریت والا علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہے کہ اسکی اکثریت بے گھر و بے در اور نان شبینہ کو محتاج ہو۔ میری نظر میں اسکی اکثریت وسطی زیریں طبقہ سے تعلق رکھتی ہے اس میں وسطی اعلیٰ اور

اعلی طبقہ کے افراد بھی ہیں مگر اعلی طبقہ کے کم ہیں میرے زمانے کے بدایوں میں شیخو پور کے امراء اور ٹونک والے اعلی طبقہ میں شمار ہوتے تھے۔ بخوش کا شمار بھی وسطی اعلی طبقہ میں تھا اور دوسرے خاندان بھی بالائی وسطی کے قریب تھے جس میں زمیندار طبقہ کے لوگ اور ہندو تاجر زیادہ تھے۔ باقی ملازم پیشہ افراد زیریں وسطی لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور انکی ہی اکثریت تھی اور ان سے تھوڑے ہی کم بالائی ادنیٰ طبقہ کے لوگ تھے جو چھوٹے پیشوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اگر ہم پیشہ جات کے لحاظ سے جائزہ لیں تو بدایوں میں اکثر لوگ جو پڑھے لکھے تو کم تھے مگر چھوٹے چھوٹے زمیندار تھے کچھ وکالت کے پیشہ سے وابستہ تھے کچھ اساتذہ تھے۔ کچھ بابو اور بڑے بابو قسم کے لوگ تھے بعض اعلی افسران بھی تھے خصوصیاً ڈپٹی کلکٹر کے عہدے والے لوگ بدایوں میں کافی تھے دیگر اطباء ومعالجین بھی تھے۔ معمولی درجہ کے دکاندار اور گھریلو ملازمین ومزدور بھی تھے چھوٹے زمینداروں کی بڑی تعداد اسلئے تھی کہ دور مغلیہ کے مراعات یافتگان یا برطانوی دور میں جاگیر حاصل کرنے والوں کی جائدادیں اولاد در اولاد تقسیم ہوکر چھوٹی زمینداری عام ہوگی تھی۔

جہاں تک چھوٹے پیشوں کا تعلق ہے جنہیں ہم خدمت گذار کہہ سکتے ہیں ان میں راج مزدوروں کے علاوہ دھوبی تیلی، کمہار، چمار سب ہندو تھے۔ مراثی اور بہشتی سب مسلمان تھے نائی اور درزی ملے جلے تھے بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو امراء کی داد ودہش پر پرورش پاتے تھے ان امراء میں دو نام خاص کر قابل ذکر ہیں ایک ظہور حسن ٹونک والے اور ایک نواب دولھے ویسے انکے علاوہ بھی معروف امراء میں کئی ہستیوں کا شمار تھا مگر یہ دو نام امارت کے لئے تمام اہل بدایوں کی زبان پر تھے پیشوں کے لحاظ سے وکلا اور اطباء بالعموم مسلمان ہی تھے۔ غرض یہ کہ بدایوں میں امارت عام نہیں تھی قناعت عام تھی جو جس حال میں تھا مطمئن تھا اور اگر پریشان حال بھی تھا تو غربت سے شکست خوردہ محرومی کا شکار نہیں ہوتا تھا پیسے کی وہاں بھی قدر تھی مگر قدر ومنزلت کا واحد معیار پیسہ نہیں تھا میں نے بعض خاندانوں کے بعض معزز غربا کے سامنے متمول لوگوں کو نیازمندانہ

انداز میں ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ معیار اعزاز خاندانی پس منظر ذاتی کردار اور علم تھا۔ گھروں پر بچوں کو پڑھانے کے لئے آنے والے اساتذہ ہر چند کہ مالی لحاظ سے پسماندہ ہوتے مگر بچے اور انکے والدین ٹیوٹرس کو بڑی عزت دیتے تھے ان سب عوامل نے ملکر شہر کی پوری فضا کو قناعت و طمانیت کا رنگ دیا ہوا تھا غیر ضروری مسابقت بے معنی بھاگ دوڑ اور ہوس زر عام نہیں تھی اسی لئے وہاں کی زندگی مدھم، ٹھنڈی خموش و نغمگیں تھی۔ ہاں خدمت گذار چھوٹے پیشوں میں نائی زیادہ اہم تھے اسلئے نہیں کہ امراء کو بھی انکے سامنے سر جھکانا ہوتا تھا بلکہ اس لئے کہ انکی بیویاں جو بدایوں میں حجامنیاں کہلاتی تھیں خاندانی معاملات میں بڑی اہمیت کی حامل اور راز دار ہوتی تھیں اکثر گھرانوں میں شادی کے رشتے انھیں کی مدد سے طے پاتے تھے وہ ہر خاندان کی نوجوان لڑکیوں اور لڑکوں کو نظر میں رکھتی تھیں اور والدین کو انکے لئے رشتے تجویز کرتی تھیں شادی بیاہ کی تقاریب میں بھی ان کا کردار اہم ہوتا تھا اور گھر کی تقریبات میں مردوں کے بلاوے کی فہرست نائیوں اور خواتین کی حجامنوں کے سپرد ہوتی تھی۔ اکثر خاندانوں میں خاندانی حجامنیوں اور حجاموں کو معتبر و معتمد تصور کیا جاتا تھا اسی طرح پھیری لگانے والے بھی خاندان سے قربت رکھتے تھے۔ بزاز گوشت والے قصائی اور زندگی کی دوسری ضروریات پوری کرنے والے لوگ گھر گھر جا کے بھی آواز لگا کے محلہ محلہ پھرتے تھے ان کی بھی اپنی مخصوص ادائیں اور خاص خاص صدائیں تھیں وہ بھی بدایونی ثقافت کا ایک حصہ تھے۔ چنے کی دال کا حلوہ، مونگ پھلیاں، قلفی کی برف، پپٹی کی برف۔ پاپڑ، آم، سفریاں، گجک، تل شکری دھینے کی بہار یہ سب چیزیں پھیری لگانے والے خوانچہ برداروں کے ذریعہ فراہم کی جاتی تھیں اور بچے ان میں خاص دلچسپی رکھتے تھے۔

لباس

لباس کے معاملے میں کسی بھی علاقے کا جائزہ لینے کے لئے وہاں کے موسم افراد کے

پیشوں اور کاروبار نیز معاشرتی اقدار پر نظر رکھنی پڑتی ہے اس لئے کہ یہی عناصر لباس کی نوعیت کا تعین کرتے ہیں نیز اس پر کچھ تاریخی عوامل کا بھی غلبہ ہوتا ہے چنانچہ بدایوں کے لباس میں کچھ حجاز و ایران و توران کے اثرات کے ساتھ کچھ مقامی عوامل بھی کارفرما نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہاں کے ہندوں میں اکثریت کا لباس وہاں کی پرانی مقامی تہذیب کے زیر اثر نظر آتا ہے اکثر ہندو دھوتی کرتا، بنڈی اور جنیو پہنے ہوئے نظر آتے ہیں انگریزی تہذیب سے متاثر نوعمر پینٹ شرٹ اور بش شرٹ پہنتے ہیں۔ بعض لوگ پورا سوٹ پہنتے ہیں، کائست شروانی ٹوپی میں نظر آتے ہیں کچھ سیاسی لوگ گاندھی جی کی تقلید میں برہنہ تو نہیں رہتے مگر کھدر پہنتے ہیں اور کھدر کی شروانی ٹوپی اور لباس میں اپنے نیتا نہرو جی کے متبع ہیں۔ بعض کانگریسی مسلمانوں کی بھی یہی وضع تھی ویسے سر ڈھکنا عربی روایت ہے اور شروانی ترکستانی ہے جو عام مسلمانوں کا لباس ہے گرمی میں ٹھنڈے کپڑے کی شروانی اور اسی کپڑے کی ٹوپی یا حامد کیپ یا ترکی ٹوپی جسے رکھنے کے لئے گھروں میں قالب بھی ہوتے تھے بعض لوگ پگڑی بھی باندھتے ہیں مگر کم نوجوان زیادہ تر سر کھلے رہتے تھے۔ کچھ لوگ کرتے یا پاجامہ کے ساتھ کوٹ بھی پہنتے ہیں بلکہ کرتا بھی نہیں قمیص پاجامے کے ساتھ کوٹ علما اور دینی شخصیات ڈھیلے ڈھالے لباس یعنی عبا چغہ میں نظر آتے ہیں۔ اور دستار باندھتے ہیں یعنی لباس میں کوئی خاص بدایونی تشخص نہیں ہے۔ وہی لباس جو بالعمول یوپی کے تمام شہروں میں ہے۔ وہی بدایوں میں ملتا ہے خواتین بالعمول شلوار نہیں پہنتی ہیں ہندو خواتین ساڑھی باندھتی ہیں مسلم خواتین چست مہری کا پاجامہ یا غرارہ پہنتی ہیں آخر میں کچھ شلوار کا رواج ہو چلا تھا مگر مرد شلوار نہیں پہنتے تھے جیسے پورے پاکستان کے مرد و زن شلوار پہنتے ہیں وہاں ایسی یگانگت نہیں تھی۔ لباس کے لئے موسمی لحاظ سے کپڑے بھی مختلف ہوتے تھے بالعموم خواتین میں چکن، ساٹن، شنیل مخمل پوتھ اطلس مشرو اور جارجٹ وغیرہ عام تھے۔ مردواں میں لٹھہ جسے خاصہ بھی کہتے تھے ڈوریا اور گبرون سردی میں سیاہ سرج کا شروانی مرزئی اور سوئٹر مرد تہبند بھی استعمال کرتے تھے بعض لوگ

شرعی پاجامہ پہنتے تھے غرض یہ کہ لباس میں کوئی امتیازی خصوصیت میرے نزدیک نہیں تھی۔ دیہات کے لوگ بالعموم دھوتی یا تہمد میں رہتے تھے وہاں گردوغبار اور فضائی آلودگی کم تھی اس لئے ہفتہ کے ہفتہ لباس بدلنے کا رواج زیریں طبقات میں تھا امراء ورؤساء کی شان دیگر تھی۔

پھل اور کھانے

کھانے کے لحاظ سے ہندؤں اور مسلمانوں کے کھانوں میں فرق تھا ہندوؤں کے ہاں زیادہ تر پکوان یعنی تلے ہوئے کھانے اور چٹنی، اچار زیادہ رائج تھے، مسلمانوں میں مغلیہ کھانے شیر مال، قورمہ، بریانی، نہاری، پلاؤ، زردہ، روٹی، دال، گوشت، سبزیاں، کباب، کوفتے اور کئی قسم کی کھچڑیاں اور طائری کا رواج تھا بدایوں کی بعض ڈشیں مخصوص تھیں مثلاً ساگ کوفتے بدایوں کی تخصیص رہی ہے اسی طرح ماش کی یعنی اڑد کی دال کی کھچڑی بھی مخصوص تھی جو بعض دیگر شہر .وں میں بھی کھائی جاتی تھی کھانے بالعموم سرپوش والے برتنوں اور ڈشوں میں ہوتے تھے سرپوش اور خوان پوش عام تھے کھانا بالعموم دسترخوان پر کھاتے تھے۔ مشہور تھا کہ مسلمانوں کے کھانے اور ہندوؤں کے باورچی خانے لاجواب ہوتے تھے ہندو ہر چند کے جلانے کے لئے اوپلے استعمال کرتے تھے مگر صفائی ستھرائی کا بڑا خیال رکھتے تھے ہندوؤں کے برتن بالعموم پیتل کے اور مسلمانوں کے قلعی دار تانبے کے برتن تھے جس میں تانبا ہاضمہ کیلئے مفید اور قلعی جنسی طاقت کے لئے مفید تصور کی جاتی ہے۔ جہاں تک وہاں کے پھلوں کا تعلق ہے تو ان میں سیب، انگور، موسمی اڑو، خوبانی، آلو بخارے کم ہوتے تھے وہاں انگور، انار اور سیب تو مریضوں کے پھل کہلاتے تھے انگور تو چھٹانک کے حساب سے بکتے تھے مقامی پھلوں میں سفری یعنی امر ود، تربوز، خربوزہ، آم، جامن ، بیر، سنگھاڑے، کھرنی، سالک اور بھونٹے عام طور سے رائج تھے اور کثرت سے ہونے کے سبب سستے تھے خربوزوں کی تول تو مشہور تھی کہ اس میں باٹوں والا پلڑا آسمان پر اور خربوزوں والا زمین پر رہتا تھا یہی تول گوشت کی بھی تھی ویسے تول میں کم نہ جائے کے خیال سے بالعموم دوکاندار

ہر چیز میں رونک کے طور پر مال تھوڑا سا زیادہ ہی دیتے تھے کپڑا بھی ناپ کر ایک آدھ انچ بڑھا کر پھاڑا جاتا تھا دودھ تھوڑا زائد ڈالا جاتا تھا اور آم تو گنتی کے حساب سے بکتے تھے سو کے بجائے ایک سو پچیس دیئے جاتے تھے پچیس آم پچوترے کے ہوتے تھے وہاں پال کے آموں کا زیادہ رواج نہ تھا ڈال کے پکے آم کثرت سے ہوتے تھے موسمی کھانوں میں رساول بہت اہتمام سے پکائی اور کھائی جاتی تھی کھچڑے کی طرح دیگ میں پکتی تھی نیاز بالعموم مٹھائی پر ہوتی تھی ویسے خاص خاص مواقع کے لئے پوریاں، میٹھی کھچڑی تبارک کی روٹی اور گھمیاں خاص طور سے تیار کی جاتی تھیں۔

رمضان شریف میں دہی پھلکی۔گٹھ۔کھجور نمک پارے شکر پارے دودھ ڈبل روٹی اور دودھ جلیبی اور سویاں مخصوص تھیں۔

محافل اور تقاریب

اہل بدایوں کے پختہ سماجی شعور اور معاشرتی حسیت کا جیتا جاگتا ثبوت وہاں کی محافل اور تقاریب ہیں جو بڑے دھوم دھڑ کے سلیقے اور رچاؤ کے ساتھ منعقد کی جاتی تھیں ان میں پہلے ہم چند مذہبی تقاریب کا تذکرہ کرینگے جن میں میلاد شریف کی محفلیں رجبی شریف کی محفلیں عزاداری کی محفلیں جنھیں مجالس کہتے تھے اور گیارہویں شریف کی محفلیں نیز دیگر درود سلام و فاتحہ کی محفلیں خاص کر قابل ذکر ہیں انکے ضمن میں اپنی ہی ایک کتاب ''صدیوں کا سفر،، سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بدوایوٗں میں چاند نے بارہ ماہ کس طرح گذرتے تھے۔ملاحظہ کیجئے۔

''محرم سال کا پہلا مہینہ مقدس اور متبرک خاص کر یوم عاشورہ انتہائی متبرک دن اس دن سے انبیاء کے عظیم واقعات منسوب پھر سب سے آخر میں سیدنا حسین علیہ السلام کی شہادت سنی گھرانوں میں روزے اور شیعہ گھرانوں میں فاقے سے گزرتا تھا۔سارا دن ادھر سے ادھر اور

ادھر سے ادھر آتی جاتی ''مجانمیاں'' سروں پر خوان رکھے جن میں مٹھائی بتاشے یا دمیدے یا بالو شاہی یا ممن کے پیڑے علی احمد کے لڈو اور اگر کھانا تو بریانی یا شیر مال اور خمیری روٹی کم وبیش ہر گھر سے ہر گھر تک نیاز نذر اور تبرک کی تقسیم اعزاء واقارب میں اہل محلہ میں ہر جگہ لنگر اور فاتحہ اور طرح طرح کے شربت کیا رنگ تھا۔ پھر محرم کے پہلے عشرہ میں مستقل مجالس اور ذکر حسینؑ کیا سنی کیا شیعہ سب ہی ایک مجلس سے اٹھے دوسری میں شریک نہ کوئی تعصب نہ اختلاف مگر ہاں ایک خاص قسم کی دونوں طرف احتیاط چھٹی محرم کو لنگر کا جلوس بیل گاڑیوں کی طویل قطار سب گاڑیاں سجی بنی ہر گاڑی میں دیگ رکھی ہوئی اس میں پلاؤ یا زردہ یا کوئی اور تبرک بعض میں شربت کہیں دودھ کا کہیں سادہ کہیں گڑ کا نہ جانے کتنی بیل گاڑیاں گزرتی تھیں۔ میں نے شہر کے معززین اور شرفاء کو بھی لنگر کے پیچھے دوڑتے دیکھا ہے پھر آٹھویں شب کو مہندیاں اور دس کو تعزیہ کا جلوس ان میں مہندی کا تصور میرے خیال سے بدایوں کی تخصیص تھی۔ شاید کسی دوسرے شہر میں مہندیاں اس طرح نہیں نکلتی تھیں اور غالباً مہندیوں سے براہ راست عزاداری کا تعلق بھی نہیں تھا بلکہ یہ کربلائے معلیٰ میں حضرت قاسمؑ کی شادی کی روایت سے وابستہ ایک تصور تھا کہ وہاں شادی کی تقریب شان و شوکت سے نہ ہو سکی تھی تو یہ اس کا بدل تھا'' اسی لئے زوردار ڈھول اور تاشے ہوتے تھے مگر نوحہ خوانی نہیں ہوتی تھی بدایوں کے سب ہی لوگ اس میں شرکت کرتے تھے۔ شیعہ کم سنی زیادہ بدایوں کے مختلف محلوں میں جو مہندیاں تیار کی جاتی تھیں وہ اپنے اپنے علاقوں سے جلوس کی شکل میں آکر ہمارے گھر والے چوک پر جمع ہوتی تھیں یا مقامی زبان میں وہاں ان کا ''ڈٹاؤ'' ہوتا تھا یہ غالباً اس لئے کہ شہر کی سب سے بڑی اور پرشکوہ مہندی زیادہ روشن اور سجی بنی سب سے بلند و بالا سلاو للہ کی مہندی تھی جو بدایوں کے گردونواح بلکہ دوسرے اضلاع تک ''نجو چون پتھ'' کے تعزیہ کی طرح مشہور تھی یہ مہندی وہیں تیار ہوتی تھی سلیم اللہ ولی محمد جو سلاو للہ کہلاتے تھے ان کا مکان وہیں تھا اور ان کے گھر کے سامنے یہ مہندی بنتی تھی۔ رنگ برنگ پھول پتیوں، ہمہ رنگ

شیشوں اور ان پر نقاشی اور مینا کاری کے ذریعہ سجائی جاتی تھی۔ یکم محرم سے اس پر کام شروع ہوتا تھا اور نہ جانے کتنے کاریگر کم و بیش ایک ہفتہ کی مسلسل محنت سے اسے مکمل کرتے تھے جبکہ اس کے بنیادی ڈھانچے کے اکثر حصے ہمیشہ محفوظ کر لئے جاتے تھے۔ یہ مہندی باقی تمام مہندیوں کی امام تھی۔ اسی وجہ سے شہر کی تمام مہندیاں اس کے قریبی چوراہے پر جمع ہوتی تھیں دور دور کے محلوں سے لوگ یہاں آتے تھے اور رات بھر انتہائی گہما گہمی میں گذرتی تھی۔ نو اور دس محرم کو خاص کر شربت کی سبیلیں لگتی تھیں۔ تعزیہ کا جلوس اور تلوار بازی کے مقابلے ہوتے تھے گدکے اور چاقو زنی کے فن کا مظاہرہ ہوتا تھا مختلف پہلوانوں کے اکھاڑے مقابل ہوتے تھے۔ نیاز نذر اور مجالس کو چھوڑ کر ان سب چیزوں کی مذہبی کم اور ثقافتی اہمیت زیادہ تھی مگر یہ ثقافت ایک مذہبی معاشرے سے وابستہ تھی۔ محرم کی پانچ تاریخ کو بابا گنج شکرؒ کی فاتحہ ہوتی تھی اس کے لئے ایک خاص طرح سے میٹھی کھچڑی پکائی جاتی تھی۔ اس کے بعد صفر کا مہینہ آتا تھا جسے بدایوں میں تیزی کا مہینہ کہتے تھے شاید تیزی اس لئے کہتے ہوں کہ یہ مہینہ صحت کے لحاظ سے سرکار پر بہت سخت گزرا تھا۔ چاند کی تیرہ تاریخ کو پرانے مٹکے اور گھڑے پھوڑے جاتے تھے۔ پرانا سامان جو نا قابل استعمال ہوتا نکال پھینکا جاتا تھا۔ شاید یہ شگونی مسئلہ تھا اور یہ کوئی مذہبی عمل نہیں تھا مگر اس مہینے میں آخری چہار شنبہ ضرور منایا جاتا تھا یہ سرکار کے غسل صحت کا دن تھا اس دن ایک خاص طریقہ سے شکر میں گندم اور چنے پکا کر اس پر نیاز ہوتی تھی۔ "یہ گھمنیوں پر نیاز" شاید نئی نسل کی سمجھ میں نہ آئے۔ اس کے بعد سال کا تیسرا مہینہ ویسے سب سے افضل اور اول جسے ربیع الاول کہتے ہیں بارہ وفات بھی کہلاتا تھا مگر اس ماہ مبارک کے اعمال پر وفات سے زیادہ ولادت کا اثر نظر آتا تھا عید میلاد النبی کا مہینہ اس مہینہ کے پہلے بارہ دن اکثر گھرانوں میں باقاعدگی سے میلاد شریف کی بارہ محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ چھوٹے بڑے ہر پیمانہ پر میلاد شریف یا مولود شریف ہوتے تھے بالعموم خواتین کی محفلوں میں منظوم کلام پڑھا جاتا تھا پہلے حمد پھر نعمت بلکہ نعتیں اس کے بعد آمد پھر ولادت پھر

سلام کھڑے ہوکراس کے بعد بہت سے گھرانوں میں مناجات پھرمدح صحابہ پھر منقبت غوثیہ یوں سمجھئے کہ خواتین کی محفلوں کے لئے میلا دشریف کا یہ ڈھانچہ مقرر تھا۔ البتہ مردانی محفلوں میں تقریریں ہوتیں ایک آدھ نعت منظوم بھی پڑھی جاتی مگر سلام ہمیشہ منظوم ہی ہوتا۔ اکبر وارثی کا سلام یا نبی سلام علیک یا حفیظ جالندھری کا سلام، سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی یا پھر ماہر القادری کا سلام" سلام اس پر کہ جس نے بیکسوں کی دستگیری کی بعض محفلوں میں امام احمد رضا خان صاحب کا سلام" مصطفے جان رحمت پہ لاکھوں سلام۔ "بعض محفلوں" میں یہ عربی سلام بھی ہوتا تھا یا شفیع الوریٰ سلامٌ علیک۔ اوران بارہ دن کے بعد بھی میلا دشریف کی محفلیں منعقد ہوتی رہتی تھیں۔ دوسرے شہروں کے متعلق میں نہیں کہہ سکتا مگر بدایوں میں عام طور پر صبح صادق کا میلا دشریف بہت اہم تھا۔ اکثر گھرانوں میں گیارہ اور بارہ کی درمیانی شب تہجد کے بعد سے اذان فجر تک یہ محفل ہوتی تھی۔ خاص اس وقت جو سرکار کی اولادت کا وقت تھا اول تو صبح صادق کا وقت پھر سرکار کا ذکراور عقیدت مندوں کے جذبات عجب پر کیف محفل ہوتی تھی یہ سلسلہ میرے ہاں کراچی میں بھی جاری رہا۔ میری بہنوں کے ہاں یہ میلا دشریف ابھی تک ہوتا ہے۔ کسی محفل میں کچھ بھی تبرک ہومگراس میلا دشریف میں ممن کے پیڑے ہی تقسیم ہوتے تھے بلکہ ہوتے ہیں خودمیرے گھر بھی بہت چھوٹے پیمانہ پر ہی یہ سلسلہ سال گذشتہ تک جاری رہا۔ آگے اللہ بہتر جانے۔ بدایوں میں تو بارہویں شب کا منظر ہی عجیب ہوتا تھا۔ میرے چچا محمد یونس جو" انو" کہلاتے تھے گھر کے سامنے والی سڑک پر چراغاں کرتے تھے۔ پوری سڑک روشن جگمگ جگمگ جھنڈیاں، زنجیرے، قندیلیں، پھول ہار، محرابیں کیا کیا سجاوٹیں ہوتی تھیں۔ سڑک کے دونوں سمت رنگیں بانسوں کی باڑھ بنائی جاتی ان پران گنت مٹی کے دیئے جما کر جلائے جاتے جو کھلی فضاء میں صبح صادق تک جلتے رہتے تھے بدایوں کی ہوا کراچی کی طرح ظالم نہ تھی وہ سرکار کے نام پر جلائے گئے چراغوں کو بجھانے سے گریزاں رہتی تھی۔ تا صبح یہ چراغاں رہتا تھا۔ آخر

شب صلوٰۃ سلام شروع ہوتا جو اذان فجر پر ختم ہوتا تبرک تقسیم ہوتا اور محفل کا اختتام ہوتا بالعموم اس محفل میں میرے پھوپا مرحوم خواجہ غلام نظام الدینؒ جو فقیہہ شہر بھی تھے اور ایک زندہ ولی اللہ وہ صلواۃ وسلام سے پہلے انتہائی ولولہ انگیز انداز میں تقریر فرماتے تھے۔ یہ وہ رات تھی جس کے دھندلکے دن کے اجالوں سے زیادہ منور تھے۔ دوسرے دن صبح کو ایک جلوس نکلتا جو شہر میں گشت کرتا تھا۔ اس میں گھوڑے سوار شتر سوار اور زیادہ تر پیادہ دستہ ہوتے جو صلوٰۃ سلام پڑھتے نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت بلند کرتے ہوئے کیف پرور منظر پیش کرتے تھے۔ یہ جلوس جب سبزی منڈی پر پہنچتا تو ایک پھل فروش اپنی دوکان کے سب پھل لنگر کے طور پر لٹا دیتے اس میں قیمتی پھل انگور اور سیب بھی شامل ہوتے جو بدایوں میں مریضوں کے پھل کہلاتے تھے اور کمیاب تھے خاص کر انگور تو چھٹانکوں کے حساب سے بکتے تھے۔ ورنہ وہاں کے پھل تو آم، تربوز، خربوزہ اور سنگھاڑے تھے اور ہاں امرود جسے اہل بدایوں نہ معلوم کیوں سفری کہتے تھے۔

ربیع الاول کے بعد ربیع الثانی کا مہینہ جو مقامی طور سے میرانجی کا مہینہ کہلاتا تھا میرانجی دراصل پیر پیراں میر میراں سیدنا حضرت غوث الاعظمؒ دستگیر کا لقب تھا اور یہ مہینہ آپ ہی کے نام سے منسوب تھا اسے گیارہویں شریف کا مہینہ بھی کہتے تھے اس ماہ مبارک کی گیارہ تاریخ کو بڑی گیارہویں ہوتی تھی۔ گیارہویں شریف کی فاتحہ بالعموم بریانی یا بالوشاہی پر ہوتی تھی۔ مگر یہ کوئی لازمی بات نہیں تھی۔ گیارہویں شریف کے جشن کا مرکز مدرسہ قادریہ تھا ویسے اکثر گھرانوں میں فاتحہ ہوتی اور لنگر تقسیم ہوتا تھا۔ بہت اعتدال پسند شیعہ بھی یہ لنگر کھاتے تھے۔ گیارہویں شریف پر کوئی جلوس وغیرہ نہیں نکلتا تھا مگر نیاز نذر عام تھی۔ عوامی حلقوں میں حضرت غوث پاکؒ کی دینی خدمات اور تبلیغی کوششوں کا اتنا تذکرہ نہ تھا جتنا آپ کی کرامات اور مشکل کشائی حاجت روائی اور دستگیری کا چرچہ تھا۔ آپ کی روحانی عظمت اور تمام اولیائے کرام سے برتری اور اولیاء کی سرداری کا تصور آپ کی ذات سے وابستہ تھا۔ اکثر لوگ آپ کے جلال کے واقعات سے زیادہ

متاثر تھے اس لئے نام انتہائی ادب واحترام سے لیا جاتا تھا۔لوگ آپ کو بڑے پیر صاحب کے لقب سے یاد کرتے تھے۔نہ معلوم کیوں آپ کی شفقت ومحبت سے زیادہ کرم کے ساتھ جلال کا تصور تھا۔اکثر لوگ آپ کی مناقب خاص کر محشر بدایونی سے منسوب منقبت ''غوث اعظم بمن بے سروساماں مددے'' بہت شوق سے پڑھتے تھے۔دوسری منقبت جو زبان زد خاص وعام تھی اس کے تین شعر مجھے بھی یاد ہیں۔

اسیروں کے مشکل کشاء غوث اعظمؒ
فقیروں کے حاجت روا غوث اعظمؒ

ترے ہاتھ میں ہاتھ میں نے دیا ہے
ترے ہاتھ ہے لاج یا غوث اعظمؒ

بھنور میں پھنسا ہے سفینہ ہمارا
مدد کے لئے آؤ یا غوث اعظمؒ

اگلا مہینہ شاہ مدار کے نام سے منسوب تھا۔بدایوں میں شاہ مدار کا بھی عرس ہوتا تھا اور اس موقع پر ایک چھوٹا سا میلہ بھی لگتا تھا اس میلہ سے '' چھڑیوں اور ھنڈنیوں'' کے تصورات وابستہ تھے۔جن کی معنویت پر میں کوئی معتبر روایت بیان نہیں کرسکتا۔البتہ ان بزرگ کے نام سے ایک محاورہ منسوب ہوگیا ہے کہ ''مرتے کو ماریں شاہ مدار'' میرے نزدیک اس کی تعبیر بیانیہ نہیں بلکہ استعجابیہ ہے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ایک انسان دوست مشفق اور لوگوں کے ہمدرد بزرگ تھے جن کی ذات سے کسی کے ساتھ سختی کا تصور ہی محال تھا اسی لئے اگر کہیں ایسا ہوتا ہے تو لوگ استعجاب کے ساتھ کہتے کہ ''مرتے کو ماریں شاہ مدار''! شاید وقت گزرنے کے ساتھ اس کا لہجہ بدل کر بیانیہ ہوگیا ہے ورنہ کسی بزرگ سے ''کمزور پر تظلم کا کیا تعلق''اس محاورے کی اصل استفہامیہ

اور استعجابیہ ہی لگتی ہے۔ اگلا مہینہ جسے غلط العوام نام سے پکارا جاتا ہے ''خواجمندین'' کا مہینہ ہے یہ لفظ دراصل بگڑ کر یہ شکل اختیار کر گیا ہے جو شاید بدایوں تک ہی محدود ہے ورنہ اس ماہ مبارک کا نام حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے نام سے موسوم ہے۔ جس کی وجہ نسبت کا مجھے علم نہیں اس سے اگلا مہینہ رجب المرجب کا مہینہ ہے۔ اس میں دو مذہبی معتقدات ہوتے تھے جن میں انتہائی اہم شب معراج کا جشن تھا اس جشن کو بدایوں میں ''رجبی شریف'' کہتے تھے۔

اس شب بدایوں کی مرکزی مسجد یعنی جامع مسجد شمسی میں شب معراج کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوتا تھا میرے ہوش کے زمانے میں مولانا عبدالحامد بدایونیؒ اگر شہر میں ہوتے تو اس اجتماع سے خطاب فرماتے تھے ورنہ خواجہ نظام الدین قادریؒ یا ملا عبدالصمدؒ یا دیگر مقامی علماء اس میں شریک ہوتے تھے کبھی کبھی بعض علماء کو دیگر اضلاع سے بھی مدعو کیا جاتا تھا اور معراج نبوی کی تفصیلات اور اس کے فلسفہ پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ یہ رات نوافل وعبادات میں صرف ہوتی تھی گھر گھر محفلیں ہوتی تھیں۔ خاص کر جناب قاضی علی احمدؒ کے مکان پر بقول جناب عثمان مرتضیٰ یہ سالانہ جشن خصوصی اہتمام کے ساتھ ہوتا تھا میرے خیال میں دیگر اضلاع کے مقابلے رجبی شریف کا اہتمام بدایوں میں زیادہ جوش وخروش کے ساتھ ہوتا تھا۔ ماہ رجب کے دو اور دن بھی اہمیت کے حامل تھے۔ ایک تیرہ رجب اور دوسرا بائیس رجب۔ تیرہ رجب حضرت علیؓ کا یوم ولادت ہے اس دن اکثر بلکہ تمام ہی شیعہ گھرانوں میں اور بہت سے سنی گھرانوں میں ولادت مولا علیؓ کا جشن ہوتا تھا سنی گھرانوں میں بڑی محفلیں نہیں ہوتی تھیں صرف فاتحہ ہوتی تھی بلکہ نیاز شیعہ گھرانوں میں اہتمام زیادہ ہوتا تھا مگر از روئے عقیدہ سنی بھی اس دن کی اہمیت کے قائل تھے جیسا کہ مذاقؔ میاں نے لکھا۔

ہو چکا مولود احمد آیا مولود علی
تیرہویں تاریخ آئی بارہویں ہو کر چلی

بارہویں کے بعد جیسے تیرہویں تاریخ ہو

ایسے ہی بعداز محمد ہیں علی مشکل کشا

بعض منطقی ایمان رکھنے والے اس یوم کی عظمت پر سکوت اختیار کرتے تھے اسی طرح ایک اور متبرک دن ۲۲ رجب ہے۔ اس دن امام جعفر صادق کی نیاز ہوتی ہے اور ایک خاص اہتمام کے ساتھ یہ نیاز کونڈوں کی نیاز کہلاتی تھی کراچی میں بھی عام ہے مگر بدایوں میں دیگر مذہبی حوالوں کی طرح اس میں بھی خصوصیت تھی۔ یہ نیاز پوریوں پر ہی ہوتی تھی۔ شاید ہی کسی گھر میں پوریوں کے علاوہ کسی اور چیز پر ہوتی ہو ہاں بعض جگہ پوری کے کونڈوں کے ساتھ کھیر کے کونڈے بھی ہوتے تھے کونڈے میں یہ تبرک اس لئے رکھا جاتا تھا کہ وہ غیر استعمال شدہ اور کورے ہوتے تھے جھوٹے برتن میں یہ تبرک نہیں رکھا جاتا تھا بعض گھرانوں میں نیاز سے پہلے ایک منظوم داستان بھی پڑھی جاتی تھی جسمیں اس نیاز کی اہمیت واضح کی گئی تھی اس نظم کا ایک شعر مجھے یاد رہ گیا ہے۔

سوا سیر میدہ سوا پاؤ گھی

نہو مقدرت گر تو اتنا سہی

اس نیاز کا تبرک تقسیم نہیں ہوتا تھا بلکہ گھر کے اندر ایک مخصوص پاک صاف جگہ پر زمین پر بیٹھ کر آنے والے نیاز چکھتے تھے سخت گیر لوگ تو گھر کے دوسرے حصوں میں لے جا کر بھی یہ تبرک نہیں کھاتے تھے اور تبرک گھر سے باہر لے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ تبرک تقسیم نہ ہونے کے باوجود دوسرے دن کے لئے اسے بچا کر رکھنا تقریباً ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ یہ نیاز سوا پاؤ میدے سے لے کر سوا من تک کی پوریوں پر ہوتی تھی گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے لوگوں کو بلا بلا کر یہ نیاز چکھائی جاتی تھی اور کم وبیش ہر خاندان میں یہ تبرک اسی روز ختم ہو جاتا تھا اس کا بچا رہنا بدشگونی اور عدم قبولیت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ ثقافتی عناصر تھے جو مذہبی معتقدات پر

چھائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد شعبان کا مہینہ جسے ''شبرات'' کہتے تھے یہ ''شبرات'' شب برات کا مخفف و مشتق تھا اس کی پندرہویں شب عبادات و نوافل و استغفار میں گذاری جاتی تھی شب بیداری ہوتی قبل از سحر ''سحری کھا کر روزہ رکھا جاتا'' پندرہ شعبان کو اکثر لوگ روزہ رکھتے تھے یہ دن یوم غزوہ احد بھی ہے۔ چنانچہ اس دن شہدائے احد بالخصوص حضرت حمزہؓ کی فاتحہ ہوتی اور چونکہ اس غزوہ میں رسول اکرمؐ، کا وندان مبارک شہید ہوا تھا جس کی خبر سن کر حسب روایت حضرت اویس قرنی نے اپنے تمام دانت نکال پھینکے تھے اس لئے اس دن رسول مقبولؐ کی نیاز کے ساتھ حضرت اویس قرنی کی فاتحہ ہوتی ہے جو خاص کر نرم حلوہ پر کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ انواع و اقسام کے دیگر حلوے بھی بنائے جاتے تھے شاید شیرینی کے اثر کو معتدل کرنے کے لئے کڑھی بھی پکائی جاتی تھی یہ پھر وہی ثقافتی عناصر تھے جو مذہب سے ہمرنگ ہو گئے تھے خاص کر شعبان میں آتش بازی کا تصور بالکل غیر اسلامی ہے۔ یہ آگ کا کھیل شاید انسانوں میں آتشیں مخلوق کے غلبہ کا اثر ہے اور ''معاشرۃ الجن والانس'' کی تشریح ہے۔ بہر حال جو بھی ہے اس کی ثقافتی اہمیت ضرور ہے۔ ہر چند کہ اس کھیل میں آتش گیری اور حادثات کا امکان ہے مگر بدایوں میں آتش بازی کا کیا زور شور ہوتا تھا شیر بچہ انار چکئی، چرخی، سری، بچھو، پھلجڑی، مہتاب پٹاخہ کیا کیا انواع و اقسام کے آتشیں کھیل تھے بعد مغرب شروع ہو کر گھنٹوں جاری رہتے تھے مگر احتیاط خاص کی بدولت حادثات بہت کم ہوتے تھے۔ ہاں ''شبرات'' کا ایک اور اہم ثقافتی پہلو تہنیتں تھیں جنہیں عیدیاں کہتے تھے جیسے عید کے موقع پر یہاں عید کارڈ چھپتے اور بکتے ہیں وہاں عید اور شعبان میں عیدیاں ہوتی تھیں رنگ برنگ کاغذوں پر نقش و نگار کے ساتھ سنہری روپہلی عیدیاں بالعموم ٹیوٹر حضرات ان مواقع پر یہ عیدیاں بچوں کو دیتے تھے۔ (یہ عیدیاں منظوم تہنیت ہوتی تھیں) ان کے جواب میں اساتذہ کو نذرانے دیئے جاتے تھے۔ شعبان والی عیدی کے دو شعر مجھے یاد ہیں۔

آئی شب برات بڑے دھوم دھام سے
شیریں دہن ہر ایک ہے حلوے کے نام سے

مہتاب نے جہان کو پرنور کردیا
چرخی بھی چھوٹتی ہے بڑے اہتمام سے

بعض عیدیوں میں ایک اور روایت نظم ہوتی تھی کہ

آئیں گے گھر کے مردے بیٹھیں گے دو گھڑی
کھائیں گے حلوہ روٹی ، چھوڑیں گے پھلجڑی

عید کے موقع پر دی جانے والی عیدیوں میں بھی منظومات ہوتی تھیں ایک شعر مجھے یاد ہے

نکلا ہلال عید فلک پر جو شام کو
رخصت جہاں سے کردیا ماہ صیام کو

اسی طرح بدایوں میں لڑکے کی شادی بیاہ کے مواقع پر کم وبیش تمام ہی مقامی شعراء کا سہرے کہنا اوران کا کتابی شکل میں چھپنا لڑکیوں کی رخصتی اور مہندی صحت یابی پر تبریک اور رخصت پر الوداعیہ یہ سب بدایوں کی ادبی وثقافتی روایات ہیں۔بات سے بات چلی تو یہ سب تذکرے آگئے ورنہ میں عرض یہ کررہا تھا کہ بدایوں میں رمضان شریف کا مہینہ انتہائی اہم مہینہ تھا ویسے بھی یہ ماہ مبارک پوری امت مسلمہ کے لئے اہم ہے اوراس کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔بدایوں میں اس کا آغاز بڑے اہتمام سے ہوتا تھا۔۲۹ شعبان کو ہر علاقے میں جگہ جگہ چاند دیکھنے والوں کی ٹولیاں کی ٹولیاں آسمان کی طرف نظر اٹھائے ہوئے آنے والی عید کا تصور ذہن میں بسائے کس اشتیاق سے رویت ہلال کا اہتمام کرتے تھے۔مغرب سے چند ساعت قبل بزرگ شہریوں کی ایک جماعت جامعہ مسجد شمسی کا مقفل دروازہ کھلوا کر مسجد کی چھت سے چاند

دیکھتی۔ کبھی کبھی اس جماعت میں میرے والد صاحب مرحوم بھی ہوتے اور میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ چاند ہونے کا اعلان گھنٹہ گھر پر گولہ چھوڑ کر کیا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی سائرن بجایا جاتا۔ سائرن کی اور گولے کی آواز پورے شہر میں سنائی دیتی جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ بدایوں کی فضاء شوروغل سے کس قدر پاک تھی۔ چاندرات سے قبل ہی اہل شہر میں رمضان شریف کا نظام الاوقات شائع کر دیا جاتا۔ اس میں چونکہ قمری تاریخوں کے ساتھ افطار وسحری کا وقت درج ہوتا یعنی طلوع وغروب کے اوقات ہوتے تھے شاید اسی لئے اہل بدایوں اسے ''جنتری '' کہتے تھے یہ جنتری رویت ہلال سے قبل کم وبیش تمام گھرانوں میں دستیاب ہوتی اس جنتری میں ایک اضافی خبر ہوتی تھی وہ یہ کہ ہر روز بعد نماز تراویح کسی نہ کسی ولی اللہ کا عرس ہوتا تھا۔ بدایوں میں مدفون مشاہیر اولیاء کے ان گنت مزارات اور درگاہیں تھیں۔ رمضان کے علاوہ بھی مقررہ تاریخوں میں ہر مزار یا درگاہ پر چھوٹے موٹے میلے کا سماں ہوتا۔ چادر چڑھتی فاتحہ خوانی ہوتی تبرک تقسیم ہوتا سلطان جی صاحب''شاہ ولایت صاحب''، سید احمد صاحب، سید عرب صاحب، میرانجی صاحب، سرخ شہید صاحب، چٹیا والے میاں صاحب، مکی پیر صاحب، ہنسلی پیر صاحب اور مذاق میاں کی درگاہوں پر اور درگا قادریہ میں خصوصی طور پر حاضریاں ہوتیں منتیں مانی جاتیں اور پوری ہوتیں پھر نذرانے پیش کئے جاتے، مٹھائیاں تقسیم ہوتیں، قوالی ہوتی۔ خاص کر سلطانجی صاحب، شاہ ولایت صاحب درگاہ قادریہ اور چٹیا والے میاں صاحب کے عرس بہت دھوم دھام سے ہوتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ چٹیا والے میاں صاحب حضرت خواجہ نصیرالدین کے مزار پر عرس کے دن ان کے ایک معتقد نے ان کی منقبت لکھ کر تقسیم کروائی تھی اور وہی منقبت قوالوں نے بھی گائی تھی کیا منظر کیا کیف اور رنگ تھا جنہوں نے دیکھا ہو وہی جانیں مجھے شاعر کا نام تو یاد نہیں ایک دو بند ابھی تک یاد ہیں۔

یا خدا تاروں میں جب تک رنگ تابانی رہے
یا خدا گلشن میں جب تک حسن سامانی رہے
یا خدا جب تک زمیں پر نسل انسانی رہے
یا خدا جب تک سمندر کا رواں پانی رہے
حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کی سلطانی رہے
در گہِ والا سے جاری فیض روحانی رہے

مہر مغرب سے الٰہی جلوہ گر جب تک نہو
بزم عالم میں قیامت کی سحر جب تک نہو
طور کے نغموں سے دنیا باخبر جب تک نہو
عالم انسانیت زیرو زبر جب تک نہو
حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کی سلطانی رہے
در گہِ والا سے جاری فیض روحانی رہے

بدایوں کے ادبی حلقوں میں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ملا ساگر کی دکان پر دس بارہ آدمیوں کا ہجوم تھا ایک صاحب کے ہاتھ میں منقبت کا پرچہ تھا۔ وہ منقبت پڑھ رہے تھے۔ ملا ساگر جو خود شاعر تھے اپنے شاگردوں میں اس کا مطلب بیان کر رہے تھے اور اشعار کی داد دے رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک شاگرد سے پوچھا کہ مہر مغرب سے جلوہ گر ہونے کا کیا مطلب ہے" وہ جواب نہ دے سکے میں غالباً پانچوں یا چھٹے درجہ میں پڑھتا تھا۔ میں نے با آواز بلند کہا" قیامت آنا" اس پر ملا بہت خوش ہوئے اور اپنے شاگرد (رضا بدایونی) کو ڈانٹ کر کہنے لگے شرم کرو اتنا سا بچہ صحیح جواب دے رہا ہے اور تم نہیں بتا سکے اس وقت تمام حاضرین نے ہماری شعر فہمی کی بڑی داد دی اور ہم اتنے خوش ہوئے کہ یہ واقعہ آج تک یاد ہے۔

تو بات ہو رہی تھی رمضان شریف کی جس میں ہر روز ایک یا دو بزرگوں کے عرس ہوتے تھے اور نظام الاوقات پہلے سے شائع ہو جاتا تھا۔ پھر رویت ہلال کے بعد پہلی ہی شب سے گھنٹہ گھر پر نوبت رکھ دی جاتی تھی جو تہجد سے تا فجر بجتی تھی پورے شہر میں اس کی آواز سنی جاتی تھی اس کا مقصد ''سحری'' کے لئے لوگوں کو بیدار کرنا تھا ''سحری'' کے وقت کم و بیش پورا مسلم شہر جاگ رہا ہوتا تھا۔ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی۔ جامع مسجد شمسی میں نماز ظہر سے ایک دو گھنٹہ پہلے بعض بزرگ جمع ہو جاتے تھے ان کے علاوہ دس بارہ بچے بھی ہوتے تھے۔ پیارے میاں جو اس زمانے میں مسجد میں امامت کرتے با آوز بلند شاہنامہ اسلام پڑھ کر سناتے تھے۔ ہم سب پورے دھیان سے سنتے تھے تاریخ بھی معلوم ہوتی تھی شعر کا لطف بھی آتا تھا اور روزہ کی دوپہر آرام سے کٹ جاتی تھی۔ اس زمانے میں شاہنامہ اسلام سن سن کر مجھے جگہ جگہ سے حفظ ہو گیا تھا ابھی تک کافی یاد ہے۔ نماز عصر کے بعد سے ہی روزہ کا اہتمام شروع ہو جاتا تھا خواتین افطاری تیار کرنے میں مصروف ہوتیں۔ مرد حقہ تازہ کرتے خمیرہ بھر کے چلم تیار کرتے اور افطار کے بعد کے لئے توا دہکا کر رکھتے تھے گھر کے ملازم یا بعض نو عمر برف کی خریداری کے لئے نکل جاتے تھے وہاں فریج تو تھے نہیں ٹھنڈے اور کورے گھڑوں، مٹکوں اور صراحیوں میں پانی ہوتا تھا۔ گرمی کے دنوں میں برف کی مانگ بہت بڑھ جاتی تھی اور قیمت بھی بڑھ جاتی تھی افطار کے انتظار میں بھرے پرے دسترخوان سجے ہوئے، شربت کے جگ بھرے ہوئے۔ افطاری سیو دال دہی پھلکی، گٹے، کھجوریں، نمک پارے، شکر پارے وہاں یہی افطاری ہوتی تھی۔ پھر حسب مقدور پھل بھی مگر پھلوں کا زیادہ رواج نہ تھا۔ اگر موسم ہوا تو تربوز خربوزے یا گنڈیریاں، امرود کی چاٹ یہی وہاں کے پھل فروٹ تھے۔

کیا امیر کیا غریب ہر گھر سے افطاری قریبی مسجد میں جاتی تھی جہاں انواع و اقسام کی ڈشیں دستیاب ہوتی تھیں۔ میرے والد مرحوم خاص دلچسپی سے فیرینی، شامی کباب اور پوریاں

افطار کے لئے مسجد لے جایا کرتے تھے۔ جب یہ اہتمام خاص ہوتا تو مسجد میں افطار کرتے ورنہ گھر پر۔ ویسے اکثر گھرانوں میں گھر سے باہر بھی افطار کا انتظام ہوتا تھا'' جس میں آتے جاتے راہ گیر بھی شرکت کرتے تھے۔ غرض یہ کہ '' نہ کھانے والے مہینہ میں خوب کھایا جاتا تھا اور بڑے ذوق شوق کے ساتھ'' پھر آخر مہینہ میں شب بیداری اور عبادات کا خاص اہتمام رہتا تھا اس کے بعد عید کے دن صبح سویرے سے فطرہ لینے والے ٹولیاں بنائے جھولیاں پھیلائے گھر سے تقسیم ہونے والے آٹے اور گندم کے بھرے تھیلے لٹکائے ادھر سے ادھر آتے جاتے غسل اور نئے کپڑے، خوشبو، سیویاں، شیر خرمہ، عیدی اور عیدیاں اور اس کے علاوہ باقی کم و بیش وہی سب اہتمام جو دوسرے شہروں میں بھی ہوتا تھا۔ اس کے بعد ایک مہینہ خالی جس میں کوئی مذہبی اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ شاید اسی لئے ذیقعد کے مہینہ کو '' خالی'' کہتے تھے اس کے بعد عید الاضحیٰ سال کا آخری مہینہ ہوتا تھا جس میں بدایوں کی نسبت سے کوئی تخصیص نہیں تھی۔''

بیان کردہ مذہبی محافل و تقاریب کے علاوہ دیگر سماجی تقاریب کی اپنی اپنی شان ہوتی تھی اسمیں شادی، بسم اللہ خوانی، سالگرہ، عقیقہ استقبالیہ، الوداعیہ، غسل صحت، مسلمانی، مونچھوں کا کونڈا، نک چھیدن اور کن چھیدن وغیرہ کی تقریبات قابل بیان ہیں بالخصوص شادی ایک سلسلہ تقاریب ہوتا تھا پہلے پیام اور سمدھین اقرار یا منگی۔ اسکے بعد مایوں، مہندی، برات اور نکاح رخصتی، جلوہ یا منہ دکھائی، ولیمہ، بہورا۔۔ چالہ اور بعض کے نام میں بھول رہا ہوں اور ان تقاریب کے بعد بھی دلہن مہینوں تک تلک اور سراسری میں گھیتلا جوتیاں انگلی پکڑ کر چیونٹی کی چال چلتی تھی شرم کے مارے دن میں شوہر سے بات بھی نہیں کرتی تھی پاؤں پھیرے کی دعوتیں ختم ہونے کے بعد باورچی خانہ میں جا کر کھیر پکانے کے نام پر اسے ہاتھ لگاتی تھی اسکے بعد زندگی نارمل کے قریب آتی تھی۔ بسم اللہ کی تقریب کو اہل بدایوں مکتب کہتے تھے اس میں بھی بڑی محفل ہوتی تھی مکتب کے لڈو مشہور تھے ممن کے پیڑے مشہور ہونے کے باوجود کبھی مکتب میں تقسیم نہیں ہوتے تھے بلکہ

بعض خاندانوں میں تو مکتب کے لئے پیڑوں کا نام لینا بھی بدشگونی تھی۔ اسمیں بچہ کو با قاعدہ جامہ پٹکہ پگڑی اور سہرے کے ساتھ دولہا بنایا جاتا تھا اور بڑی بارونق محفل ہوتی تھی اسی طرح سالگرہ کی تقریب میں بھی کیک نہیں کاٹا جاتا تھا نیاز ہوتی تھی اور سرخ کلابے میں سال مکمل ہونے کی گانٹھ ڈالی جاتی تھی۔ اسی گرہ کی نسبت سے یہ تقریب سالگرہ کہلاتی تھی باقی دیگر تقاریب جنکے نام میں نے اوپر تحریر کئے ہیں اچھی خاصی دھوم دھام سے ہوتی تھیں غسلِ صحت استقبالیہ اور الوداعیہ محافل میں شادی کی طرح قریبی شعراء تہنیتیں منظوم لکھتے تھے اور شادی میں تو با قاعدہ سہروں کی کتاب شائع ہوتی تھی۔ غرض یہ کہ بدایوں کی محافل اور تقریب بڑی باوقار پر لطف بامعنی اور رنگ بھری ہوتی تھیں۔

میلے

اسی ضمن میں بدایوں کے میلوں کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا ویسے تو بدایوں کے دیہی علاقوں میں پیر اور جمعرات کو میلے کا سماں ہوتا تھا یعنی بازار لگتے تھے ہفتہ میں بالعموم ایک بار اس بازار کو ''پینٹھ'' کہتے تھے اسی سے محاورہ بنا ہے۔ اٹھی پینٹھ آٹھویں دن ایسے بازاروں یا پانٹھ جیسا ایک میلہ مدار صاحب کا بھی ہوتا ہے جسکا تذکرہ سطور بالا میں آچکا ہے۔ یہ تو سب چھوٹے چھوٹے میلے ٹھیلے کہلاتے تھے حضرت سلطانجی اور حضرت شاہ ولایت کے عرس بھی کسی میلے سے کم گہما گہمی کا نقشہ پیش نہیں کرتے تھے اسمیں دور سے لوگ آتے تھے بڑی بڑی طرح طرح کی دکانیں لگتی تھیں زبردست ہجوم ہوتا تھا مگر میلہ نما ہونے کے باوجود میلے میں شمار نہیں کئے جاسکتے مسلمانوں کا سب سے بڑا میلہ ''حظیرہ'' Hazeera ہوتا ہے جسے کثرت استعمال اور عدم واقفیت کی بنیاد پر بدایوں والوں کی اکثریت ''حدیرہ'' کہتی ہے عربی میں حظیرہ کے معنی چہار دیواری کے ہیں۔ موضع لکھن پور میں ایک مقام وہ ہے جہاں جہاد کے دوران سید سالار مسعود غازی کو جو زخم آئے تھے ان کا غسالہ دفن ہے اور وہیں آپکے گھوڑے کا مدفن بھی ہے حضرت غازی

الیاس شہید کا مزار بھی ہے وہ سب ایک چہار دیواری کے اندر ہے جسکی وجہ سے اسے حظیرہ کہا جاتا ہے وہاں مسلمانوں کا ایک خاصہ بڑا میلہ لگتا ہے نیاز نذر بھی ہوتی ہے تقریباً پورے ضلع سے بلکہ باہر سے بھی لوگ شرکت کے لئے آتے ہیں قرب وجوار کے دہی علاقوں کے اکثر مسلمان شریک ہوتے تھے شہر بدایوں سے گروہی شکل میں لوگ شرکت کرنے کے لئے جاتے تھے۔ میں وہاں کبھی نہیں گیا میرے والد مولوی علی عباس مرحوم وہاں کے قصے خوب سناتے تھے شاید کئی بار گئے تھے ایک مرتبہ تو مفتی لطف انھیں ساتھ لیکر گئے تھے وہ ان کا دلچسپ سفر تھا بیل گاڑی کے ذریعہ سفر ہوتا تھا بدایوں کے بہت سے معززین اور انکے بچے تفریح کے طور بھی جاتے تھے۔ وہاں ہر قسم کے موسمی کھیل خصوصاً پتنگ بازی کا بڑا زور رہتا تھا اسلئے کہ کھلا ہوا وسیع میدان تھا۔

ویسے بدایوں میں ہندوؤں کے میلے بھی لگتے تھے ان میں سب سے بڑا ککوڑے کا میلہ تھا جو گنگا کے کنارے لگتا تھا اور ہندو دھرم کے عقیدے کے مطابق وہاں کے اشنان سے ظاہری و باطنی تمام سقائیم دور ہو جاتے تھے اس میلے کی رونق اور وسعت بہت زیادہ تھی اس میں مسلمان بھی شریک ہوتے تھے دور دور سے لوگ آتے تھے ایک بار میں بھی والد مرحوم کے ساتھ ککوڑے کا میلہ دیکھنے گیا تھا بڑا لطف آیا تا حد نظر خیمے ہی خیمے اور بڑے بڑے بازار اور دوکانین ہی دوکانیں نظر آتی تھیں ایک ہندو شاعر نے اس میلے کا منظوم تعارف لکھا ہے نظم خاصی طویل ہے میں تعارف کی خاطر اس کا ابتدائی حصہ نقل کر رہا ہوں۔ شاعر کا تخلص آنچل نام شمشیر بہادر ہے۔

شمشیر بہادر آنچل

یہ میلہ ککوڑا

ہر اک امن میں بہتا ہے گنگا کا ریلا
ککوڑے کا میلا ، ککوڑے کا میلا

چلو میں تمہیں اس کی باتیں بتاؤں
کہ میلے کی پوری کہانی سناؤں

اسی دیش میں اک بدایوں ضلع ہے
کہ ویدوں سے جس کا رہا سلسلہ ہے

ہے مشہور جگ میں یہاں کی کہانی
رہی التمش کی یہیں راجد ھانی

قلم کی نرالی مہارت یہاں کی
ہے مشہور عام زیارت یہاں کی

ہر اک علم میں اس کی شرکت بہت ہے
بدایوں کے پیروں کی شہرت بہت ہے

قریب اس کے اک شیخوپور نام دھارے
بسا گاؤں ہے اک ندی کے کنارے

یہ وہ گاؤں ہے جس کو سب جانتے ہیں
اور اس کی بڑائی سبھی مانتے ہیں

یہاں کے رئیسوں کا تھا ڈھب نرالا
فرنگی بھی جپتے تھے ان ہی کی مالا

ملے سکھ انھیں ، اس لئے میرے بھائی
حکومت لئے گاؤں میں ریل آئی

اسی گاؤں کے تھے نواب ایک اعلیٰ
انھیں کا میں دیتے ہوئے کچھ حوالہ

بڑھاتا ہوں قصہ ، سنو تھوڑا تھوڑا
لگا کیسے آخر یہ میلہ ککوڑا

تھا عبد اللہ نام اور تھے نامی گرامی
جنم سے سبھی دھرم والوں کے حامی

وہ جنتا کی آنکھوں کے پیارے بہت تھے
بڑے لاڈلے تھے ، دلارے بہت تھے

نہ دھن کی ، نہ دھرتی کی ان کو کمی تھی
بڑی موج مستی بھری زندگی تھی

سبھی سکھ تھے پر اک بڑا دکھ تھا گھیرے
ہوا کوڑھ ان کو ، سنو دوست میرے

کوئی وید ، عطار چھوڑا نہیں تھا
مگر روگ ایسا تھا ، جاتا نہیں تھا

ہوئے سب علاج ان کے بیکار ثابت
نہ کوئی ہوا جب مدد گار ثابت

لگاؤ نہ پھر زندگی سے رہا کچھ
کوئی کام آئی نہ ان کے، دوا کچھ

غرض زہر کھا کر گزرنے کی ٹھانی
لگا روگ ایسا، تو کیا زندگانی

انھیں الجھنوں میں وہ کھوئے ہوئے تھے
وہ بستر پہ اک رات سوئے ہوئے تھے

بشارت ہوئی گنگا جی پاس جائیں
وہیں ڈالیں ڈیرا، پئیں جل، نہائیں

اگر گنگا مائی سے ناتا رہے گا
تو طے سمجھو سب روگ جاتا رہے گا

سویرے اٹھے روپ جوگی کا دھارے
چلے وہ ککوڑے کو گنگا کنارے

وہیں جا کے ٹھہرے، کیا گنگا درشن
اور اشنان کر کے پیا پانی فوراً

محبت کا یہ روپ دھارے رہے وہ
کنارے پہ ماں کے سہارے رہے وہ

تھا بس کام گنگا میں اشنان کرنا
خدا کی عبادت کا بس دھیان کرنا

کرشمہ دکھایا یہ گنگا کے جل نے
مٹے سارے دکھ اور لگا روگ ڈھلنے

ہوا مہرباں گنگا مائی کا دھارا
ملی ان کو صحت ، مٹا روگ سارا

مہینہ تھا کا تک کا ، تھی پورن ماسی
چھٹی جس سے چہرے کی ساری اداسی

دلدر ہوئے دور تب گھر کو آئے
عقیدت سے گنگا پہ ماتھا نوائے

اسی دن سے گنگا کا دامن نہ چھوڑا
لئے لاؤ لشکر پھر آئے ککوڑا

عقیدت سے گنگا کنارے پہ آئے
خلوص اور محبت سے آنکھیں بچھائے

لگا بھاری میلہ ، ہوا جشن بھاری
پھر عبد اللہ جی نے بھی منت اتاری

اسی ڈھب سے گنگا پہ کچھ دن بتائے
وہ خوشیاں لئے لوٹ کر گھر کو آئے

اسی دن سے ہر سال کاتک میں پیارے
یہ لگنے لگا میلہ گنگا کنارے

اسے خوب عبد اللہ جی نے لگایا
وہ ماں کی محبت تھی ، گنگا کی مایا

تبھی سے مناتا ہے بھگتوں کا ریلا
ککوڑے کا میلا ، ککوڑے کا میلا

تعلیم

جہاں تک تعلیم کے میدان کا تعلق ہے تو اس معاملے میں بدایوں کی تاریخ دیگر بلاد ہند سے مختلف ہے برصغیر کے شمالی مغربی صوبہ جات اور بنگال کے علاوہ ہر جگہ ہندو اکثریت تھی اور متذکرہ علاقے جات کے بشمول ہر جگہ ہندو مسلمانوں کے مقابلے میں تعلیمی لحاظ سے بہتر تھے مگر شہر بدایوں میں مسلمان اکثریت میں بھی تھے اور تعلیم میں بھی مقامی ہندوؤں سے آگے تھے جناب مولوی محمد سلیمان اپنے رسالے بدایوں ۴۷ء میں مسلم اکثریت کے حوالے سے رقم طراز ہیں ''کہ انگریزی حکومت کی ابتداء سے پرانے تعلیم یافتہ حضرات مناصب پر فائز رہے جب انگریزی تعلیم کا زور اور رواج ہوا اسوقت بھی یہاں کے مسلمان تعلیم میں مقامی ہندوؤں سے آگے رہے بیسویں صدی کے آغاز میں میٹرک تک تعلیم بھی بڑی چیز سمجھی جاتی تھی۔ اس زمانے میں کافی حضرات میٹرک پاس تھے اور مڈل پاس یا عربی فارسی پڑھے لکھے مسلمانوں کی تعداد بہت

تھی کم وبیش اس زمانہ میں اس علمی حیثیت کے حامل دوسو کے قریب وکلاء تھے جو بدایوں اور اسکے قرب وجوار کے علاقہ جات میں پریکٹس کرتے تھے۔جبکہ ہندو مختار اور وکیل تیس سے زائد نہ تھے۔سب جج چھ اور منصف چودہ تھے جس میں کوئی ہندو نہیں تھا۔ڈپٹی کلکٹر سولہ مسلمان اور پانچ ہندو تھے۔تحصلبدار اکیس مسلمان اور تین ہندو کورٹ انسپکٹر چھ مسلمان چار ہندو تھے۔۲۲ مسلمانوں کو خان بہادر کا اور ۱۴ چودہ کو خانصاب کا خطاب حاصل تھا۔جبکہ صرف سات ہندو رائے بہادر اور آٹھ رائے صاحب تھے۔سروے کے محکمہ میں مسلمان بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے“ شہر میں ہندوؤں کا کوئی اسکول نہیں تھا ایک گورنمنٹ اسکول ایک آٹھویں درجہ تک مشن اسکول تھا جبکہ مسلمانوں کا قائم کردہ اسلامیہ اسکول ایک پروقار تعلیمی ادارہ تھا۔اسی طرح علی گڑھ یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے والے طلبا میں بھی کوئی نہ کوئی بدایوں کا طالب علم ضرور ہوتا تھا۔علی گڑھ کے پہلے گریجوئٹ بیچ میں بدایوں کے ڈپٹی ابراہیم حسن کا نام بہت نمایاں تھا۔شاید انکے بیٹے جناب منظور حسین لندن جاکے بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے والے پہلے بدایونی تھے بدایوں میں اسلامیہ اسکول کی بنیاد ۲۱ جولائی ۱۹۱۶ء کو رکھی گئی تھی جو انجمن اشاعت تعلیم مسلمانان بدایوں کا کارنامہ تھا۔اس کالج کے قیام میں بدایوں کے مشہور اخبار ”ذوالقرنین“ اور اسکے مالک واڈیٹر جناب نظامی بدایونی نے بہت فعال کردار ادا کیا تھا بلکہ ایک طور پر یہ انکی ہی قلمی اور عملی کاوشوں کا نتیجہ تھا اس اسکول کا سنگ بنیاد اس وقت کے گورنر” مسٹر مسٹین“ نے رکھا تھا اور سنگ بنیاد رکھنے کی شاندار تقریب ہوئی تھی اخبار ذوالقرنین نے خصوصی شمارہ شائع کیا تھا اس کی ایک کاپی گورنر نے اپنے ہاتھ سے بنیاد میں رکھی تھی۔اسلامیہ اسکول کو ان کے ہی نام سے موسوم کیا گیا تھا اور اس اسکول کے قیام میں شیخوپور کے امراء نے چونکہ دل کھول کر مدد کی تھی اس لئے اسکول کے نام میں شیخوپور کا حوالہ بھی موجود تھا ۱۹۴۴ء میں اس اسکول کو انٹر کالج کا درجہ حاصل ہوگیا اور یہ ضلع بدایوں

کا واحد ادارہ تھا جہاں میٹرک سے آگے تک تعلیم دی جاتی تھی اسلامیہ اسکول کو کالج بنانے میں کانپور کے ایک بڑے مسلمان اور کبیر تاجر جناب حافظ صدیق مرحوم کا بڑا دخل ہے انکی ہی مالی امداد سے یہ کالج بنا تھا جسکے لئے بدایوں سے ایک وفد کانپور جا کر حافظ صدیق سے ملا تھا وفد کے دو نام احترام واقتدار ابھی تک میرے ذہن میں ہیں اس لئے کہ جب اسلامیہ اسکول کالج بنا تھا تو ایک جلوس نکالا گیا تھا جس میں طلباء کے علاوہ معززین شہر بھی شامل تھے اور اس میں حافظ صدیق زندہ باد کے علاوہ احترام واقتدار کے بھی نعرے لگائے گئے تھے اس موقع پر ایک نظم بھی لکھی گئی تھی جسے جلوس کے شرکاء ترتم سے پڑھتے اور شکیل روڈ سے گذرتے ہوئے مجھے آج بھی یاد ہیں اس روڈ کا نام شکیل روڈ تو بعد میں رکھا گیا ہے۔ مگر جلوس اسی سڑک پر ہمارے گھر کے سامنے سے گذرا تھا یہ کالج حافظ صدیق مسٹن اسلامیہ انٹر کالج شیخوپور اور بدایوں'' تھا آزادی کے بعد اس سے مسٹن کا نام خارج کردیا گیا جہاں تک مسلمانوں میں تعلیم کے رواج کا تعلق ہے تو جس طرح علوم دینیہ میں بدایوں نے اکابر علماء پیدا کئے اسی طرح انگریزی تعلیم کے رائج ہونے کے بعد بھی شہر میں مسلمانوں کا ہی عروج رہا۔ بدایوں جیسے چھوٹے شہر میں جس قدر مسلمان۔ بی اے ایل ایل بی، ایم اے، بی ٹی اور ایل ٹی تھے اور جتنی بڑی تعداد پی ایچ ڈی حضرات کی تھی شاید اسکی مثال کسی دوسری چھوٹی بستی میں نہیں ملے گی اور یہی نہیں کہ یہ حضرات پی ایچ کی ڈگری کے حامل ہوں بلکہ اپنے اپنے فن میں ملکی اور بین الاقوامی شہرت کے حامل تھے ڈاکٹر افضال قادری جیسے سائنس داں، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی جیسے ادیب اور ڈاکٹر امیر حسن جیسے تاریخ داں تھے جو جامعہ کراچی کے اساتذہ کی آبرو گنے جاتے تھے ذیل کی فہرست میں پی ایچ ڈی حضرات کے جو نام میرے علم میں ہیں انکی ایک فہرست درج ہے انکی ترتیب میں جناب نذرالحسن صدیقی نے میرے ساتھ معاونت کی ہے۔

فہرست

۱۔	ڈاکٹر افضال قادری	(حیوانیات)
۲۔	ڈاکٹر امیر حسن صدیقی	(تاریخ)
۳۔	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی	(لسانیات و ادب)
۴۔	ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی	کیمیا (کیمسٹری)
۵۔	ڈاکٹر اختر حسین صدیقی	(جغرافیہ)
۶۔	ڈاکٹر اقبال رفعت صدیقی	کمیا (کیمسٹری)
۷۔	ڈاکٹر اویس صالح صدیقی	(فارسی)
۸۔	ڈاکٹر شکیل صالح صدیقی	کیمیا (کیمسٹری)
۹۔	ڈاکٹر جمشید صدیقی	کیمیا (کیمسٹری)
۱۰۔	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ	(سنسکرت)
۱۱۔	ڈاکٹر ایوب قادری	اردو
۱۲۔	ڈاکٹر اشفاق قادری	معاشیات
۱۳۔	ڈاکٹر اسد اریب	بچوں کا ادب
۱۴۔	ڈاکٹر صداقت اللہ	
۱۵۔	ڈاکٹر شمس بدایونی	اردو
۱۶۔	ڈاکٹر سید واجد علی نقوی	

سنا ہے کہ اب بدایوں میں پی۔ایچ۔ڈی خاصی بڑی تعداد میں ہیں

خواتین کی تعلیم عہد قدیم میں تو قرآن شریف پڑھنے میلاد شریف پڑھنے اور خط پڑھنے تک لازم تھی بلکہ بعض خاندان کی ایسی خواتین بھی میں نے دیکھی ہیں جو پڑھ تو سب کچھ

لیتی تھیں لکھنا نہیں جانتی تھیں مگر اسکول اور کالج کی تعلیم عام ہونے کے بعد لڑکیوں نے بھی علم و ادب میں نمایاں مقام حاصل کئے ہیں ادا جعفری، زہرہ نگاہ اور صادقہ فاطمی جیسی شاعرات جیلانی بانو افتخار بیگم اور درشہوار جیسی نثر نگار اور ڈاکٹر شہناز اور ادر ڈاکٹر روبینہ عابد جیسی جواں سال سائنس داں خواتین بدایوں کی علمی ادبی اور سائنسی میدان میں برتری کی آیئنہ دار ہیں اسی طرح پاکستان ہجرت کر کے آنے والے نوجوانوں میں جواب بڑھاپے کی منزل سے گذر رہے ہیں بہت سے پروفیسر، وکیل ڈاکٹر انجیئر اور صحافی اپنے اپنے میدانوں میں نمایاں مقام اور اپنی شناخت رکھتے ہیں۔یہی بات شعرائے بدایوں پر بھی صادق آتی ہے جو کراچی میں موجود یا مدفون ہیں۔

جہاں تک دوسرے تعلیمی اداروں کا تعلق ہے تو ان میں گورنمنٹ اسکول تھا اور ایک مشن اسکول جو پہلے آٹھویں تک تھا بعد میں میٹرک تک ہو گیا اس میں ہندو، مسلم، عیسائی اور سکھ سب ہی طالب علم ہوتے تھے میں نے بھی ابتدائی جماعتیں اسی اسکول میں پڑھی ہیں اور میٹرک گورنمنٹ اسکول سے کیا اسکے بعد انٹر، بی اے آنرز اور ایم اے جامعہ کراچی سے پاس کئے ہیں بدایوں میں ہندوؤں کی کوشش سے کرشنا مینن ہائی اسکول اور پھر انٹر کالج وجود میں آیا تھا انٹر سے بعد کی تعلیم کے لئے زیادہ تر طلباء علی گڑھ جاتے تھے اور بعض بریلی کالج میں داخلہ لیتے تھے علی گڑھ میں بدایوں کے طلباء نے ہر میدان میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر کے اپنے وطن کا نام روشن کیا ہے اور اسی کی وجہ سے علی گڑھ کے طلباء بدایوں کو ''خطہ یونان در ملک ہندوستان'' کہتے تھے۔علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے اردو فارسی، نفسیات اور قانون کی تدریس کے لئے بھی بدایوں کے ہی اساتذہ شہرت رکھتے تھے۔

صحت اور صفائی

صحت اور صفائی کے ضمن میں چند باتیں قابل بیان ہیں اول تو یہ کہ صحت کے نقطہ نگاہ سے بدایوں کی آب وہوا بہت اچھی تھی موسمی حوالے سے کہہ سکتے ہیں کہ وہاں سردیوں میں سخت

سردی اور گرمیوں میں سخت گرمی ہوتی تھی ۔ برسات کے موسم میں بارشیں خوب ہوتی تھیں جھڑی لگتی تھی اور موسلا دھا بارش ہوتی تھی جس سے پورا شہر اور اسکی فضا دھل جاتی تھی ۔ دھواں شور اور فضائی آلودگی نہ ہونے کی وجہ سے عام طور سے لوگوں کی صحت بہتر رہتی تھی حفظان صحت کے نقطۂ نگاہ سے وہاں نیم کے پیڑوں کی کثرت تھی ہر دس یا بیس قدم پر نیم نظر آتا تھا ویسے برگد اور پیپل بھی تھے ۔ گیندا بھی کافی تھا جو ہندوؤں کے ہاں زیادہ استعمال میں تھا چنانچہ نیم اور گیندے کی وجہ سے بہت سے انفیکشن کی مدافعت ہو جاتی تھی پھر یہ کہ پانی سے انفیکشن کے امکانات بہت کم تھے اول تو اس لئے کہ وہاں پانی کی فراہمی پائپ لائن کے ذریعہ نہیں تھی جس میں ٹوٹ پھوٹ ہونے سے غلاظت مل سکے ۔ عام طور پر کنوؤں کا تازہ پانی استعمال ہوتا تھا پھر یہ کہ وہاں گھروں میں سقابے گھڑے، مٹکے اور صراحیاں اکثر ڈھکی رہتی تھیں اور ڈھک کر رکھی جاتی تھیں کراچی کی طرح انڈر گراؤنڈ اور اور ہیڈ ٹینک نہیں تھے جنکی مدتوں صفائی نہیں ہوتی ۔ بعض انفیکشن بیری کے پتوں سے بھی روکے جاسکتے ہیں اسی لئے مردوں کو غسل دینے والے پانی میں بیری کے پتے ڈالے جاتے تھے طرح طرح کی دھونیاں بہت سے لوگوں کا معمول تھیں لوبان کی دھونی، گندھک اور اسگن کی دھونی عام تھی ۔ شہر میں بارش کے بعد پانی کھڑا نہیں رہتا تھا اسلئے ملیریائی مچھر بھی کم تھے کھانے پینے گوشت اور مٹھائی کی دوکانیں محلوں میں نہیں ہوتی تھیں انکے بازار رہائشی علاقوں سے الگ تھے پھر یہ کہ وہاں میونسپلٹی کی طرف سے صفائی کا باقاعدہ اہتمام تھا روزانہ صبح مہتر شہر کی صفائی کرتے تھے ہمارے علاقے میں مکھن مینٹھ اس کام کی نگرانی کرتا تھا سڑکوں پر جھاڑو دینے کے علاوہ بہشتی چھڑکاؤ بھی کرتے تھے ۔ ان تمام عوامل کے سبب وہاں حفظان صحت کی فضا بہتر تھی

معالجہ کے معاملے میں قدر پسماندگی تھی زیادہ ۔ ایم ۔ بی ۔ ایس کوالیفائڈ ڈاکٹر نہیں تھے مجھے ہندوؤں میں رائے زادہ اور مسلمانوں میں ڈاکٹر آل محمد نقوی کے نام یاد ہیں یا پھر ضلع کا سول سرجن کوالیفائڈ ڈاکٹر ہوتا تھا مسلمان محلوں میں ایلو پیتھک ڈاکٹروں کے کلینک نہیں تھے مرحوم

افضال شروانی کے والد ڈاکٹر امتیاز۔ ایل ایم پی تھے وہ جب بدایوں واپس آئے تو انھوں نے سوتھے کے چوک پر ایک کلینک قائم کیا تھا ایک کلینک جی۔ٹی روڈ پر ایک تجربہ کار کمپاونڈر شفیع صاحب کا تھا تقریباً رائے زادے کے کلینک کے مقابل، منڈی مسجد کے پاس ایک اور کمپاؤنڈر نورالحسن کا کلینک تھا اسکے علاوہ سرکاری شفاخانے کے کمپاؤنڈر شکور صاحب سائیکل پر پورے شہر کا چکر لگاتے گھر گھر جا کر مریضوں کو دیکھتے تھے سرجری کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔ چھوٹے موٹے معاملات جراحوں کے حوالے ہوتے تھے۔ ہومیو پیتھک طریقہ علاج کا زیادہ رواج نہ تھا چند ہندو اور ایک مسلمان ڈاکٹر ہومیو پیتھ کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔

مسلمان ہومیو پیتھ ڈاکٹر عابد حسین شہید تھے جو میری والدہ کے ماموں تھے جیسی خوش وضع اور باوقار انکی شخصیت تھی ویسا ہی سلیقہ والا ان کا کلینک تھا جو عین گھنٹہ گھر کے سامنے اور کم و بیش تمام شہریوں کی دسترس میں تھا۔ زیادہ تر لوگ یونانی طبیبوں کی طرف مائل تھے مشہور اطباء میں فنی، علمی اور سماجی ہر لحاظ سے سب سے بڑی شخصیت حکیم پالکی تھے فضل الرحمان نام تھا۔ انتہائی باوضع اور ذہین آدمی تھے شدید مئے نوشی کی وجہ سے نشہ میں ہونے کے باوجود بہترین نسخہ تجویز کرتے تھے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ انکے اس عالم کے نسخے ہی کارگر ہوتے تھے دوسرے اطباء میں مجھے حکیم فضیلی حکیم افضل اور حکیم اسرار کے نام یاد ہیں ویسے آیرویدک طریقہ کار سے علاج کرنے والے چند وید بھی بدایوں میں تھے مگر ان میں کسی سے میں واقف نہیں۔ ہاں چھوٹے موٹے امراض کے لئے لوگ عطاروں سے ہی دوا لیتے تھے ان میں بھی بعض بڑے ماہر اور رمشہور عطار تھے پڑیا میں جوش کرنے کی دوائیں مٹی کی کلیا میں شربت اور ڈبیوں میں معجون جوارش اور چٹنیاں وہاں عام تھیں۔

ان اطباء سے شائد کچھ پہلے حکیم سراج بھی مشہور نام ہے

نشر واشاعت

جس زمانے کی میں بات کر رہا ہوں اس میں ریڈیو، ٹی وی تو تھے نہیں نشر واشاعت کا کام صرف پرنٹ میڈیا تک محدود تھا۔ طباعت کے جدید طریقے بھی رائج نہیں ہوئے تھے۔ پہلے مسطر پر خطاطی کرتے تھے اور پتھر سے چھپائی ہوتی تھی، اخبارات، رسائل و جرائد نیز کتابیں سب اسی طریقہ سے چھپتی تھیں۔ مگر اس فرسودہ عہد طباعت میں بھی لکھنوا کانپور اور بدایوں کے تین پریس بے حد مشہور تھے اور انھوں نے شاندار عظیم خدمات انجام دی تھیں آپ اکثر اہم کتب اٹھا کر دیکھئے اس پر نول کشور پریس یا نظامی پریس کا ہی نام ملے گا یہ نظامی پریس بدایوں کا تھا جسکے کرتا دھرتا ایک عظیم شاعر اور صحافی نظامیؔ بدایونی تھے جن پر بدایوں کے ایک نامور ادیب ڈاکٹر شمس نے تحقیق کر کے پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ شائع ہو چکا ہے میں نے کم وبیش پورا ہی مقالہ کافی غور خوض کے ساتھ پڑھا ہے اتنا وسیع اور قابل قدر مقالہ ہے کہ اسکے مختلف اجزاء وابواب پر علیحدہ علیحدہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی جاسکتی ہیں۔

آپ کو اندازہ ہوگا کہ یہ عنوان اتنا وسیع ہے کہ اس ضمن میں زیر بحث ایک ادارہ کی کارکردگی کے جائزے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کر دی گئی تو اس چھوٹی سی تحریر میں اس عنوان کے مکمل احاطہ کی توقع نہیں کی جاسکتی ویسے بدایوں کے مطالع پر بدایوں کے ایک جواں سال تحقیق کار تسلیم اللہ خان غوری نے جن کا پہلے بھی حوالہ آچکا ہے ایک بہت وقیع اور معلومات افزاء مضمون لکھا ہے جو شاید سہ ماہی مجلّہ بدایوں کی آئندہ اشاعت میں شامل ہوگا۔ میں نے یہ مضمون پڑھا ہے قابل تعریف ہے اگر میرے پاس اسوقت ہوتا تو میں اسکے چند اقتباسات ضرور پیش کرتا، ویسے اس تحریر کے اختصار کی تشنگی بجھانے کے لئے آپ وہ مضمون ضرور پڑھئے جہاں تک بدایوں کے رسائل و جرائد کا تعلق ہے تو اس ضمن میں بھی تسلیم اللہ غوری کا ایک مضمون ''بدایوں کے اردو اخبارات و رسائل''، مجلّہ بدایوں کی جلد نمبر ۵ اور شمارہ نمبر ۴ میں شائع ہوا ہے اس میں انھوں نے ۱۸۵۷ء سے پہلے شائع ہونے والے ایک اخبار حبیب الاخبار کا حوالہ دیا ہے پھر ۱۸۵۲ء میں

شائع ہونے والے اخبار فیض بخش کا مولوی محمد سلیماں کے حوالے سے تذکرہ کیا ہے۔ اسکے بعد بدایوں کے مشہور زمانہ اخبار ذولقرنین کی تفصیلات تحریر کی ہیں جسکا بڑا کارنامہ اسلامیہ اسکول کا قیام ہے جسکی بنیاد میں اس اخبار کی ایک کاپی بھی رکھی ہوئی ہے اس ہفت روزہ اخبار کے مدیر پہلے خود نظامی بدایونی تھے پھر انکے فرزند جناب احید الدین نظامی ۴۲ء سے اسکے مدیر ہوئے انکے بعد انکے بیٹے مونس نظامی نے اسکی ادارت سنبھالی بالآخر ۸۱ سال کی عمر پوری کرنے کے بعد ۱۹۸۹ء میں یہ اخبار بند ہوگیا جسکے بعض نمبر آج بھی بدایوں کی تاریخ میں اہمیت رکھتے ہیں، ذوالقرنین کے بعد دوسرا اخبار جو بدایوں سے ۴۷ء میں حضرت شاداں بدایوں کی ادارت میں جاری ہوا الحمدللہ آجتک شائع ہورہا ہے اب اسکی عمر پچاس سال سے اوپر ہے ویسے اس سے پہلی ایک اخبار العدل کے نام سے جناب لطافت ہاشمی کی زیرادارت بھی جاری ہوا تھا جو زیادہ دن جاری نہ رہا غالبًا امیر الاقبال پریس سے شائع ہوتا تھا۔ جہانتک ماہناموں کا تعلق ہے تو جاری ہونے والوں کی تعداد تو بہت ہے مگر جاری رہنے والے چار ماہنامے ہیں جس میں سے تین بیسویں صدی کے نصف اول اور ایک نصف آخر سے تعلق رکھتا ہے نصف اول یعنی ۱۹۱۴ء ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۲ء میں جاری ہوئے جس میں ۱۹۱۹ء میں جاری ہونے والا ایک ظریفانہ ماہنامہ تھا جسکے مدیر مشہور صحافی میر محفوظ علی بدایونی تھے دوسرے رسالوں کے نام شمس العلوم اور مومن ہیں اول الذکر مولانا عبد الماجد بدایونی کا جاری کردہ تھا جسکا نام مدرسہ شمس العلوم کی نسبت سے رکھا گیا تھا۔ بیسویں صدی کے آواخر میں ایک ماہنامہ ''گلکدہ'' کے نام سے جاری ہوا جو شاید سہسوان سے شائع ہوتا ہے اورہنوز جاری ہے۔ بیسویں صدی کے بالکل آخر میں جاری ہونے والے تین سہ ماہی رسالے بھی قابل ذکر ہیں ایک سہ ماہی ''روشن'' ہے دوسرا جناب ابر گنوری کے تخلص سے موسوم ''ابر'' ہے اور تیسرا ''چوں چوں کا مربہ'' ظریفانہ رسالا ہے۔ بدایوں کے دیگر رسائل جو تقریبًا سو سال کی مدت میں اندازاً ۱۸۸۰ء سے ۱۹۸۰ء تک جاری ہوئے مگر جاری نہ رہ سکے انکی ایک فہرست

متذکرہ بالا مضمون سے نقل کر کے بہ شکریہ تسلیم اللہ غوری بدایونی و مجلّہ بدایوں کراچی پیش کر رہا ہوں۔

فہرست

نمبر	اخبار/رسالے کا نام	اجراء ہونے کا سال	مدیر کا نام
۱	ماہنامہ انجمن علمی	اگست ۱۸۸۲ء	مولوی عین الدین فرشوری
۲	ماہنامہ اخبار الامصار	فروری ۱۸۸۳ء	مولوی علی امجد حسین
۳	ماہنامہ چمن سخن	فروری ۱۸۸۴ء	مولوی علی امجد حسین
۴	ماہنامہ گلدستہ بدایوں	دسمبر ۱۸۷۴ء	مولوی افضل علی ضو
۵	ماہنامہ سعید الاخبار	جنوری ۱۸۸۵ء	مولوی افضل علی ضو
۶	ماہنامہ گلکدۂ بہار	جوری ۱۸۸۵ء	محمد متین خان متین سہسوانی
۷	ماہنامہ ہمایوں نامہ	جنوری ۱۸۸۵ء	مولوی افضل علی ضو
۸	ماہنامہ چمن	جنوری ۱۹۲۶ء	مولوی سبطین احمد
۹	ماہنامہ زراعت وحرفت	جنوری ۱۹۱۶ء	شیخ امین الدین حیدر شیخوپوری
۱۰	ماہنامہ مشاہیر	مئی ۱۹۲۳ء	مولوی ظہور الحق مقتدری
۱۱	ماہنامہ سودمند	مئی ۱۹۲۶ء	مولوی احید الدین نظامی
۱۲	ماہنامہ زمیندار و کسان پندرہ روزہ	مئی ۱۹۳۲ء	خان بہادر مولوی فصیح الدین فرشوری
۱۳	ماہنامہ المنظور	جون ۱۹۳۷ء	عبدالواحد عثمانی قادری
۱۴	ماہنامہ نقاش	جنوری ۱۹۲۲ء	یوسف عزیز اور غلام السیدین
۱۵	ماہنامہ دربار ادب	اپریل ۱۹۵۶ء	عبدالجمیل شوق بدایوں
۱۶	ماہنامہ نماز	جنوری ۱۹۵۸ء	مفتی ابراہیم فریدی سمستی پوری

۱۷	ماہنامہ نقیب حق	اپریل ۱۹۵۶ء	شرافت اللہ خان
۱۸	ماہنامہ احباب	جون ۱۹۵۷ء	کامل اسلام نگری
۱۹	ماہنامہ منزل	۱۹۵۴ء	قاضی الیاس رشید الیاس انجمی
۲۰	ماہنامہ عصیر	جون ۱۹۷۳ء	ظفر علوی صاحب
۲۱	ماہنامہ رعنائیاں	ستمبر ۱۹۷۵ء	اسعد بدایونی صاحب
۲۲	ماہنامہ نام ونشان	اکتوبر ۱۹۷۵ء	حسین احمد فریدی شیخوپوری
۲۳	ماہنامہ بادبان	نامعلوم	محمد حسین
۲۴	ماہنامہ اسلامی دنیا	نامعلوم	مولوی لقا علی حیدری
۲۵	ماہنامہ مشیر سلطنت	نامعلوم	مولوی طفیل الدین احمد
۲۶	ماہنامہ عروج	نامعلوم	معین احمد
۲۷	ماہنامہ پرواز	نامعلوم	کوکب جمیل
۲۸	ماہنامہ گلدستہ سعید	نامعلوم	چودھری سعید الدین سعید
۲۹	ماہنامہ عشرہ روزہ کٹھیر	پنچ مئی ۱۸۸۳	مولوی علی امجد حسین
۳۰	ماہنامہ ہفتہ وار نور بدایوں	جولائی ۱۸۸۲ء	حکیم وارث علی خان
۳۱	ماہنامہ نسیم سحر	ستمبر ۱۸۸۴ء	محمد امتیاز احمد تاثیر
۳۲	ماہنامہ امجد الاخبار	جنوری ۱۸۸۵ء	مولوی علی ارشد حسین
۳۳	ماہنامہ البیلا	اپریل ۱۸۸۶ء	مولوی علی ارشد حسین
۳۴	ماہنامہ انتخاب عالم	اپریل ۱۸۹۲ء	سدید الدین شائق عباسی
۳۵	ماہنامہ بدایوں گزٹ	اپریل ۱۹۱۱ء	ضلع کلکٹر
۳۶	ماہنامہ الہلال	مارچ ۱۹۳۸ء	حکیم فضل الرحمٰن

۳۷	ماہنامہ دیش	مارچ ۱۹۴۸ء	بیگم آمنہ مجید صدیقی
۳۸	ماہنامہ تعمیر	نومبر ۱۹۵۴ء	قاضی الیاس رشید
۳۹	ماہنامہ شرافت	جنوری ۱۹۵۴ء	افسر حسین بشیری
۴۰	ماہنامہ بدلتی دنیا	مئی ۱۹۵۵ء	نسیم ایوبی
۴۱	ماہنامہ آزاد ہند	اگست ۱۹۵۵ء	ناصر الدین احمد
۴۲	ماہنامہ تازیانہ	مئی ۱۹۵۶ء	قاضی عثمان رشید
۴۳	ماہنامہ منادی	اکتوبر ۱۹۶۲ء	عبداللہ عاطف
۴۴	ماہنامہ اقدام	اکتوبر ۱۹۶۸ء	عبداللہ عاطف
۴۵	ماہنامہ شباب	فروری ۱۹۶۸ء	عبداللہ عاطف
۴۶	ماہنامہ شیخ شاہی	اگست ۱۹۶۹ء	محمد عمر قادری
۴۷	ماہنامہ نبض دوراں	جون ۱۹۷۶ء	محمد عمر قادری
۴۸	ماہنامہ حفاظت امن	مئی ۱۹۷۹ء	حسین احمد فریدی شیخوپوری
۴۹	ماہنامہ درشن	نامعلوم	ڈاکٹر پرتاب شنکر
۵۰	ماہنامہ الہدی	نامعلوم	عبدالصمد مقتدری
۵۱	ماہنامہ پروانہ	نامعلوم	قمر بدایونی
۵۲	ماہنامہ معصوم دل	نامعلوم	ایثار فاطمی
۵۳	ماہنامہ القمر	نامعلوم	حکیم مختار سبزواری
۵۴	ماہنامہ پندرہ روزہ فنا بدایونی	نامعلوم	فردوس عابدی لودی

عنوان جاریہ کے تحت بدایوں کی صحافیانہ تاریخ کی ایک ایسی علامت کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے جس نے بدایوں بلکہ بھارت سے باہر رہکر بھی بدایوں کا نام روشن کیا ہے اور وہ ہے مجلہ

بدایوں جسکی شاندار تاریخ اور روایت ہے اور جسمیں بدایوں کے کم وبیش تمام ہی اہل قلم کے مضامین شائع ہوئے ہیں یادگار نمبر نکلے ہیں یہ قطعی غیر تجارتی اور ایک فلاحی کوشش ہے جس میں بدایوں کے ان تمام ہی دانشوروں کی شرکت ہے۔ جو ہندو پاک میں آج بھی بدایوں کی عظمت کے چراغ روشن کئے ہوئے ہیں اسکی تاریخ کا خلاصہ بھی تسلیم اللہ غوری بدایونی کے ہی الفاظ میں!

"بھائی عبدالستار صاحب کی تحریک اور ان کے بہی خواہوں کی تائید پر ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سرپرست الحاج شمیم الدین صاحب بنائے گئے۔ موصوف بدایونی ہیں اور ان کو صوبہ سندھ پاکستان کا قائم مقام وزیراعلیٰ ہونے کا اعزاز بھی مل چکا ہے۔ اس کمیٹی کا صدر مشہور معالج ڈاکٹر محفوظ الحسنین جلیسی صاحب کو بنایا گیا۔ اس کمیٹی نے کافی غوروخوض کے بعد رسالے کا نام مجلہ بدایوں رکھنا طے کیا اور ہر ماہ شائع کرنے کی تجویز پیش کی۔ بس پھر کیا تھا مجلہ بدایوں کراچی پاکستان کے نام سے رسالے کا رجسٹریشن کرایا گیا جس کی ادارت جناب عبدالمعطی صدیقی ایڈوکیٹ کے ذمہ دی گئی اور مدیر کی ذمہ داری پروفیسر اخلاق اختر حمیدی صاحب کو سونپی گئی۔ ناشر ہمارے کرم فرما بھائی عبدالستار بنائے گئے جو در پردہ اس رسالے کے موسس ہیں ان تین لوگوں کی محنت اور لگن سے مجلہ بدایوں کا پہلا شمارہ فروری ۱۹۹۱ء میں عالم وجود میں آیا جس کی ادبی اور غیر ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی کی گئی۔ کچھ حلقوں سے تنقیص بھی ہوئی اور تنقید بھی۔ چونکہ اس کے سربراہوں اور کارکنوں کی نیت صاف تھی اس لئے یہ رسالہ پھلتا پھولتا رہا اس رسالے کی سالانہ خریداری مبلغ سو۱۰۰ روپیہ اور فی پرچہ مبلغ دس روپے رکھی گئی۔ ابھی رسالے نے اپنی زندگی کے چند ماہ ہی دیکھے تھے کہ اس کے بانی مدیر جناب عبدالمعطی صدیقی ۲۲ دسمبر ۱۹۹۱ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مجلہ بدایوں کو اپنے بچپن میں اس پہلے عظیم صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر بانیان نے اس غم کو صبر واستقلال سے برداشت کیا اور جناب عید الدین فریدی عرف منن بھائی کو جنوری ۱۹۹۲ء سے مجلہ بدایوں کا مدیر بنایا گیا منن بھائی کی مدد کے لئے فروری

۱۹۹۲ء سے محترمہ ناہید عزمی صاحبہ مدیر معاون اور اگست ۱۹۹۲ء سے جناب مظہر علی نصرت کو معاون مدیر کی حیثیت سے مجلس ادارت میں شامل کیا گیا۔ ان تینوں شخصیات کی محنت اور لگن سے مجلّے نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ پودا ایک درخت کی شکل اختیار کرنے لگا اور اس پر ثمر بھی آنے لگے۔ جولائی ۱۹۹۳ء سے جناب نیر اقبال کمالی بھی معاون مدیر بنا دیئے گئے اس طرح مجلس ادارت میں تین معاون مدیر ہو گئے اکتوبر ۱۹۹۳ء سے معاون مدیروں کے عہدوں میں تبدیلی کی گئی اور ان کو اراکین کا نام دیا گیا۔ اسی دوران مجلّے کی مجلس ادارت میں گٹ بندی ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فروری ۱۹۹۴ء سے جناب مظہر علی نصرت کو ان کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا گیا۔ مجلّہ ابھی اپنے شباب کی منزلوں میں ہی تھا کہ اس کو زمانے کی نظر لگ گئی اور اس کے مدیر جناب سعید الدین فریدی عرف منن بھائی اچانک ۸ جولائی ۱۹۹۴ء کو راہی ملک عدم ہوئے۔ اللہ اللہ اتنی کم عمری میں دو دو دائمی غم۔ مگر قابل ستائش ہیں بانیان مجلّہ کہ انہوں نے اس غم کو بھی برداشت کیا اور رسالے کے ایک رکن جناب نیر کمالی کو اس رسالے کا مدیر بنایا گیا۔ نیر اقبال کمالی کو مدیر بنائے جانے کی وجہ سے اراکین میں صرف ایک نام ناہید عزمی کا رہ گیا۔ اس کمی کا احساس کرتے ہوئے مجلس مشاروت نے اگست ۱۹۹۴ء سے محترمہ نجمہ خلیل القدر اور محترمہ سیما بنت فصیح کو مجلّے کے اراکین میں شامل کرلیا۔ اور مجلّہ اپنی رفتار پر آ گیا کہ اچانک اس کے مدیر پروفیسر اخلاق اختر حمیدی نے اپریل ۱۹۹۵ میں اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور مجلّہ بدایوں کو ایک جھٹکا دینے کی کوشش کی۔ ان کے ذہن میں یہ بات گھر کر گئی تھی کہ مجلّہ میرے دم اور کرم سے نکل رہا ہے۔ بانیان مجلّہ نے ان کے اس پندار کو توڑنے کیلئے انہیں کے ہمرتبہ پروفیسر منظر ایوبی کو مجلّہ بدایوں کا مدیر نامزد کیا جنہوں نے مئی ۱۹۹۵ء سے اپنی ذمہ داری سنبھالی۔ ابھی مجلّہ پروفیسر حمیدی کے جھٹکے سے ہی ابھر سکا تھا کہ جولائی ۱۹۹۵ء کا شمارہ نکال کر اس کے مدیر نیر اقبال کمالی بہ وجہ بیماری اس سے سبکدوش ہو گئے۔ اب مجلس مشاورت نے طے کیا کہ مجلّے کے

اعزازی مدیر کو اس کا مدیر بنا دیا جائے اور ہوا بھی ایسا ہی اگست ۱۹۹۵ء سے پروفیسر ایوبی اس رسالے کے مدیر بنا دیئے گئے اور مظہر علی نصرت کو دوبارہ مجلّہ بدایوں کی مجلس ادارت میں شامل کرلیا گیا اور اراکین کے عہدے کو ختم کر کے نجمہ خلیل القدر کو بھی سبکدوش کر دیا گیا۔ اب مظہر علی نصرت اور ناہید عزمی معاون مدیر اور پروفیسر منظر ایوبی اس رسالے کے مدیر گویا تین شخصیات پر مجلّے کی ذمہ داری آ گئی۔ دسمبر ۱۹۹۶ء میں بعض وجوہ کی بنا پر پروفیسر منظر ایوبی نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا تو ان کی جگہ معاون مدیر مظہر علی نصرت کو ترقی دیکر مجلّہ بدایوں کا مدیر بنایا گیا اور مدیر اعلیٰ اور محترمہ ناہید عزمی کو معاون مدیر کی ذمہ داریاں جنوری ۱۹۹۷ء سے دی گئیں ۔فروری ۱۹۹۷ء سے محترمہ نجمہ خلیل القدر کو دوبارہ مجلّے میں شامل کیا گیا۔ نجمہ خلیل القدر فروری ۱۹۹۸ء تک مجلّے کی معاون مدیر رہیں اور وجوہ کی بنا پر پھر اس رسالے سے الگ ہوئیں تو مارچ ۱۹۹۸ء سے دوبارہ محترمہ ناہید عزمی صاحبہ کو معاون مدیرہ بنایا گیا۔ اس طرح مارچ ۱۹۹۸ء سے مدیر اعلیٰ مسعود علی نقوی، مدیر مظہر علی نصرت اور معاون مدیرہ محترمہ ناہید عزمی اس رسالے کی ناؤ کھے رہے تھے اور یہ بڑی تیز رفتاری سے جاری تھا کہ اچانک اس کی زندگی پر آسمانی بجلی گر پڑی اور اس کے کرتا دھرتا یعنی مجلّہ بدایوں کی روح اور اس کے ناشر جناب عبدالستار صاحب نومبر ۲۰۰۰ء میں ایک رات ایسے بیمار پڑے کہ بس جان کے لالے پڑ گئے وہ رات کو پیشاب کرنے کی غرض سے اپنے کمرے سے باتھ روم میں گئے کہ ان کی شکر کا لیول اچانک گر گیا اور وہ باتھ ٹب میں گر پڑے ان کے گرنے سے باتھ ٹب سے منسلک ٹوٹی کھل گئی اور باتھ ٹب پانی سے بھرنے لگا اور اتنا پانی بھر گیا کہ بھائی عبدالستار کا پورا جسم پانی میں ڈوب گیا اللہ کی قدرت جس اوور ہیڈ ٹینک سے باتھ ٹب میں پانی آ رہا تھا اس کا پانی ختم ہو گیا اور ستار بھائی بال بال بچ گئے اگر اوور ہیڈ ٹینک کا پانی ختم نہ ہوتا تو حقیقت میں مجلّہ ڈوب گیا تھا۔

اس طرح نومبر ۲۰۰۰ء کا شمارہ نکال کر مجلّہ پر موت کے کالے سائے منڈلانے لگے اور

سب کو احساس ہو گیا کہ مجلّہ ختم مگر واہ رے بوڑھے نوجوان تیری ہمت اور استقلال کو کسی دشمن کی نظر نہ لگے۔ کہ جیسے ہی ڈاکٹروں نے تھوڑی سی مہلت دی یہ ۷۳ سالہ نوجوان پھر میدان عمل مین آ کھڑا ہوا۔ اور اس مرتبہ ایک نئے عزم نئے حوصلے کے ساتھ پانچ ماہ کی متواتر غیر حاضری کے بعد اس بانی مجلّہ نے ایک نئی ٹیم تیار کی۔ چونکہ ڈاکٹروں نے اور اہل خانہ نے زیادہ بھاگ دوڑ اور محنت سے بالکل منع کر دیا ہے اس لئے اس کی ٹیم کے پرانے کھلاڑی پروفیسر ایم ایچ جلیسی چیئرمین مجلّہ بدایوں مسعود علی نقوی صاحب مدیر اعلیٰ مجلّہ بدایوں قدیمی خازن مجلّہ وسیم عمر صاحب نے مجلّہ بدایوں کے اخراجات کی تمام تر ذمہ داری لیتے ہوئے بھائی عبدالستار صاحب کو تھوڑا ذہنی سکون، فراہم کیا۔ مجلّہ بدایوں کے اس دوسرے دور کی شروعات ایک دم نئی ٹیم سے کرائی گئی یعنی مجلّہ بدایوں کے نگران اعلیٰ مسعود علی نقوی، مدیر اعلیٰ پروفیسر فائق صدیقی، مدیر جناب مظہر علی نصرت، نائب مدیر محترمہ درشہوار قادری اور ناظم اشاعت بھائی وسیم عمر بنائے گئے ہیں اور مجلّے کی تمام تر ادبی ذمہ داری اس کے نئے مدیر اعلیٰ پروفیسر محمد فائق صاحب کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے گویا وہ اس کے سیاہ وسفید کے کلی مالک ہیں۔

مذکورہ بالا قابل احترام شخصیات کی نگرانی میں پانچ ماہ دسمبر ۲۰۰۰ جنوری، فروری، مارچ اور اپریل ۲۰۰۱ء کو غیر حاضری کے بعد مجلّہ بدایوں کے دوسرے دور کا پہلا شمارہ ماہ مئی ۲۰۰۱ء میں ایک نئی آب وتاب کے ساتھ منظر عام پر آیا اور اس کے مداحوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک پڑے جبکہ حاسدین مجلّہ کی آنکھوں میں لہو اتر آیا۔ وہ تو یہ سمجھے تھے کہ مجلّہ بدایوں بند، کہانی ختم۔

مجلّہ بدایوں کے اس دوسرے دور کی ابتدا نئے رنگ سے کی گئی ہے۔ اب اس میں ادب و ثقافت تحقیق وتنقید کے ساتھ مذہبی رنگ غالب رہا کریگا۔ کیونکہ اب اس میں تفسیر قرآن، حیات رسول، قصص الانبیاء اور قصص الاولیاء کے عنوانات مستقل طور پر شامل کر لیئے گئے ہیں۔

ادبیات اور رقص وموسیقی

کسی بھی علاقہ کی ثقافت کے مطالعہ میں ادبیات اور رقص وموسیقی کے عنوانات کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہر چند کہ یہ تینوں فنون ایسے ہیں کہ ایک بسیط رقبہ پر یکساں انداز میں پائے جاتے ہیں ضلعی بنیاد پر اس میں تفریق نہیں کی جاسکتی صرف منفصل علاقے ان عوامل کی بنیاد پر متمیز کئے جاتے ہیں مگر بعض اسکی مثتسنیات بھی ہیں ہر چند کہ علی گڑھ، مرادآباد، رامپور، شاہ جہان پور بریلی، پیلی بھیت اور دیگر متصل اضلاع کی طرح بدایوں بھی ایسا ہی ایک ضلع ہے مگر شعرو ادب کے معاملے میں یہ اپنی علیحدہ شناخت رکھتا ہے تاریخی عوامل میں جو عامل اس امتیاز کا سبب ہے وہ یہ کہ جیسے دہلی کے شاہی دربار اور لکھنو کے نوابی دربار اپنے شکوہ اور ادب پروری کی ایک شاندار تاریخ رکھتے ہیں اسی طرح بدایوں گورنری درباروں کے حوالے سے متمیز رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کل ہند شہرت رکھنے والے علماء، فضلا اور شعراء، ادبا کی کثرت ہے۔ شاعری میں جو امتیاز بدایوں کو حاصل ہے وہ دہلی اور لکھنو کے دبستانوں میں بھی نہیں ہے بظاہر یہ دعویٰ بہت بڑا اور مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے لیکن بنظر غائر دیکھئے تو آپ اس سے متفق ہو جائیں گے اس لئے کہ دہلی اپنے رنگ کا دبستان شعر ہے اور لکھنو کا اپنا رنگ ہے جسکی وجہ سے یہ دو ہی دبستان شاعری مشہور ہوئے۔ ادباء کہتے ہیں کہ دہلی کیفیات عشق کی شاعری کا دبستان ہے اور لکھنو میں معاملات حسن زیادہ نمایاں ہیں دہلی لکھنوی رنگ سے محروم ہے اور لکھنو دہلوی رنگ سے مگر بدایوں کے دبستان کا یہ امتیاز ہے کہ یہاں دونوں رنگوں کا امتزاج موجود ہے کہتے ہیں کہ تالیفی تخلیق Synthetic Creativity بھی ایک قسم کی Originalty ہے اس لحاظ سے بدایوں شعرو ادب کا تیسرا دبستان تسلیم کیا جاسکتا ہے میں اس ایک تصور کی تشریح کے علاوہ شعری حوالے سے بدایوں کے سلسلے میں تبصرہ سے یوں گریز کروں گا کہ اس عنوان پر اتنا لکھا جاچکا ہے کہ میری چند سطور نہ تو اس میں اضافہ ہوں گی اور نہ ہی انکی اپنی کوئی اہمیت ہوگی ویسے شاعری کے علاوہ بدایوں

کومشاعروں کے معاملے میں بھی فوقیت حاصل ہے مگر اندیشہ طوالت کے سبب انکے بیان سے بھی گریز کروں گا جو حضرات بدایوں کے مشاعروں کے معاملے میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ مجلہ بدایوں میں شائع ہونے والے درج ذیل مضامین کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

۱۔	ڈاکٹر شمس بدایونی	جلد نمبر 1	شمارہ نمبر 12	صفحہ 39
۲۔	تسلیم اللہ غوری	جلد نمبر 7	شمارہ نمبر 1	صفحہ 24
۳۔	تسلیم اللہ غوری	جلد نمبر 7	شمارہ نمبر 2	صفحہ 64
۴۔	تسلیم اللہ غوری	جلد نمبر 7	شمارہ نمبر 6	صفحہ 43
۵۔	تسلیم اللہ غوری	جلد نمبر 7	شمارہ نمبر 7	صفحہ 46

مندرجہ بالا سلسلہ مضامین میں دو قسطیں میری نظر سے نہیں گذری ہیں جو جلد نمبر 7 شمارہ نمبر 3 تا نمبر 5 میں ہوں گی درمیان میں شاید ایک ماہ کا تعطل ہوا جب ہی تو چھ قسطیں ایک سات نمبر شمارے میں ہیں۔

شاعری کے بعد اگر رقص وموسیقی کے حوالے سے ہم اسکی ثقافت کا جائزہ لیں تو ان حوالوں سے بدایوں کی ثقافت میری نظر میں بے رنگ ہے اور اسکی معقول وجہ یہ ہے کہ جس شہر کی شہرت قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیا کے حوالے سے ہو اس میں رقص وموسیقی کے پھلنے پھولنے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا البتہ یہ ضرور ہے کہ مزارات اور اعراس کی کثیر تعداد ہونے کی وجہ سے یہاں نعت خوانی اور قوالی عام تھی۔

گائکی کے معاملے میں ہر چند بدایوں کے کل ہند شہرت کی شخصیات پیدا نہیں کیں مگر بدایوں کے دو محلوں کی شناخت یہی تھی ایک تو مصطفٰے گنج جو رقص وموسیقی کا گڑھ تھا دوسرے میراثی محلہ۔ گائکی کے معاملے میں چونکہ اپنے اپنے خاندان مشہور ہیں اور ان کا یہ فن اولاد در اولاد میراث کی حیثیت سے منتقل ہوتا ہے اسی لئے یہ لوگ میراثی کہلاتے ہیں۔ مگر یہ لفظ کثرت

استعمال سے مراثی ہوگیا ہے جو غلط نہیں بلکہ فصیح ہے۔ جو لفظ غلط العوام ہوا اس کو فصیح نہیں کہہ سکتے وہ تو ہوتا ہی غلط ہے مگر جو غلط العام ہوا سے فصیح کہتے ہیں میرا خیال یہ ہے کہ پڑھے لکھے لوگ بھی مراثی ہی کہتے ہیں البتہ تحریر میں اکثر میراثی دیکھا ہے تو بدایوں میں ان کا ایک چھوٹا سا محلہ ہے فرشوری ٹولہ اور پچھیوں سے متصل پچھیوں کے مشرق اور فرشوری ٹولہ کے شمال میں بعض مرتبہ میرا ادھر سے گذر ہوا ہے اور میں نے ان چھوٹے چھوٹے نیچی دیوار والے گھروں سے راگ الاپنے کی آوازیں بارہا سنی ہیں کبھی کبھی تو چلتے چلتے رک کر بھی گلے بازی کے مزے لئے ہیں اس محلے کے علاوہ سنا ہے کہ مصطفےٰ گنج سے گذرتے ہوئے بھی ساز و آواز کے نغمے سنے جاسکتے تھے مگر ادھر سے کبھی گذر نہیں ہوا۔ ویسے گلے کے معاملے میں بدایوں میں نعت خواں کافی مشہور تھے اس ضمن میں ابو منظر کا مضمون بدایوں کے نعت خواں جو مجلّہ بدایوں کی جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۸ میں شائع ہوا ہے لائق مطالعہ ہے۔ اسی ضمن میں درگاہ قادریہ میں نعت خوانی کے حوالے سے کچھ مواد جناب محمد عبد الہادی کی کتاب نغمۂ قدسی اساس میں بھی ملتا ہے۔

ثقافت بدایوں کے بیان میں اگر ایک اور چھوٹا سا جملہ نہ لکھوں تو یہ قلم کے ساتھ انصاف نہیں ہوگا اور وہ جملہ یہ ہے کہ بدایوں کے للا اور لٹھ باز بھی مشہور تھے مگر لٹھ بازی میں سنا ہے کہ کڑا الہ باد اور شاہجہاں پور سب سے آگے تھے۔

ویسے ثقافت کے باب میں عام طور سے کھیلوں کا بھی تذکرہ آتا ہے اور مقامی تفریحاتی مشاغل کی بھی بات آتی ہے مگر میرے اپنے مشاہدے اور اندازے کے مطابق اس میدان میں بدایوں کا کوئی امتیاز نہیں ہے اور اسکا سبب یہی اصول ہے کہ رقص موسیقی، ساز و نغمہ، اور لہو ولعب کا اسلامی معاشرے میں کوئی مقام نہیں۔

☆☆☆

پانچواں باب

بدایوں شعروں کے آئینہ میں

لفظ و معنیٰ سے بھی کچھ اور فزوں ہوتا ہے
شعر آئینۂ احساس دروں ہوتا ہے

فائق بدایونی

پانچواں باب

بدایوں شعروں کے آئینہ میں

جب میں گذشتہ باب میں بدایوں کی شاعری پر کچھ لکھ رہا تھا تو میں نے اس کی تفصیلات میں جانے سے یہ کہہ کر گریز کیا تھا کہ اس پر بہت لکھا جاچکا ہے میری چند سطور نہ تو اس میں اضافہ ہوں گی اور نہ اہم ۔ ساتھ ہی یہ خیال بھی ذہن میں تھا کہ اگلے باب میں شعرائے بدایوں کے اشعار کا ایک انتخاب بھی پیش کروں گا اس لئے کہ کسی بھی علاقے کا شعری ادب اس کی ثقافت وتہذیب کا آئینہ ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ میں اس کی تشریح کروں قارئین راست مطالعہ کر کے خود ہی سمجھ لیں ۔ سوآئندہ اوراق اسی سے مزین ہیں، ویسے ایک بات یہ بھی عرض کردوں کہ مجھے دوران مطالعہ یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ شعرائے بدایوں کی غزل میں اتنا پھیلاؤ ہے کہ وہ تین صدیوں پر بسیط ہے بعض اٹھارویں صدی کے اوائل کے شعراء کا کلام دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں آج کا شعر کہتے تھے زبان کی سادگی اور لہجہ ملاحظہ ہو

ہم پہ سو ظلم و ستم کیجئے گا
ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا

یہ شعر بیدارؔ بدایونی (۱۷۳۲) کا ہے ایک اور شاعر تاباں بدایونی (۱۶۹۰ء) تا(۱۷۵۰ء) فرماتے ہیں۔

آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جس کو دیکھا وہ اپنے مطلب کا

قدیم شعرا کے اس اسلوب اور طرز ادا کے ساتھ انیسویں صدی کے وسط اور آخر کے چار شعراء کے ایسے شعر بھی دیکھے کہ شاید آپ کو بھی یقین نہ آئے کہ یہ بدایونی شعراء کے ہیں۔ اس لئے کہ یہ پورے ہندوستان میں شاعر کے نام کے بغیر مشہور ہیں۔ تذکرہ شعرائے بدایوں کے مطابق یہ شعر زلالی بدایونی (۱۸۵۷) کا ہے۔

میں نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یاد وطن آئی تھی پہنچانے کو

بعض لوگ ''پہنچانے کی جگہ'' سمجھانے پڑھتے ہیں جو غلط اور ضعیف ہے میں نے یہ شعر اپنے بچپن میں بدایوں میں یونہی سنا تھا۔ ایک اور شعر سنیئے

وقت مجھ پر دو کٹھن گذرے ہیں ساری عمر میں
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

یہ شعر ریاض بدایونی کا ہے۔ یہ داغ کے شاگرد تھے۔ ان کے باقی اشعار بھی اسی طرح بھرپور انداز کے ہیں۔

مسکرائے جاتے ہیں کچھ منہ سے فرمانے کے بعد
بجلیاں چمکا رہے ہیں پھول برسانے کے بعد

پہلے شعر کو کسی منچلے نے بدل دیا تھا میں نے گورنمنٹ اسکول بدایوں کے واٹر روم کی دیواروں پر جہاں بے حساب عمدہ شعر لکھے دیکھے ہیں۔ وہیں اس شعر کی پیروڈی بھی کسی نے لکھی تھی۔

عمر بھر میں دو ہی گھڑیاں مجھ پہ گذری ہیں کٹھن
شادی ہو جانے سے پہلے بیوی مر جانے کے بعد

بعض لوگ پہلے مصرعہ کو اصل شعر میں جڑ کے پڑھتے ہیں جو غلط ہے اس لئے کہ داغ کا شاگرد دو زمانوں کو "دو گھڑیاں" کبھی نہیں لکھے گا، تیسرا شعر ثاقبؔ بدایونی کا ہے جو پورے ہندوستان میں مشہور ہے میں اس سے متعلق مشکوک تھا تو میں نے حضرت ثاقبؔ کے صاحبزادے شمسؔ بدایونی سے جن کا شمار اس وقت کراچی کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے جب اس شعر سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں یہ شعر ان کے والد کے غیر مطبوعہ دیوان میں موجود ہے تو شعر یہ ہے۔

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

ایک اور شعر جو زباں زد خواص و عوام ہے

شب غم کی سختیوں کو کوئی اس سے جا کے پوچھے
تری راہ تکتے تکتے جسے صبح ہوگئی ہو

یہ شعر احمدؔ بدایونی ۱۸۹۳ء کا ہے اسی طرح اور بھی اشعار ایسے نظر سے گزرے جو مجھے بچپن سے یاد تھے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بدایونی شعرا کے ہیں۔ مثلاً یہ شعر میں داغ کا سمجھتا تھا۔

نامہ بر تو ہی بتا تو نے تو دیکھے ہوں گے
کیسے ہوتے ہیں وہ خط جن کے جواب آتے ہیں

مگر یہ شعر قمرؔ بدایونی کا ہے اسی طرح یہ شعر

چھپایا میں نے بہت عشق کے فسانے کو
نہ جانے کیسے خبر ہوگئی زمانے کو

یہ شعر آثرؔ بدایونی کا ہے جسے قمرؔ جلالوی نے یوں کہا ہے

کبھی کہا نہ کسی سے ترے فسانے کو
نہ جانے کیسے خبر ہوگئی زمانے کو

یہ سب کچھ عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ بدایوں کے تقریباً ۲۰۰ شعرا کا انتخاب جو اندازاً چار سو اشعار پر مشتمل ہے ہمارے لئے تو بدایوں کی تہذیب وثقافت کا آئینہ ہے مگر عام قاری کیلئے بھی ہندو پاک کی سطح پر یہ ایک منفرد انتخاب ہے۔ میری معلومات کی حد تک اتنے شعراء پر مشتمل کوئی انتخاب شائع نہیں ہوا ہے۔ سوائے ان تذکروں کے جو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں۔

ویسے تذکروں میں اور انتخاب میں فرق ہے۔ تذکروں میں شاعر کا تعارف مقصود ہوتا ہے اور اس کے حوالے سے شعر لکھے جاتے ہیں۔ انتخاب میں بنیاد شعر ہوتا ہے اور شعر کے حوالے سے شاعر کا نام آتا ہے۔ وہاں زور شاعر پر ہوتا ہے۔ اور یہاں شعر پر۔ شعر کا انتخاب آسان کام نہیں ہے تاہم میں نے اس میں تین معیار قائم کئے ہیں اول ندرت خیال۔ دوم سلاست زبان۔ اور سوم غزل کا لہجہ یا پیرایۂ بیان۔ بعض اشعار مجموعی تاثر کی بنیاد پر منتخب کئے ہیں جہاں شعر سنتے ہی بے ساختہ داد زبان سے نکلتی ہے۔ اور واہ نہ کہنے پر قدرت نہیں ہوتی مثلاً جامیؔ بدایونی کا یہ شعر

لنترانی بھی کہا اس ناز سے
لطف جلوہ آگیا آواز سے

جہاں تک شعراء کی ترتیب کا تعلق ہے تو مراتب ومقامات متعین کرنا تو میرا منصب نہیں ہے۔ میں نے حروف تہجی کی ترتیب کو اپنایا ہے۔ اس لحاظ (ا۔ب) سے پہلا نام جناب ابرؔ گنوری کا آتا ہے۔ شعر سنیئے۔

(۱) وسعتیں اپنی نہ پہچانے تو اس کا کیا علاج
آدمی رہرو بھی ہے رہبر بھی ہے منزل بھی ہے

(۲) برابر ہیں بھکاری اور سلطاں جا کے تربت میں
اس آئینہ میں سب کی ایک سی تصویر ہوتی ہے

ابر گنوری ۱۸۹۷ء

(۳) دیکھنا ہو تو مرے ساتھ چلو صحرا تک
میں جنوں کو سر بازار کہاں سے لاؤں
(۴) میری وحشت نے بدل دی مرے گھر کی صورت
نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

ابرار بدایونی ۱۹۲۴ء

(۵) لاکھ سمجھے مگر انساں کا سمجھنا کیا ہے
تو ہی جانے ترے محبوب کا رتبہ کیا ہے
(۶) کس پہ انکی نظر نہیں ہوتی
اک مرے حال پر نہیں ہوتی

اثر بدایونی ۱۹۴۵ء

(۷) دسترس ہو تو ابھی چوم لوں دست قاتل
کس صفائی سے اڑایا ہے نشانہ دل کا

اثر گنوری

(۸) کوئی مسلک بھی اختیار کرے
آدمی آدمی سے پیار کرے

---

(۹) میں محبت کی انتہا کر دوں
ابتداء تو نگاہ یار کرے

رشید آثر ۱۹۳۴ء

(۱۰) چھپایا ہم نے بہت عشق کے فسانے کو
نہ جانے کیسے خبر ہوگئی زمانے کو

برہان الدین آثر ۱۹۱۵ء

(۱۱) بباطن پھر بھی رہتا ہوں پریشاں
بظاہر مجھ کو کوئی غم نہیں ہے

ارمان بدایونی ۱۹۲۹ء

(۱۲) خیال عرض تمنا تو ان سے تھا لیکن
زباں سے کچھ بھی نہ نکلا جو روبرو آئے

احسن بدایونی ۱۹۱۰ء

(۱۳) شب غم کی سختیوں کو کوئی اس سے جا کے پوچھے
تری راہ تکتے تکتے جسے صبح ہوگئی ہو

احمد بدایونی ۱۸۹۳ء

(۱۴) شمع رو کر مرے بالیں پہ دعا کرتی ہے
جب سحر ہو مرے اللہ یہ بیمار نہ ہو

احمد حسین احمد بدایونی (اوائل بیسویں صدی)

(۱۵) دل کے شکستہ ساز سے نغمے ابل پڑے
پوچھا کسی نے حال تو آنسو نکل پڑے

(۱۶) شاعری ہو کہ شغل نغمۂ و مئے
مدعا خود کو بھول جانا ہے

اختر انصاری ۱۹۰۹ء

(۱۷) کیا ضروری ہے مآل کار کی باتیں کریں
آؤ سب پر خاک ڈالیں پیار کی باتیں کریں

---

(۱۸) اس نے جب چہرے سے الٹی تھی نقاب
قد آدم آگیا تھا آفتاب

اختر غزنوی بدایونی ۱۹۰۳ء

(۱۹) نہ کوئی سنگ نہ چہرہ ، نہ آئینہ نہ گلاب
تو پھر یہ عمر گریزاں بھی کس حساب میں ہے

اخلاق اختر حمیدی ۱۹۳۳ء

(۲۰) نسیم صبح اگر تیرے پاؤں چھو آئے
ہر ایک جھونکے میں عطر حنا کی بو آئے

---

(۲۱) نہیں جو مجھ سے محبت نہیں ملال تو ہے
میں خوش اسی میں ہوں تجھ کو مرا خیال تو ہے

اختر محوی (انیسویں صدی اواخر)

(۲۲) جب کہا ان سے محبت ہوگئی
ہنس کے بولے اتنی جرأت ہوگئی

اختر انجمی (بیسویں صدی آغاز)

(۲۳) ایک وہ عالم تھا پہروں دل کو سمجھاتا تھا میں
ایک یہ عالم کہ پہروں مجھ کو سمجھاتا ہے دل

اخلاقؔ بدایونی (اوائل بیسویں صدی)

(۲۴) ہاتھ کانٹوں سے کر لیئے زخمی
پھول بالوں میں اک سجانے کو

---

(۲۵) پتھر بھی برگ گل ہیں کہ اپنی گلی کے ہیں
آخر بقدر ظرف پذیرائیاں تو ہیں

اداؔ جعفری ۱۹۲۴ء

(۲۶) توڑ کر توبہ یہ کفارہ ادا کرنا پڑا
توڑتے ہیں ارشدیؔ اب شیشہ وَ پیانہ ہم

ارشدیؔ بدایونی (اوائل بیسویں صدی)

(۲۷) شہرہ ترے وحشی کا ہے گھر گھر کئی دن سے
کوٹھوں پہ چنے جاتے ہیں پتھر کئی دن سے

آزادؔ بدایونی ۱۸۵۹ء وفات

(۲۸) اشک آنکھوں میں ہیں لب خاموش ہیں
ایک صورت یہ بھی ہے فریاد کی

آزادؔ بدایونی (شمس الحسن) ۱۹۳۵ء وفات

(۲۹) یہ خطا ہی مجھے مصلوب کرے گی اسعدؔ
شہر خاموش میں آواز کا فن رکھتا ہوں

(۳۰) میں ہوں مجبور اپنے دل سے مجھ کو
پرایا غم بھی اپنا غم لگے ہے
اسعدؔ بدایونی ۱۹۵۶ء

(۳۱) کچھ خبر بھی ہے کہ سورج نے سر بام آ کر
سونے والے تجھے ہنگام سحر دیکھا ہے
اشرفؔ بدایونی (۱۹۱۵ء)

(۳۲) مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے
مگر میں کہہ نہیں سکتا زباں سے

---

(۳۳) اگر اظہار ہے شرط محبت
مجھے تم سے محبت ہی نہیں ہے
افضالؔ شروانی ۱۹۲۶ء

(۳۴) چارہ گر بالیں سے اٹھ جا آ چکا آنکھوں میں دم
اب فقط نظارۂ رخسار جاناں چاہئے

---

(۳۵) زندہ وہ کیا جو ترے ہجر کا بیمار نہ ہو
میں تو مر جاؤں اگر لذت آزار نہ ہو
اشکؔ بدایونی (حکیم پالکی)

(۳۶) ہوائے وصل، آب اشک، نار ہجر، خاک غم
خمیر ان چار عناصر سے مرکب ہے مرے تن کا
اشکؔ بدایونی (اواخر انیسویں صدی)

(۳۷) دیکھو مایوس ہونا پڑے گا تمہیں
دوستوں کو اگر آزمانا پڑا

اصغر بدایونی ۱۹۵۸ء

(۳۸) چلا ہوں ہاتھ دھو کر دین و دنیا کے بکھیڑوں سے
طواف کوئے جاناں کس طرح سے بے وضو کرتا

---

(۳۹) پی کر تو نہیں آئے ہو کچھ خیر ہے واعظ؟
ہجو مئے ناب اظہر میخوار کے آگے

اظہر بدایونی (اواخر انیسویں صدی)

(۴۰) ہم اس خطا پہ ترستے ہیں گلستاں کے لئے
کہ چار تنکے اٹھائے تھے آشیاں کے لئے

اظہار بدایونی

(۴۱) کسی دشمن نے یہ عزت مجھے اب تک نہیں بخشی
ہمیشہ دوست ہی کا ہاتھ پہنچا ہے گریباں تک

افتخار بدایونی ۱۹۰۹ء

(۴۲) اے ماہ رو جھلکتے ہیں عارض نقاب میں
کہتا ہے حسن میں نہ رہوں گا حجاب میں

افسر بدایونی (اواخر بیسویں صدی)

(۴۳) اٹھاتا ہے بار بار گریباں کی سمت ہاتھ
شاید کہ قرب آمد فصل بہار ہے

(۴۴) بہت مشکل سہی یہ مرحلہ راہ محبت کا
جو تم بھی ہمسفر ہوتے تو کچھ مشکل نہیں ہوتا

الیاسؔ بدایونی ۱۹۳۴ء

(۴۵) دوست ہو کے اسے وعدے کا نہیں پاس امیرؔ
موت دشمن ہے مگر وعدہ فراموش نہیں

(۴۶) دل بیمار میں ضو باقی ہے
شمع کشتہ ہوئی لو باقی ہے

امیرؔ بدایونی ۱۸۶۴ء

(۴۷) یہ کون مد مقابل ہوا خدا جانے
ترس گئے مری صورت کو آئینہ خانے

(۴۸) مزاج یار کو سمجھے نہیں ہیں
مزاج یار پر سوچا بہت ہے

(۴۹) صورت تو ہے نہیں جو اسے ڈھونڈ لائیں ہم
ایسا نہ ہو کہ اپنی طرف لوٹ آئیں ہم

(۵۰) اس کو محسوس ہی کرتے رہنا
دیکھنا چاہا تو دھوکا ہوگا

(۵۱) آگ بھی برسے ابر بھی چھائے
موسم کیا جو تنہا آئے

انجم فوقی بدایونی ۱۹۱۱ء

(۵۲) راہ کی دشواریوں سے کیوں ہوا اے انجمؔ اداس
راستہ بنتا ہے جب پتھر بچھا دیتے ہیں لوگ

انجمؔ شروانی ۱۹۵۰ء

(۵۳) بدل کے بھیس فقیروں کا آپ کے در پر
اجالے مانگنے آتی ہے شام کہتے ہیں

---

(۵۴) حشر اپنا تو بعنوان وفا معلوم تھا
چین سے تم بھی نہ بیٹھو گے یہ کیا معلوم تھا

انیس عالم انیسؔ ۱۹۴۵ء

(۵۵) صرف اک آپ کے نام سے
معتبر ہوگئی داستاں

انورؔ بدایونی ۱۹۴۰ء

(۵۶) کبھی نہ یادشۂ دیں سے دل رہا غافل
جدا بھی رہ کے میں ان سے کبھی جدا نہ ہوا

انوارؔ بدایونی

(۵۷) اگر اپنی نگاہوں میں ہو وسعت
زمانے میں برا کوئی نہیں ہے

انیس احمد انیسؔ بدایونی ۱۹۲۴ء

(۵۸) میری وحشت دیکھ کر وحشت کو وحشت ہوگئی
ہوگیا سودا کو سودا میرا سودا دیکھ کر

برقؔ بدایونی

(۵۹) وہ چھاؤں مسافر کو جو رستے میں سلادے
اس چھاؤں سے اے ہمسفرو! دھوپ بھلی ہے

بزمیؔ بدایونی

(۶۰) تھی مری دیرینہ ساتھی میری راہ جستجو
میں پلٹ آیا جہاں منزل نظر آنے لگی

بدرالدین بدرؔ بدایونی ۱۹۰۸ء

(۶۱) دم نظارہ آتا ہے مزا آنکھیں لڑانے میں
لڑائی کی لڑائی ہے تماشے کا تماشہ ہے

بدرالحسین بدرؔ (اواخر انیسویں صدی)

(۶۲) تصویر میں اترا نہ فروغ رخ روشن
سانچے میں کبھی دھوپ کو ڈھلتے نہیں دیکھا

حسن افضل بدرؔ ۱۸۸۶ء

(۶۳) حیا نے اس لئے شاید زبان کھلنے نہ دی
کہ چشم شوق کو انداز گفتگو آئے

علامہ سجاد بسملؔ بدایونی ۱۸۸۷ء

(۶۴) میں نے اپنا جامۂ ہستی حوالے کر دیا
شرم آئی دیکھ کر خنجر کی عریانی مجھے

افضال احمد بسملؔ بدایونی ۱۸۴۸ء

(۶۰) نگاہوں میں ہے جب تک عالم اسباب کا منظر
نظر آ ہی نہیں سکتی تجلی حسن پنہاں کی

مدن موہن لال بسملؔ (اواخر انیسویں صدی)

(۶۶) اب ان کا سنگ در میری جبیں ہے
وہاں ہوں میں جہاں کوئی نہیں ہے

بہارؔ بدایونی ۱۹۳۴ء

(۶۷) میں اس آئینہ رو کے وصف کی تکرار ایسی کی
که طوطی ره گئی حیرت میں کچھ گفتار ایسی کی

بے جاںؔ بدایونی (ہم عصر میرؔ و سوداؔ)

(۶۹) جان و دل سے میں ابھی حاضر ہوں آنے کے لئے
بھیج دو تم عمر رفتہ کو بلانے کے لئے

بے چینؔ بدایونی ۱۸۹۷ء

(۷۰) بیٹھتا ہے ہمیشہ رندوں میں
کہیں زاہد ولی نہ ہو جائے

---

(۷۱) وصال یار تمہید فراق ہر دو عالم ہے
جو ان کا ہو گیا وہ پھر کسی کا ہو نہیں سکتا

---

(۷۲) ادا دیکھو کے پردے میں نگاہیں ہم سے لڑتی ہیں
حیا دیکھو بھری محفل میں پردہ ہم سے ہوتا ہے

بیخودؔ بدایونی ۱۸۵۷ء

(۷۳) بیدارؔ راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس کوہ میں فرہاد رہ گیا

---

(۷۴) ہم جو تجھ بزم سے اے نور بصر جاتے ہیں
شمع ساں داغ بدل شعلہ بہ سر جاتے ہیں

---

(۷۵) جانیں مشتاقوں کے لب پر آئیاں
بل بے ظالم تیری بے پروایاں

(۷۶) ہم پہ سو ظلم وستم کیجئے گا
ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا

بیدار بدایونی ۱۷۳۲ء

(۷۷) حمد خدا میں بے ڈھب زور قلم دکھانا
ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

(۷۸) اک آہ آتش میں ڈبل کام ہو گیا
ان کو بخار غیر کو سر سام ہو گیا

(۷۹) داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے
گیس کا ہنڈا تھا بے ڈھب یہ تمہارا دل نہ تھا

بیڈھب بدایونی ۱۸۹۶ء

(۸۰) گزرے مرے قریب سے وہ بار ہا پیام
نظروں میں التفات گریزاں لیئے ہوئے

(۸۱) تلاش قاتل انسانیت میں نکلے تھے
نشاں لہو کے ملے آدمی کے دامن پر

پیام بدایونی ۱۹۳۰ء

(۸۲) کس سے فریاد کروں میں کہ وہ ہرجائی ہے
آہ اس بات میں مری بھی تو رسوائی ہے

(۸۳) آشنا ہو چکا ہوں میں سب کا
جس کو دیکھا وہ اپنے مطلب کا

عبدالحی تاباںؔ بدایونی (ولادت سترہویں صدی)

(۸۴) ہے تجلی ریز داغ سوز پنہاں دیکھئے
آفتاب مطلع چاک گریباں دیکھئے

---

(۸۵) پھر جنوں کو دیجیئے پیغام تجدید عمل
مسکرا کر پھر مرا چاک گریباں دیکھئے

لیاقت علی تاباںؔ (اواخر انیسویں صدی)

(۸۶) جس بزم میں نہ حسن کا تیرے ظہور ہو
ممکن نہیں کہ شمع کہ چہرے پہ نور ہو

تحسینؔ بدایونی

(۸۷) بوسہ از یار تمنا کردم
طلب قطرہ ز دریا کردم

---

(۸۸) دیر و حرم میں بیٹھنے دیتا نہیں کوئی
اٹھ کر تمہارے در سے کہیں کا نہیں رہا

تسلیمؔ بدایونی ۱۸۹۲ء

(۸۹) حریص غم ہوں محبت نباہ لیتا ہوں
ملے نہ دوست تو دشمن کو چاہ لیتا ہوں

---

(۹۰) وہ عکس جلوہ تھا جس کو کلیم نے دیکھا
نہ وہ حجاب میں ٹھہرے نہ روبرو آئے

(۹۱) نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں کچھ ایسی بے نیازی ہے
کہ جیسے مجھ کو پیدا کر دیا تھا میرے کہنے سے

تولا بدایونی ۱۸۷۶ء

(۹۲) نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

(۹۳) چراغ زیست گل ہوگا تو ارماں دل سے نکلے گا
بجھے گی شمع محفل جب دھواں محفل سے نکلے گا

(۹۴) طول موسیٰ نے دیا طور کے افسانے کو
ورنہ کیا شمع جلاتی نہیں پروانے کو

(۹۵) خود نمائی بھی قیامت ہے خود آرائی بھی
تم بھی حیرت میں ہوسکتہ میں تماشائی بھی

(۹۶) سنتا ہوں بام پر کوئی آتا ہے بے نقاب
وہ روز آج ہی نہ ہو فردا کہیں جسے

(۹۷) امید رحمت و شرم گناہ و خوف خدا
جو رند کرتے ہیں وہ پارسا نہیں کرتے

(۹۸) لگی ٹھوکر کسی دشمن کو میرے دل پہ چوٹ آئی
کسی کا پاؤں پھسلا میں زمیں پر سر کے بل آیا

---

(۹۹) قطرے قطرے کا لیا جائے گا محشر میں حساب
ساقیا دیکھ چھلک جائے نہ پیمانے سے

ثاقبؔ بدایونی ۱۸۵۸ء

(۱۰۰) زندگی دے کے روایات وفا کو اے جامؔ
ہم نے دنیا کو بتایا ہے محبت کیا ہے

---

(۱۰۱) دشمن بھی مل گیا ہے اگر راہ راست پر
ہم چل پڑے ہیں شوق طلب میں اسی کے ساتھ

---

(۱۰۲) بخششوں کی انتہا تک تو پہنچتی کیا نظر
ہاں کچھ اپنی تنگ دامانی کا عرفاں ہوگیا

---

(۱۰۳) اٹھتے ہوئے اے جام لرزتی ہیں نگاہیں
پاس ادب بار گہ ناز تو دیکھو

(۱۰۳الف) راہ حق میں سر کٹانے سے تو ڈر جاتے ہیں لوگ
زندگی آواز دیتی ہے تو مرجاتے ہیں لوگ

(۱۰۳ب) اہل خرد کو ہوش سے بیگانہ کہہ گیا
جو بات ہم نہ کہہ سکے، دیوانہ کہہ گیا

جامؔ نوائی بدایونی ۱۹۰۳ء

(۱۰۴) کفن پہناؤ تو خاک مدینہ رخ پہ مل دینا
یہی بس ایک صورت ہے خدا کو منہ دکھانے کی

---

(۱۰۵) ہر اک جگہ مری عمر رواں ہوئی برباد
وہی شمار میں ہے جو کٹی مدینے میں

---

(۱۰۶) جب انگشت نبی اپنی طرف اٹھتی ہوئی دیکھے
کلیجہ پھٹ نہ جائے کیوں خوشی سے ماہ تاباں کا

---

(۱۰۷) وائے تقدیر کہ دل ٹوٹ کے کچھ بھی نہ بنے
بتکدہ اجڑے تو اللہ کا گھر ہوجائے

---

(۱۰۸) اجڑا ہوا گھر آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا
کترا کے نکلتا ہوں نشیمن کی طرف سے

---

(۱۰۹) یقین آمد فصل بہار کر لینا
کہ جب قفس میں مری آنکھ سے لہو آئے

(۱۱۰) لنترانی بھی کہا اس ناز سے
لطف جلوہ آگیا آواز سے

جامی بدایونی (۱۸۷۹ء)

(۱۱۱) میری سرگشتگی دیکھے تو فلک چکرائے
کیا ستائے گی بھلا گردش ایام مجھے

جلیل بدایونی ۱۹۱۸ء وفات

(۱۱۲) عقل و خرد کے بس کا نہ تھا یہ معاملہ
جب بھی فرازِ دار پہ دیکھا جنوں ملا

---

(۱۱۳) کہنے کو اس نے ہم سے کوئی بات تو نہ کی
لیکن زبانِ حال پہ برسوں کا حال تھا

جمیلؔ بدایونی ۱۹۴۲ء

(۱۱۴) باپ نے فانیؔ سے پوچھا رکھ کے یوں کندھے پہ ہات
کچھ بتاؤ منہ سے بولو کیا ہوئی ہے واردات
دوست کی خفگی کے باعث تم نہ سوئے ساری رات
مجھ سے پوچھو میں بتاؤں یہ تو ہے ادنیٰ سی بات
میں نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبضِ کائنات
جب مزاجِ یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

جوہرؔ بدایونی ۱۹۳۰ء

(۱۱۵) لذتِ خمیازۂ غم کو خوشی کہنے لگے
تھک کے آخر زندگی کو زندگی کہنے لگے

جلیسیؔ بدایونی ۱۹۲۱ء

(۱۱۶) کیا پوچھتے ہیں؟ داغِ جگر میں کہاں کے ہیں
کچھ آپ کے دیئے ہوئے کچھ آسماں کے ہیں

---

(۱۱۷) کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

جمیل احمد جمیلؔ بدایونی ۱۸۸۴ء

(۱۱۸) الٰہی ہوگیا کیا آج یہ جذب محبت کو!
کہ شمعیں جل رہی ہیں اور پروانے نہیں آتے

---

(۱۱۹) ہر شہر سے ہم آئے ہیں ناکام آرزو
سائے بہت ملے تھے مگر آدمی کہاں

جمیلؔ صدیقی بدایونی ۱۹۴۸ء

(۱۲۰) معشوق پر بھی ہوتی ہے تاثیر چاہ کی
چٹکی کلی جو بلبل بے دل نے آہ کی

---

(۱۲۱) ترک الفت پہ بھی منہ تجھ سے نہ موڑا میں نے
آنا جانا ترے کوچہ کا نہ چھوڑا میں نے

جولاںؔ بدایونی ۱۸۷۰ء

(۱۲۲) روداد غم سناتی رہی زندگی مجھے
قصہ تھا ناتمام کہ نیند آگئی مجھے

---

(۱۲۳) آدمی کے نام سے اس دور میں
آدمیت کو بڑا دھوکا ہوا

---

(۱۲۴) شعر و نغمہ کیف و مستی رنگ و نکہت اک طرف
اور اس کافر ادا کی ایک انگڑائی کہ بس

رادھا موہن جوشؔ بدایونی ۱۹۰۸ء

(۱۲۵) پرستش کر رہا ہے ہر جوان و پیر پتھر کی
صنم خانے میں آ کر جاگ اٹھی تقدیر پتھر کی

---

(۱۲۶) تصور دل میں اشک آنکھوں میں، لب پر مہر خاموشی
بنا بیٹھا ہوں ان کی یاد میں تصویر پتھر کی

لکشمی نرائن، جوہرؔ بدایونی ۱۸۹۳ء

(۱۲۷) یہ کیا بتائیں کہ اپنے تھے یا پرائے تھے
کسی طرف سے تو پتھر ضرور آئے تھے

(۱۲۸) اچھا ہوا وفا کا تمہیں پاس بھی نہیں
مجھ کو ادائے لطف و کرم راس بھی نہیں

آفتاب احمد جوہر بدایونی (۱۹۰۰ء)

---

(۱۲۹) پتھر کے خریدار ہیں شیشے کی دکانیں
اب قسمت ارباب ہنر دیکھئے کیا ہو

چاندؔ بدایونی (۱۹۵۶ء)

(۱۳۰) بھنگیوں کی اسٹرائیک سے عجب گڑ بڑ ہوئی

پیٹ میں پانی ہوا ہیبت سے دست آنے لگے
دیدنی ہے خاکساری ممبران بورڈ کی
مہتروں کے گھر صفائی کے لئے جانے لگے

(جب بدایوں میں مہتروں نے ہڑتال کی تو ایک وفد انکے گھر گیا تھا)

(۱۳۱) ہے مناسب مشترک تعلیم کی نشوونما
لڑکیوں کی ہر طرح ہمت بڑھانی چاہیئے
محمل لیلیٰ کا ٹکڑا ہاتھ آجائے اگر
اسکی چادر قبر مجنوں پر چڑھانی چاہیئے

علی حاتم بدایوں (۱۸۷۰ء)

(۱۳۲) زائرو آؤ چلو شاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

حافظ بدایونی (انیسویں صدی)

(۱۳۳) غم کی بھی تلخیاں ہیں متاع خوشی کے ساتھ
کتنا حسین طنز ہے یہ زندگی کے ساتھ

---

(۱۳۴) دل تجلی گاہ عکس جلوۂ جاناں نہ تھا
یعنی یہ کعبہ حقیقت میں کبھی بت خانہ تھا

---

(۱۳۵) نظر بھی جرأت عرض تمنا کر تو سکتی ہے
مگر ایسا نہو ان پر کوئی الزام آجائے

(۱۳۶) محبت کو دیوانگی جانتے ہیں
محبت مگر پھر بھی کی جارہی ہے

حبیبؔ بدایونی (۱۹۲۱ء)

(۱۳۷) ارنی کس کی نظارے کا تقاضہ کیسا
مجھکو بن دیکھے ہی غش آتے ہیں جلوہ کیسا

حسرتؔ بدایونی (۱۸۵۸ء)

(۱۳۸) ہے شمع میں اور چہرہ دلبر میں بہت فرق
یہ نور کی تصویر ہے وہ نار کی تصویر

حسنؔ بدایونی (وفات ۱۸۶۶ء)

(۱۳۹) سنا تھا صحن گلستاں میں جی بہلتا ہے
ہم اہل درد وہاں سے بھی اشکبار آئے

حشرؔ بدایونی (۱۹۱۴ء)

(۱۴۰) کھینچ کر نقشے میں مانی بت بے پیر کے ہاتھ
چومتا تھا کبھی اپنے کبھی تصویر کے ہاتھ

حشرؔ بدایونی (۱۷۷۵ء)

(۱۴۱) دیکھنے کے یہ ہی معنی ہیں کہ آنکھیں چار ہوں
روزن دیوار سے کیا خاک پتھر دیکھنا

حمزہؔ بدایونی (اواخر انیسویں صدی ء)

(۱۴۲) آؤ تو فاتحہ نہ سہی سیر ہی سہی
کچھ کفر تو نہیں ہے زیارت حمیدؔ کی

حمیدؔ بدایونی (۱۸۶۷)

(۱۴۳) نظر اٹھائیں تو کیا حشر ہو خدا جانے
نظر جھکا کے قیامت اٹھائی جاتی ہے

---

(۱۴۴) رکھتے ہو خیال اور ہی دیتے ہو بیاں اور
کیا بات ہے واللہ کہ دل اور زباں اور

سید حسن حیرت بدایونی (۱۸۹۶ء)

(۱۴۵) نہ کراہا دل صد چاک تو حیرت کیا ہے
کہیں ٹوٹے ہوئے برتن بھی صدا دیتے ہیں

---

(۱۴۶) شنوائی اگر ہوتی کچھ حال سنا دیتے
گویائی اگر ہوتی کچھ حال کہا جاتا

---

(۱۴۷) قیامت اے دل ناشاد کردی
بہار زندگی برباد کردی
(یہ شعر اردو بھی ہے فارسی بھی)

سید عنایت احمد حیرت (۱۸۶۲ء)

(۱۴۸) منتوں سے مرے ساقی نے پلادی مجھ کو
میں یہ کہتا ہی رہا میں نے قسم کھائی ہے

---

(۱۴۹) صلیب و دار پہ روشن کرو سروں کے چراغ
دلوں کے داغ جلاؤ بڑا اندھیرا ہے

رابنس جون حیرت (۱۹۲۶ء)

(۱۵۰) ہمارے شہر کا دستور ہے عجب یارو
کسی نے جرم کیا کوئی سنگسار ہوا

---

(۱۵۱) میں سوچتا ہوں کہ کیوں اس سے دل لگایا تھا
جو میرا ہو کے بھی میرے لئے پرایا تھا

خالد بدایونی (۱۹۵۷ء)

(۱۵۲) تم نے جو بات کہی لائق تعریف بنی
میں نے جو لفظ کہا قابل تعزیر ہوا

خالد ندیم (۱۹۵۷ء)

(۱۵۲الف) بزم روشن ہے کس کے آنے سے
نور چھنتا ہے شامیانے سے

(۱۵۲ب) کہتے ہیں ''مثلنا'' جو مساوات کے لئے
یہ بھی گئے تھے سیر سماوات کے لئے

مولانا حافظ مجاہد الدین ذاکر بدایونی (۱۸۳۵ء)

(۱۵۳) میرے چرچے کہاں نہیں ہوتے
ان کی محفل میں ہاں نہیں ہوتے

راغب بدایونی (۱۸۸۷ء)

(۱۵۴) مانا کہ وہ ہمیشہ نظر سے نہاں رہے
لیکن مرے خیال سے پردا نہو سکا

رحمت بدایونی (اوائل بیسویں صدی)

(۱۵۵) تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر
ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے

رسوا بدایونی (۱۸۰۸ء)

(۱۵۶) پاؤں سے جاتے ہو کوئے یار میں
سر اٹھا رکھا ہے کس دن کے لئے

رشکی بدایونی (۱۸۳۲ء)

(۱۵۷) دیدہ و دانستہ جھوٹی بات کہ سکتے نہیں
دن کو دن کہنا پڑے گا. رات کہہ سکتے نہیں

رضی اللہ رضی (اوائل بیسویں صدی)

(۱۵۸) پرتو مہر جمال یار عالمگیر ہے
جتنے آیئنے ہیں سب میں ایک ہی تصویر ہے

---

(۱۵۹) کچھ تو ٹوٹا ہے صدا مست جو جھنکار کی ہے
شیشۂ مئے تھا کہ توبہ کسی میخوار کی

---

(۱۶۰) رضیؔ اس دور میں مہر ووفا کا تذکرہ کیسا
پرانے وقت کی باتیں ہیں یہ پہلے کی رسمیں ہیں

رضی احمد رضیؔ (۱۸۷۸ء)

(۱۶۱) ہے سفر شرط تو پھر شہر میں رکھا کیا ہے
میں مسافر ہوں مرا شہر سے رشتہ کیا ہے

---

(۱۶۲) روح تخیل نئے ناز و ادا مانگے ہے
جسم الفاظ کی رنگین قبا مانگے ہے

---

(۱۶۳) زندگی سے جسے کچھ بھی نہ ملا ہے یارو
وہ بھی دیکھا ہے کہ جینے کی دعا مانگے ہے

رفیعؔ بدیوانی (۱۹۲۹ء)

(۱۶۴) انہیں آہ رسا تڑپا رہی ہے
یہ تہمت تو مجھی پر آ رہی ہے

---

(۱۶۵) ایسے انداز سے میں نے دیکھا انھیں
لب بھی ساکت رہے بات بھی ہوگئی

رمزؔ بدایونی (اوائل بیسویں صدی)

(۱۶۶) دنیا ہو کہ دیں داغ ہے دامان طلب پر
میرے لئے اے دوست ترا نام. بہت ہے

روشنؔ بدایونی (۱۸۶۰ء)

(۱۶۷) اس زمانے کے شب و روز میں کچھ فرق نہیں
دن میں بھی آپ چراغوں کو جلائے رکھیئے

---

(۱۶۸) اپنا تو کام ہے پیغام محبت دینا
یہ نہیں دیکھتے آواز کہاں تک پہنچی

---

(۱۶۹) پینے والوں میں حوصلہ ہے شرط
اشک غمْ بھی شراب ہوتے ہیں

---

(۱۷۰) وہ کہہ رہے ہیں زمانہ ہے بے وفا رونق
مگر جو کہنے کا مطلب ہے ہم سمجھتے ہیں
رونق بدایونی (۱۹۲۳ء)

(۱۷۱) اللہ رے میرے آئینہ دل کو توڑ کر
خوش ہیں کہ میرا مد مقابل نہیں رہا

---

(۱۷۲) میں دیوانہ اگر ہوں مجھکو میرے حال پر چھوڑو
ذرا سوچو تو دیوانے کو سمجھانے سے کیا ہوگا
رہبر بدایونی (۱۹۳۷ء)

(۱۷۳) مسکرائے جاتے ہیں کچھ منہ سے فرمانے کے بعد
بجلیاں چمکا رہے ہیں پھول برسانے کے بعد

---

(۱۷۴) وقت مجھ پر دو کٹھن گذرے ہیں ساری عمر میں
اک ترے آنے سے پہلے اک ترے جانے کے بعد

ریاض بدایونی (۱۸۶۲ء)

(۱۷۵) ایک تو اٹھتی جوانی کا خمار
اس پہ یہ توبہ شکن انگڑائیاں

---

(۱۷۶) نظریں کہیں، خیال کہیں اور دل کہیں
یہ بندگی ہے باعث شرمندگی مجھے

رئیس بدایونی (۱۹۱۹ء)

(۱۷۷) خیال شاہ دیں تشریف لایا قلب مضطر میں
ہے مہمانی رسول اللہ کی اللہ کے گھر میں

---

(۱۷۸) حیات و موت میں چوٹیں چلیں برابر کی
ادھر سے آئے قضا اور ادھر سے تو آئے

---

(۱۷۹) یہ خطا کرتا نہیں اس سے خطا ہوتی نہیں
ہم تو معصوموں میں گنتے ہیں تمھارے تیر کو

---

(۱۸۰) آہ کرنا دل حزیں نہ کہیں
آگ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

---

(۱۸۱) ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دور تک یادِ وطن آئی تھی پہنچانے کو
زلالی بدایونی (۱۸۵۷ء)

(۱۸۲) راہ کو ہم نے استوار کیا
تم نے منزل کو اختیار کیا

(۱۸۲الف) اس نے آنکھوں کی زندگی چھینی
عمر بھر جس کا انتظار کیا

---

(۱۸۳) لو ڈوبتوں نے دیکھ لیا ناخدا کو آج
تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات ہوگئی

---

(۱۸۴) تم نے بات کہہ ڈالی کوئی بھی نہ پہنچانا
ہم نے بات سوچی تھی بن گئے ہیں افسانے

---

(۱۸۵) کوئی دھڑکن ہے نہ آنسو نہ امنگ
وقت کے ساتھ یہ طوفان گئے

---

(۱۸۶) وحشت میں بھی منت کشِ صحرا نہیں ہوتے
کچھ لوگ بکھر کے بھی تماشہ نہیں ہوتے

---

(۱۸۷) حکایتِ غمِ دنیا طویل تھی کہہ دی
حکایتِ غمِ دل مختصر ہے کیا کہیے

(۱۸۸) دلوں کے زخم چھپاؤ ہنسی کو عام کرو
یہ حکم ہے کہ بہاروں کا احترام کو
زہرہ نگاہ (بیسویں صدی)

(۱۸۹) جانتاہوں گناہ ہے الفت
جان کر یہ گناہ کرتا ہوں

---

(۱۹۰) وہی فسانہ سنا ان کا ذکر تھا جس میں
وہی کتاب پڑھی جس میں ان کا نام آیا
ذکی بدایونی (۱۹۲۴ء)

(۱۹۱) بام پر وہ مہر انور بے نقاب آنے کو ہے
اب سوا نیزے کے اوپر آفتاب آنے کو ہے
سحر بدایونی (۱۸۸۸ء)

(۱۹۲) ان کے آگے داستان آرزو
خود نگاہوں سے بیاں ہونے لگی

---

(۱۹۳) طلب کیا کروں عام ہے وہ تجلی
مگر ہاں مجال نظر چاہتا ہوں
سبطین بدایونی (وفات ۱۹۷۱ء)

(۱۹۴) محبت کی نظر ڈالی جہاں پر
تمہیں پیش نظر پایا وہاں پر
سحر بدایونی (۱۹۸۰ء)

(۱۹۵) سروؔر سنتے ہیں خوبان شہر کو شاید
ہماری وضع جنوں ناگوار گذری ہے

---

(۱۹۶) کتنے خوابوں کا امیں کتنے۔ خیالوں کا نقیب
یوں تو انسان اکیلا نظر آتا ہے مجھے

---

(۱۹۷) ساقی ادا شناس سہی پھر بھی اے سروؔر
پینے کا شوق ہے تو تقاضہ بھی چاہیئے

آل احمد سرور (۱۹۱۱ء)

(۱۹۸) تمنا قرب کی مجبوبؐ رب سے
ہم آگے بڑھ گئے حد ادب سے

---

(۱۹۹) پھول برہم ہیں کہ کیوں چھیڑ دیا
تذکرہ رنگ قبا کا ہم نے

---

(۲۰۰) زباں کھولی تو ٹھہرے لائق دار
مسائل اور الجھے گفتگو سے

سعیؔد بدایونی (۱۹۲۳ء)

(۲۰۱) جسے نہ کہنے کا مجھ کو ملال ہے پیارے
وہ بات آج بھی کہنا محال ہے پیارے

---

(۲۰۲) شہر میں روز کئی حادثے ہوجاتے ہیں
تم کسی روز سرِراہ نہ مل جاؤ مجھے

---

(۲۰۳) کوئی وعدہ ہی نہیں تھا ان سے
یہ مجھے آخرِ شب یاد آیا

سوزؔ بدایونی (اوائل بیسویں صدی)

(۲۰۴) کام پتھر سے لیا آپؐ نے گویائی کا
خاتمہ کردیا اعجاز مسیحائی کا

---

(۲۰۵) زمیں پہ سجدہ گہہٗ آسماں کو ڈھونڈ لیا
مری نظر نے ترے آستاں کو ڈھونڈ لیا

---

(۲۰۶) سجدے کرتا ہوں رہگزر میں تری
تیرے در تک گذر نہیں ہوتا

اکرام احمد شادؔ (۱۸۸۴ء)

(۲۰۷) ہم جتنے تیز گام ہوئے فاصلے بڑھے
عجلت تو اور باعثِ تاخیر ہوگئی

---

(۲۰۸) حسن اور عشق دونوں پشیماں ہوئے
خود نگاہیں ملیں، خود حجاب آگیا

محمد صالح شادؔ (۱۹۲۷ء)

(۲۰۹) اپنی ذات کے پتھر توڑنے میں ہوں مصروف
جوئے شیر کب لائے دیکھیں کوہ کن اپنا

(۲۱۰) شاخ گل سے نرم و نازک لفظوں کو شمشیر کیا
ہم نے اپنا مقتل اپنے ہاتھوں سے تعمیر کیا

اطہر حسن شاد (۱۹۳۴ء)

(۲۱۱) ان سے اور التفات کی امید
ایک مفلس کا خواب ہو جیسے

(۲۱۲) یوں حقارت کی نگاہیں نہ کھنڈر پر ڈالو
کتنی راتوں نے یہاں خواب سجائے ہونگے

برج بہادر شاہد (اوائل بیسویں صدی)

(۲۱۳) اس شعلہ رو کے منہ سے لگا کر دیا ہے جام
ساقی نے اور آگ لگادی شراب میں

شائق بدایونی (۱۸۳۹ء)

(۲۱۴) جانے کیوں تھم سا گیا ہے یارو
ایک لمحہ جو گذر سکتا تھا

(۲۱۵) ریت کی دیواریں نہ اٹھاؤ
اگلا موسم ہے برسات

شمس بدایونی (۱۹۲۶ء)

(۲۱۶) تمھیں کہدیا ستمگر یہ قصور تھا زباں کا
مجھے تم معاف کردو مرا دل برا نہیں ہے

---

(۲۱۷) مطلع ہستی کی تابش کاش ہم بھی دیکھتے
جب ہمیں نیند آگئی پھر ماہتاب آیا تو کیا

(۲۱۷الف) بیت گیا ہنگام قیامت زور قیامت آج بھی ہے
ترک تعلق کام نہ آیا ان سے محبت آج بھی ہے

شکیل بدایونی (۱۹۱۶ء)

(۲۱۸) اداس دیکھا جو ان کے حسین چہرے کو
ادھوری چھوڑ دی گھبرا کے داستاں میں نے

رشید بدایونی

(۲۱۹) جو تیری قربتوں سے جا ملے ہیں
مری تنہائیوں کے سلسلے ہیں

---

(۲۲۰) مصلحت کا یہ تقاضہ ہے کوئی ذکر نہو
اور زبان ہے کہ ترا نام لئے جاتی ہے

شہید بدایونی (۱۹۱۴ء)

(۲۲۱) ہر ہموطن کو بڑھ کے گلے سے لگالیا
قدروطن ہوئی مجھے ترک وطن کے بعد

صابر بدایونی (۱۹۳۷ء)

(۲۲۲) حقارت سے کیوں دیکھتیں ہم کو صدیاں
اگر ہم نے لمحات کھوئے نہ ہوتے
صادق عزیز (۱۸۹۳ء)

(۲۲۳) کسی نظر کو ترے دیکھنے کی تاب نہیں
یہ حسن وہ ہے جسے حاجت نقاب نہیں
صبا بدایونی (۱۸۳۷ء)

(۲۲۴) انکی آنکھیں پھول کنول کے
انکے عارض شعر غزل کے
صہبا بدایونی (۱۹۴۳ء)

(۲۲۵) کچھ بھی ہو مگر کوچہ جاناں میں رہیں گے
ہم قیس نہیں ہیں جو بیاباں میں رہیں گے
ضابط (۱۸۴۲ء)

(۲۲۶) دیوانہ جان جان کے دنیا ہنسی مجھے
دنیا کی اسی ہنسی پہ ہنسی آگئی مجھے
ضمیر بدایونی (۱۹۲۶ء)

(۲۲۷) غمزہ بے پناہ نے مارا
تیر بن کر نگاہ نے مارا

(۲۲۸) ہو ہی جاتے ستم کے خوگر ہم
کرم گاہ گاہ نے مارا
پروفیسر ضیا احمد ضیا بدایونی (۱۸۸۶ء)

(۲۲۹) ہماری ان کی محبت میں کچھ کلام نہیں
یہ اور بات ہے باہم دعا سلام نہیں

---

(۲۳۰) یہ رسم و رہ الفت وہ جانیں کہ ہم سمجھیں
منہ پھیر کے وہ نکلے یہ پرسش پنہاں تھی

ضیا عباس ضیا بدایونی (۱۸۸۶ء)

(۲۳۱) تمہارے پاؤں سے کانٹے نکال دوں آؤ
مگر یہ راہ میں کس کے لئے بچھائے تھے

طارق سبزواری (۱۹۵۲ء)

(۲۳۲) مجھ سے سبب لغزش پا پوچھ رہے ہیں
احباب ترے گھر کا پتہ پوچھ رہے ہیں

فیروز ظفر (۱۹۵۰ء)

(۲۳۳) میرے گھر میں دھوپ خوشی کی آئے بھلا تو کیسے آئے
میرے گھر کا آنگن چھوٹا ' دریچے ' دیوار بلند

ظہیر بدایونی (۱۹۲۹ء)

(۲۳۴) اپنے سر پر آپ کیوں فرہاد تیشہ مارتا
دست شیریں کا اشارہ پردۂ آہن میں تھا

ظہیری بدایونی (۱۸۶۰ء)

(۲۳۵) مری حیات کی روداد نامکمل ہے
تم اپنا نام بڑھا دو مرے فسانے میں

---

(۲۳۶) جن کی تعبیر کچھ نہیں ہوتی
وہ غریبوں کے خواب ہوتے ہیں

عاجز بدایونی (۱۹۲۸ء)

(۲۳۷) بجز حب محمدؐ کامل ایماں ہو نہیں سکتا
خدا کو ماننے والا مسلماں ہو نہیں سکتا

عاصم بدایونی (۱۸۹۳ء)

(۲۳۸) خیال تھا کہ وہ پگھلے گا برف کی مانند
عجیب شخص تھا پتھر کی طرح ٹوٹ گیا

عاطف بدایونی (۱۹۳۹)

(۲۳۹) دیکھا ہے کہیں مجھ سا کوئی محو تجلی
جب دیکھتا ہوں آئینہ آتے ہیں نظر آپ

---

(۲۴۰) جامعۂ گل ہے کس قدر رنگیں
تیری اتری ہوئی قبا تو نہیں

عالی بدایونی (۱۸۸۰ء)

(۲۴۱) بہت ہے آینہ جن قیمتوں پہ بک جائے
یہ پتھروں کا زمانہ ہے شیشہ گر میرے

(۲۴۲) مروتوں پہ وفا کا گماں بھی رکھتا تھا
وہ آدمی تھا غلط فہمیاں بھی رکھتا تھا

---

(۲۴۳) جسم کی رعنائیوں تک خواہشوں کی بھیڑ ہے
یہ تماشہ ختم ہوجائے تو گھر جائنگے لوگ

عرفانؔ صدیقی بدایونی (۱۹۳۸ء)

(۲۴۴) احباب کی محفل میں محتاج تعارف ہوں
کس موڑ پہ لے آئی تقدیر شناسائی

عروجؔ بدایونی (۱۹۱۲ء)

(۲۴۵) حسن ان کا ہے ادا ان کی نزاکت ان کی
وہ جو منہ پھیر لیں آینہ میں کیا رکھا ہے

---

(۲۴۶) مدتیں ہوگئیں پڑھ کر نہیں دیکھا ابتک
میں نے خط یار کا سینے سے لگا رکھا ہے

---

(۲۴۷) یقیں وعدے پہ ان کے کرلیا سیدھا مسلماں ہوں
میں کیا جانوں کہ ان باتوں میں پیچ وخم بھی ہوتے ہیں

---

(۲۴۸) اب ہمیں پینے پلانے سے تو کچھ کام نہیں
جھومتے رہتے ہیں بیٹھے ہوئے میخانے میں

---

(۲۴۹) جنوں میں ہم نے برسوں خاک چھانی ہے بیاباں کی
پڑی ہوں گی ابھی تک دھجیاں جیب وگریباں کی

عیش بدایونی (۱۸۷۰ء)

(۲۵۰) میں نے تو وضع جنوں سوچ کے اپنائی ہے
لوگ کہتے ہیں یہ دیوانہ ہے سودائی ہے

---

(۲۵۱) زندگی کیا قضا کے رستے میں
اک دیا ہے ہوا کے رستے میں

---

(۲۵۲) مبتلائے غم تو اک عالم نظر آیا مجھے
دوسروں کا غم بھی اپنا غم نظر آیا مجھے

پروفیسر فائق بدایونی (۱۹۳۵ء)

(۲۵۳) فانی طلسم رازحقیقت یہ ہے کہ ہے
تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

---

(۲۵۴) میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دکھا ہوا

---

(۲۵۵) تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

---

(۲۵۶) وہ بد گماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا

---

(۲۵۷) یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانیؔ
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

---

(۲۵۸) ٹوٹا طلسم ہستی فانی کے راز کا
احسان مند ہوں الم جاں گداز کا

---

(۲۵۹) تجھے خبر ہے ترے تیر بے پناہ کی خیر
بہت دنوں سے دل ناتواں نہیں ملتا

---

(۲۶۰) محشر میں جبر دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لئے ہوئے

---

(۲۶۱) گل خزاں کے راز کا محرم نظر آیا مجھے
ہر تبسم پردہ دار غم نظر آیا مجھے

---

(۲۶۲) بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

---

(۲۶۳) ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا

---

(۲۶۴) لطف، بیداد، حیا، غصہ تغافل، شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلوّن نے ادا کے بدلے

---

(۲۶۵) اک برق سرِطور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

---

(۲۶۶) وہاں سجدے سے اب تک قدسیوں کے سر نہیں اٹھے
پڑا تھا جس جگہ راہِ محبت میں قدم میرا

---

(۲۶۷) نہ جانے اس سفر کی آخری منزل کہاں ہوگی
فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا

---

(۲۶۸) وعدے کی رات گردشِ افلاک رک گئی
جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

---

(۲۶۹) مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلہ قیدِ حیات
صرف اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

---

(۲۷۰) اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

---

(۲۷۱) دو گھڑی کے لئے میزان عدالت ٹھہرے
حشر میں کچھ مجھے کہنا ہے خدا سے پہلے

---

(۲۷۲) اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے
میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے

---

(۲۷۳) میں نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہے نبض کائنات
جب مزاج یار کچھ برہم نظر آیا مجھے

---

(۲۷۴) لبریز تموج تھا اک اک خط پیمانہ
محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

---

(۲۷۵) سنکے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی
آج تیرا نام لیکر کوئی غافل ہوگیا

---

(۲۷۶) بہلا نہ دل نہ تیرگئی شام غم گئی
یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

---

(۲۷۷) شاید میں درخورے نگہہ گرم بھی نہیں
بجلی چمک رہی ہے مرے آشیاں سے دور

فانیؔ بدایونی (۱۸۷۹ء)

(۲۷۸) دل وہ کیا جس میں خیال رخ دلدار نہ ہو
عرش بے کار ہے گر جلوہ گہہ یار نہ ہو

مصطفیٰ بخش فائق بدایونی (۱۹۰۵ء)

(۲۷۹) آہ یہ لوگ کہ مرنے کے لئے جیتے ہیں
کاش جینے کے لئے بھی انھیں مرنا آتا

---

(۲۸۰) متاع دردمندی اب تو افسانوں میں ملتی ہے
اگر دنیا میں ملتی ہے تو دیوانوں میں ملتی ہے

فرید بخش فرید (۱۹۲۷ء)

(۱۸۱) نہ محبت، نہ مروت، نہ صداقت نہ وفا
شکلیں بس دور سے دیکھا کرو انسانوں کی

---

(۲۸۲) کوئی مجھ سا بھی زمانے بھر میں سودائی نہو
عشق کر کے چاہتا یہ ہوں کہ رسوائی نہو

فکر بدایونی (۱۸۸۲ء)

(۲۸۳) بڑی گنجائشیں ہیں خار و خس میں
سلیقہ چاہیئے اہل قفس میں

---

(۲۸۴) ویرانۂ دل میں یاد ماضی
صحرا میں چراغ جل رہا ہے

(مزاح سے پہلے) دلاور فگار بدایونی (۱۹۲۹ء)

(۲۸۵) کتنا دلچسپ مرے عشق کا افسانہ ہے
یہ وہ مضموں ہے جو مفہوم سے بیگانہ ہے

فنا بدایونی (۱۹۱۴ء)

(۲۸۶) جہاں رونق افروز وہ مہ جبیں ہے
کئی روز سے چاندنی بھی وہیں ہے

---

(۲۸۷) غم زدوں کو نہال کون کرے
حسن سے یہ سوال کون کرے

فوق بدایونی (۱۹۰۴ء)

(۲۸۸) ہونا بھی چاہئے تھا ہمیں کو قفس نصیب
مانگی بھی تھیں ہمیں نے دعائیں بہار کی

---

(۲۸۹) یہ حسن دلفریب، یہ شوخی، یہ بانکپن
ہم خود الجھ گئے تری زلفیں سنوار کے

فہیم بدایونی (۱۹۳۸ء)

(۲۹۰) یہ کیا جنون وخرد میں ہوئے تھے راز و نیاز
کبھی ہنسے کبھی روئے تمھارے دیوانے

قدیر بدایونی (۱۹۳۳ء)

(۲۹۱) یوسف وشوں کے حسن سے ہر کوچہ مصر ہے
آباد ہیں بداؤں میں کنعاں نئے نئے

قربان بدایونی (وفات ۱۸۹۰ء)

(۲۹۲) وقت کی دھوپ کا احساس نہ ہوتا ہم کو
کاش راہوں میں تری یاد کے سائے ہوتے

---

(۲۹۳) لاکھ کیجئے مگر نہیں ہوتی
احتیاط نظر نہیں ہوتی

قرار بدایونی (۱۹۵۴ء)

(۲۹۴) تلاش میں ہیں گریزاں وجود کے ذرات
کہاں سے آئے کہاں جائینگے خدا معلوم

قمرالدین احمد قمر (۱۸۹۱ء)

(۲۹۵) دل بھر گیا ہے قصہ ہجر و فراق سے
کچھ ذکر ابتدائے ملاقات چھیڑیئے

قمرالدین انصاری قمر بدایونی (۱۹۲۵ء)

(۲۹۶) نامہ بر تو ہی بتا تو نے تو دیکھے ہونگے
کیسے ہوتے ہیں وہ خط جنکے جواب آتے ہیں

---

(۲۹۷) غیر نے تمکو جاں کہا سمجھے بھی تم کہ کیا کہا
یعنی کہ بے وفا کہا جان کا اعتبار کیا

---

(۲۹۸) یہ تو ممکن ہے کہ دل میں کہوں منہ پر نہ کہوں
یہ نہ ہوگا کہ ستمگر کو ستمگر نہ کہوں

(۲۹۹) داغ دل رکھتے ہیں اور داغ جگر رکھتے ہیں
اس رعایت سے تخلص بھی قمر رکھتے ہیں

---

(۳۰۰) وہی تیوری چڑھا لینا وہی غصہ میں بھر جانا
یہ تم نے عرصہ محشر کو بھی کیا اپنا گھر جانا

قمر الحسن قمر بدایونی (۱۸۷۶ء)

(۳۰۱) جناب شیخ کو ایسا ہے پاس حرمت مئے
کہ میکدے میں بھی آئے تو باوضو آئے

کشتہ بدایونی (اواخر انیسویں صدی)

(۳۰۲) وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا ترے سنگ
اور مرے گھر میں چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ

کشنیز بدایونی (فرضی نام ہے صاحب دیوان ہیں)

(۳۰۳) اب بھی چونک اٹھتا ہوں ہلکی سی تجلی پہ کلیم
خود فراموش سہی جلوہ فراموش نہیں

کلیم بدایونی (اواخر انیسویں صدی)

(۳۰۴) رخ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

---

(۳۰۵) در مصطفےٰ پہ جو سر رکھا تو یہ ہاتف غیب نے دی صدا
تیرے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں

---

(۳۰۶) ہم سے تکلیف کسی کی نہیں دیکھی جاتی
غیر کا دل بھی جو ٹوٹا تو ہمارا ٹوٹا

---

(۳۰۷) کسکو پڑی تھی سونے کی جی میں تھی جی کھونے کی
رات تو ہم یہ سمجھے تھے صبح نہیں اب ہونے کی

---

(۳۰۸) ناخن ترش رہے ہیں کسی مہ جمال کے
دھو کے ہیں آسماں کو زمین پر ہلال کے

---

(۳۰۹) پوشاک سے چھٹے تو اب آئینہ چاہئے
یہ اور راہ وصل میں اک سنگ آگیا

---

(۳۱۰) اللہ رے شوق عرض تمنائے دل کہ قیس
ہمراہ نامہ بر کئی فرسنگ آگیا

---

(۳۱۱) جو لب پہ آگئی وہ شریعت کی بات تھی
جو دل میں رہ گیا وہ حقیقت کا راز تھا

---

(۳۱۲) برہم تھے غیر سے مجھے آکر لپٹ گئے
اسکی بلا ٹلی مری حسرت نکل گئی

مفتی لطف بدایونی (۱۸۷۵ء)

(۳۱۳) جس کو ضبط غم الفت کا قرینہ آیا
سچ تو یہ ہے کہ اسی شخص کو جینا آیا

(۳۱۴) جب کبھی ان کی یاد آئی ہے
میری تقدیر مسکرائی ہے

متین بدایونی (۱۹۲۸ء)

(۳۱۵) سوال یہ تھا کہ تسکین دل کہاں ڈھونڈوں
جواب یہ ہے کہ دیوانگی کے دامن میں

جی ولنگٹن محبوب بدایونی (۱۹۱۹ء)

(۳۱۶) آتا ہے کس انداز سے شمشیر کو کھینچے
اسوقت مصور تری تصویر کو کھینچے

---

(۳۱۷) یہ وہ مئے ہے کہ جس کو دیکھ کر ہوش ملک جاوے
کہیں ایسا نہو ساقی کہ پیمانہ چھلک جاوے

---

(۳۱۸) نہ ترا نامہ برآیا نہ نوشتہ پہنچا
مجھکو پیغام اجل لے کے فرشتہ پہنچا

---

(۳۱۹) دیکھ کر گرمئی بازار کو تیری محشر
آتش رشک میں ارباب ہنر جلتے ہیں

اکرام اللہ محشر بدایونی (۱۷۳۲ء)

آپکی تصانیف (۱۸۵۷) کے غدر میں تلف ہوگئیں)

(۳۲۰) پژمردگی گل پہ ہنسی جب کوئی کلی
آواز دی خزاں نے کہ تو بھی نظر میں ہے

(۳۲۱) بھنورا اپنی موج میں گونجا
کیا رکھا تھا پھول کے رس میں

---

(۳۲۲) بیٹھے ہیں یوں اداس کہ سایہ نہیں نصیب
چپ ہیں کہ بام و در کو خفا کر کے آئے ہیں

---

(۳۲۳) اب ہوائیں خود کرینگی روشنی کا فیصلہ
جس دیئے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا

---

(۳۲۴) خروش محفل ہمسایہ میں کمی بھی نہ ہو
جو یہ تھمے تو نصیب اتنی روشنی بھی نہ ہو

---

(۳۲۵) نہ جاؤ گھر کے شب افروز روزنوں پہ کہ لوگ
دیا مکان میں جلتا بھی چھوڑ جاتے ہیں

محشر بدایونی (بیسویں صدی اوائل)

(۳۲۶) بہر صورت بہار حسن جاناں دیکھ لیتا ہوں
جو آئینہ نہیں ملتا گریباں دیکھ لیتا ہوں

---

(۳۲۷) اعزاز محبت کو بڑی ٹھیس لگے گی
دشمن کو کبھی مدمقابل نہ سمجھنا

مختار سبزواری (۱۸۹۷ء)

(۳۲۸) ہم سے وحشی نہیں ہونے کے گرفتار کبھی
لوگ دیوانے ہیں زنجیر لئے پھرتے ہیں

(۳۲۹) کردے ذرہ سے آفتاب مجھے
میرے ساقی ذرا شراب مجھے

مذاقؔ بدایونی (۱۸۱۹ء)

(۳۳۰) یوں بہانے بھی نہ آنے کے بنا سکتے ہو تم
پر جو آنے پر ہی آجاؤ تو آسکتے ہو تم

شاہ فضل رسولؒ مستؔ بدایونی (۱۷۹۸ء)

(۳۳۱) اسمیں اپنے لہو کا زیاں ہی سہی
ہم چراغوں کی لو تیز کر جائیں گے

---

(۳۳۲) روشنی تیرگی کو دے گی خراج
یہ سماں کب کسی کے دھیان میں تھا

---

(۳۳۳) سیل آلام میں بھی زمزمہ خواں گذرے گی
دل جواں ہے تو ہر اک رات جواں گذرے گی

---

(۳۳۴) رہا نہ سیل زمانے سے کوئی گھر محفوظ
تری قبا بھی گئی میرا پیراہن بھی گیا

منظر ایوبیؔ بدایونی (۱۹۳۲ء)

(۳۳۵) تم نے جب غیر سے کلام کیا
سب نے جھک کر مجھے سلام کیا

مولانا عبدالماجد منظورؔ بدایونی (۱۸۸٦ء)

(۳۳۶) بستی رہے منظورؔ کی بستی یہ دعا ہے
قائم رہے تاحشر گلستان بدایوں

سید منظور علی منظورؔ بدایونی (۱۸۶۰ء)

(۳۳۷) ترک الفت اپنے مشرب میں نہیں
ہوگئی جس سے محبت ہوگئی

---

(۳۳۸) آتش عشق کو سینے سے لگا کر دیکھو
اپنا گھر اپنے ہی ہاتھوں سے جلا کر دیکھو

منور حسین منورؔ (۱۹۳۳ء)

ثقلین احمد منورؔ بدایونی کی شہرت برصغیر میں ایک نعت گوشاعر کی حیثیت سے ہے مگر وہ کلاسیکی غزل کے بھی اپنے عہد میں لاثانی شاعر تھے انکے نعتیہ انتخاب کے علاوہ ذیل میں انکی ڈیڑھ غزل بھی بطور نمونہ پیش کررہا ہوں۔ ویسے پاکستان کے ہی نہیں بلکہ موجودہ دور میں اردو کے کلاسیکی غزل گو کی حیثیت سے انکی چودہ غزلیں امریکی سفارت خانہ نے امریکہ کی کیسٹ لائبریریوں میں ان ہی کی آواز میں محفوظ کی ہوئی ہیں ان میں سے مجھے ایک مکمل اور ایک نامکمل غزل یاد ہے ویسے ان کا کلام ابھی صحیح طور سے شائع نہیں ہوا ہے اور نہ ہی اس کا امکان نظر آتا ہے بہرحال پہلے دیکھئے چند نعتیہ اشعار پھر بہاریہ غزل۔

(۳۳۹) کیا کروں تجھ سے میں اظہار تمنا کرکے
مطمئن ہوں تری رحمت پہ بھروسہ کرکے

---

(۳۴۰) انکے در کی حضوری کا کیا پوچھنا
انکے در کی تمنا بڑی چیز ہے

(۳۴۱) جنھیں ان کے نظارے ہوگئے ہیں
وہ ذرے چاند تارے ہوگئے ہیں

---

(۳۴۲) جو حبیب خدا کے ہوجائیں
وہ خدا کے حبیب ہوتے ہیں

---

(۳۴۳) مرا ٹوٹا ہوا دل ہے شکستہ ساز رکھتا ہوں
مگر ان تک پہنچ جاتی ہے وہ آواز رکھتا ہوں

---

(۳۴۵) ہے طالب جلوہ مری بیتاب نظر بھی
لیکن تری سرکار میں بے باک نہیں ہے

---

(۳۴۶) نعت محبوب داور سند ہوگئی
فرد عصیاں مری مسترد ہوگئی

---

(۳۴۷) سر محشر نکالی جائے گی فرد عمل سب کی
منور ہم بھی اپنا نعت کا دیوان رکھ دینگے

---

(۳۴۸) مجھ سا عاصی بھی آغوش رحمت میں ہے
یہ بھی بندہ نوازی کی حد ہوگئی

ایک غزل کے تین شعر ملاحظہ ہوں

(۳۴۹) اشکوں سے غم سوز نہاں اور بڑھے گا
جب آگ بجھے گی تو دھواں اور بڑھے گا

(۳۵۰) یہ قطرۂ شبنم نہیں خون رگ جاں ہے
دھونے سے تو دامن کا نشاں اور بڑھے گا

---

(۳۵۱) ٹوٹا ہوا شیشہ کبھی جوڑا نہیں جاتا
جوڑوگے تو احساس زیاں اور بڑھے گا

ایک بھرپور غزل

(۳۵۲) جو کہہ کر حال دل ان سے کہا کچھ اور کہنا ہے
کہا سب کہہ چکے اب اور کیا کچھ اور کہنا ہے

---

(۳۵۳) کہا وہ حال تھا اب مدعا کچھ اور کہنا ہے
کہا اچھا ابھی اس کے سوا کچھ اور کہنا ہے

---

(۳۵۴) جو سننا تھا وہ سب کچھ سن چکے اب اس پہ بگڑے ہیں
کہ سب کچھ کہہ کے پھر یہ کیوں کہا کچھ اور کہنا ہے

---

(۳۵۵) مرے خاموش کرنے کی نئی صورت نکالی ہے
مری ہر بات پہ کہتے ہیں کیا کچھ اور کہنا ہے

---

(۳۵۶) مرض کا حال سن کر چارہ گرنے پھیر لیں نظریں
مریض عشق کہتا رہ گیا کچھ اور کہنا ہے

(۳۵۷) جو لکھنا تھا وہ خط میں لکھ دیا اے نامہ بر لیکن
زبانی ان سے کہہ دینا ذرا کچھ اور کہنا ہے

---

(۳۵۸) مریض عشق سن سکتا ہے اب کچھ کہہ نہیں سکتا
کہے جاؤ اگر اچھا برا کچھ اور کہنا ہے

---

(۳۵۹) منوؔر مجھ کو جو کہنا ہے میں کہہ کر ہی اٹھوں گا
وہ دشمن تھا جو کہکر اٹھ گیا کچھ اور کہنا ہے

منوؔر بدایونی

(۳۶۰) آئینہ حیات میں کچھ ہو نہ ہو مگر
یہ ماننا پڑے گا کہ تصویر یار ہے

ممتاؔز بدایونی (۱۹۴۴)

(۳۶۱) تباہی تھی مری قسمت میں لیکن
نوازش آپ کی بھی کم نہیں ہے

---

(۳۶۲) میرے معیار وفا پر کسی تنقید سے قبل
تم بھی دیکھو کہ تمہارا قدوقامت کیا ہے

(۳۶۳) جب بھی تلاش صبح میں ہم اٹھ کھڑے ہوئے
چھوڑ آئے راستے میں ستارے پڑے ہوئے

مہتاب ظفر بدایونی (۱۹۳۱)

(۳۶۴) مجھے ہر گز نہ ہوتا اسقدر احساس بربادی
مری بربادیوں میں تو اگر شامل نہیں ہوتا

---

(۳۶۵) ہائے غربت بھی کیا بری شئے ہے
لوگ دامن بچا کے چلتے ہیں

مہدیؔ بدایونی (۱۹۳۲)

(۳۶۶) کہاں کی موت کیسی زندگانی
کسی کو چاہئے تھی اک کہانی

---

(۳۶۷) رنگ نکھرے گا آدمیت کا
ہاں سہارا تو لیں محبت کا

مہرؔ بدایونی (۱۹۳۷)

(۳۶۸) کس کا چہرہ ہے میری صورت میں
جانتا ہوں مگر کہوں کیسے

مجمی بدایونی (۱۹۳۶)

(۳۶۹) وفا شعار نہیں کوئی بھی زمانے میں
مگر یہ بات ہمیں کو سنائی جاتی ہے

نسیم بدایونی (۱۹۳۸ء)

(۳۷۰) ایک عالم نہ کیوں پھر اس کا طرفدار لگے
جو خطا کرکے بھی ظالم نہ خطا وار لگے

نصرت بدایونی (۱۹۳۰ء)

(۳۷۱) اس معزز شہر میں فٹ پاتھ بھی موجود ہیں
کب تلک آخر در و دیوار کی باتیں کریں

---

(۳۷۲) آ ہی جائے گی فضائے دو جہاں بھی رقص میں
زلف تم لہراؤ ہم رخسار کی باتیں کریں

---

(۳۷۳) جیسے ہر شخص کوئی جرم کئے بیٹھا ہو
گھر میں گھستے ہی عجب گھر کی فضا لگتی ہے

نشاط بدایونی (۱۹۳۷ء)

(۳۷۴) نصیبؔ غور سے دیکھا تو شکل انساں میں
خدا تو مل بھی گیا بندۂ خدا نہ ملا

نصیب بدایونی (۱۹۱۰ء)

(۳۷۵) پیاری پیاری تضاد کی صورت
بے تکلف بھی ہیں حجاب بھی ہے

---

(۳۷۶) اٹھا کر آنکھ دشمن کو نہ تکتے یہ غرض کب تھی
ادھر بھی دیکھتے جاتے ادھر بھی دیکھتے جاتے

---

(۳۷۷) نظامیؔ جانتے ہو تم مال زندگی کیا ہے
قمر کی گور دیکھو قبر فانی دیکھتے جاؤ

نظامیؔ بدایونی (۱۸۷۲ء)

(۳۷۸) مجھ کو برباد کیا خود نگری نے میری
اپنی ہی راہ کا پتھر ہوں مجھے دیکھو تو

---

(۳۷۹) میرے نغمے میرے اصنام تراشیدہ ہیں
لفظ و معنی کا میں آزر ہوں مجھے دیکھو تو

نفیسؔ فریدی (۱۹۳۵ء)

(۳۸۰) تھکا ہے منزلوں کا یا پیام یاس لاتا ہے
الٰہی خیر کیجو نامہ بر کچھ ست آتا ہے

---

(۳۸۱) کوچۂ یار سے کیا بے سرو پا آتی ہے
ٹھوکریں کھاتی ہوئی بادصبا آتی ہے

(۳۸۲) اب تو رخسار ترا غیرت گلزار ہوا
خط کا آنا ترے مکھڑے پہ سزا وار ہوا

---

(۳۸۳) برنگ نقش اس کے در کی جب میں نے زمیں پکڑی
اٹھانے کو کسی نے پھر نہ میری آستیں پکڑی

ظہور اللہ نوا بدایونی (۱۷۳۴ء)

(۳۸۴) ہزار طرز تخاطب مرے خیال میں تھے
تم آگئے تو کوئی لفظ بر محل نہ ملا

---

(۳۸۵) تشبیہ لب پہ رقصاں آنکھوں میں استعارے
ٹکڑے اڑا لئے ہیں تم نے مری غزل کے

نیاز بدایونی (۱۹۳۴ء)

(۳۸۶) کیجئے کیجئے ہیں اور ہزاروں باتیں
چھوڑیئے چھوڑیئے گذرے ہوئے افسانے کو

فراست حسین نیر بدایونی

(۳۸۷) آج کل مجھ کو یہ دل کرتا ہے بدنام کہیں
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

واصل بدایونی (۱۷۹۳ء)

(۳۸۸) زاہد پیادہ پا سوئے کعبہ اگر گیا
وحشت حریم یار کو ہم سر کے بل گئے

---

(۳۸۹) ساقی ہے صحن باغ ہے آمد گھٹا کی ہے
مجھ رند بادہ نوش پہ رحمت خدا کی ہے

وحشت بدایونی (۱۸۲۰ء)

(۳۹۰) چپ رہوں بھی تو لوگ پڑھتے ہیں
میرا چہرہ کتاب کی صورت

وسیم بدایونی (۱۹۲۹ء)

(۳۹۱) مصیبت غم ہجراں کبھی کٹی نہ کٹے
یہ رات بھر کے لئے رات عمر بھر کے لئے

ہلالی بدایونی (۱۹۱۵)

قوت تخیل کی پرواز سے
رفعت بال ہما یوں دیکھ لی

آئینہ میں منتخب اشعار کے
ہم نے تصویر بدایوں دیکھ لی

فائق بدایونی

☆☆☆

تضمین

شعرائے متقدمین کا ایک '' شعری شغل،، تضمین بھی ہے تضمین کے لفظی معنی تو کسی کو اپنی پناہ میں لینے یا اپنا لینے کے ہیں ۔ اصطلاحاً تضمین کے معنی کسی دوسرے کے شعر کو اپنے شعر میں شامل کرنے کے ہیں ۔ تضمین کی ایک شکل گرہ لگانا بھی ہے جسکے معنی بالعموم کسی مصرعہ پر اسی کی زمین میں مصرعہ کہکر مطلع بنانے کے ہیں ۔ بالعموم طرحی مشاعروں میں مصرعہ طرح پر مصرعہ اولیٰ لگانے کی روایت عام تھی اور گرہ لگانے کے فن کا مظاہرہ اکثر اساتذہ طرحی مشاعروں میں کرتے تھے ۔ کبھی کبھی ایک نہایت سنجیدہ اور بہترین مصرعے پر مزاحیہ مصرعہ لگا کر مفہوم ہی تبدیل کر دیا جاتا تھا مثلاً راقم الحروف نے کثرت اولاد کے حوالے سے ایک مزاحیہ نظم میں غالبؔ کے دو مصرعوں کو صرف کیا ہے ملاحظہ کیجئے ۔

اولاد سامنے ہے ابھی بے پلی ہوئی
داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی

اک بچہ رو رہا ہے اگر اک خموش ہے
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

اور ایک میرؔ صاحب کا مصرعہ ملاحظہ ہو

ہیں کتنے شیر خوار کوئی پوچھتا نہیں
پھرتے ہیں میرؔ خوار کوئی پوچھتا نہیں

مزاح سے قطع نظر سنجیدہ اشعار پر تضمین کا رواج بالعموم یہ تھا کہ کسی معروف شعر پر اسکے

مصرعہ اولیٰ کی زمین میں تین مصرعے لگا کر شعر کو خمسہ بنا دیا جاتا تھا۔

حضرت جامؔی بدایونی کے ایک نعتیہ شعر پر حضرت منوؔر بدایونی کی تضمین ملاحظہ ہو شعر ہے۔

کفن پہناؤ تو خاک مدینہ رخ پہ مل دینا
یہی بس ایک صورت ہے خدا کو منہ دکھانے کی

اس شعر پر حضرت منوؔر بدایونی نے مصرعے یوں لگائے

جنازہ دوستو! میرا نہ یونہی لے کے چل دینا
یہی میری وصیت ہے بس اتنا ساتھ کل دینا
پس مردن مری صورت بائیں صورت بدل دینا
کفن پہناؤ تو خاک مدینہ رخ پہ مل دینا
یہی بس ایک صورت ہے خدا کو منہ دکھانے کی

مندرجہ بالا چند تعارفی جملے عرض کرنے کا حقیقی مقصد دراصل شعرائے بدایوں کے فن تضمین گوئی کے ورثہ کا مظاہرہ ہے۔ یعنی راقم الحروف نے شعرائے بدایوں کے مختلف اصناف کے اشعار پر جو تضمین کی ہے وہ پیش خدمت ہے۔

ا۔ حضرت مذاق میاں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک سہرا لکھا جو بدایوں اور بدایوں سے باہر اہل عقیدت کے شعری حلقوں میں بہت معروف و مقبول ہے۔ بدایوں کے بڑے اور معزز خاندانوں میں روایت بن گئی تھی کہ جب رسم سہرا بندی ہوتی تو بر سر محفل عباس میراثی دولھا کا شجرۂ نسب چند پشتوں تک دہرانے کے بعد بڑی کڑک دار آواز میں یہ سہرا پڑھتے تھے جسے موجب برکات تصور کیا جاتا تھا سہرے کا

مطلع ہے۔

علی نوشہ بنا سہرا بندھا مشکل کشائی کا
ملا خلعت نبیؐ سے خلق کی حاجت روائی کا

راقم الحروف نے اس پر تضمین یوں کی ہے

کلام اللہ خود شاہد ہے جسکی پارسائی کا
گل رنگیں مہک اٹھا وہ باغ مصطفائی کا
جہاں میں ہر طرف شہرہ تھا اس نغمہ سرائی کا
علی نوشہ بنا سہرا بندھا مشکل کشائی کا
ملا خلعت نبیؐ سے خلق کی حاجت روائی کا

سہرے کا ایک اور شعر ہے

گنہگاران امت کی شفاعت مہر میں ٹھہری
ہوا پھر وعدۂ دیدار بدلا رونمائی کا

اس پر مصرعے ملاحظہ ہوں

متاع فاقہ و فقر و قناعت مہر میں ٹھہری
سنان و تیغ و پیکاں کی جراحت مہر میں ٹھہری
نہ دولت کی ضرورت تھی نہ دولت مہر میں ٹھہری
گنہگاران امت کی شفاعت مہر میں ٹھہری
ہوا پھر وعدۂ دیدار بدلا رونمائی کا

ایک اور شعر

لوالحمد و دلدل ذوالفقار اللہ نے بخشی
سلامی میں وہ لشکر کش بنا فوج خدائی کا

مصرعے ملاحظہ ہوں

وہ ٹھنڈک دل کو جو بخشے قرار اللہ نے بخشی
عروس خوش ادا و ذی وقار اللہ نے بخشی
بائیں صورت متاع کار زار اللہ نے بخشی
لوالحمد و دلدل ذوالفقار اللہ نے بخشی
سلامی میں وہ لشکر کش بنا فوج خدائی کا

ایک اور شعر

ہوئی ایسی نہ ہووے گی عروسی اور دامادی
ازل سے تا ابد جلوہ ہے اس جلوہ نمائی کا

تیسرا مصرعہ خاصکر ملاحظہ ہو

زبان شوق سے کہنے لگی بطحا کی ہر وادی
مبارک اہل عالم کو علیؓ کی خانہ آبادی
خدا کے گھر کا شہزادہ نبیؐ کے گھر کی شہزادی
ہوئی ایسی نہ ہووے گی عروسی اور دامادی
ازل سے تا ابد جلوہ ہے اس جلوہ نمائی کا

حضرت غوث پاکؒ کی شان میں ایک فارسی کی مشہور منقبت جو اکرام اللہ

محشؔر بدایونی کو انکے پیر صاحب کی طرف سے عطا کی گئی تھی اور محشر بدایونی کے نام سے ہی منسوب ہے اس کا ایک شعر زبان زد خاص و عام ہے۔

ما گدائیم تو سلطان دو عالم ہستی
از تو داریم طمع اے شۂ جیلاں مددے

اس شعر پر اردو کے تین مصرعے ملاحظہ کیجئے

بادۂ حب نبیؐ کی مجھے دیدے مستی
رہے آباد اسی یاد سے دل کی بستی
دستگیری میں مسلم تری بالادستی
ما گدائیم تو سلطان دو عالم ہستی
از تو داریم طمع اے شۂ جیلاں مددے

حضرت جامؔی بدایونی کا ایک خوبصورت شعر ہے

لن ترانی بھی کہا اس ناز سے
لطف جلوہ آ گیا آواز سے

راقم نے اسپر مصرعے عرض کیئے ہیں

کب جدا نغمہ ہوا ہے ساز سے
راز چھپتا ہے کہیں ہمراز سے
منہ سے بولے بھی تو کس انداز سے
لن ترانی بھی کہا اس ناز سے
لطف جلوہ آ گیا آواز سے

جامیؔ بدایونی کے ایک اور شعر پر مصرعے ملاحظہ ہوں شعر ہے۔

ہر اک جگہ مری عمر رواں ہوئی برباد
وہی شمار میں ہے جو کٹی مدینے میں

تضمین ملاحظہ ہو

جہاں میں کرتا ہوا آہ وشیون و فریاد
کہاں کہاں نہیں پہنچا میں بے کس و ناشاد
جہاں جہاں بھی گیا ہوں وہاں بجز بغداد
ہر اک جگہ مری عمر رواں ہوئی برباد
وہی شمار میں ہے جو کٹی مدینے میں

حضرت جام نوائی بدایونی کے ایک شعر پر تین مصرعے ملاخطہ ہوں شعر ہے کہ

اہل خرد کو ہوش سے بیگانہ کہہ گیا
جو بات ہم نہ کہہ سکے دیوانہ کہہ گیا

مصرعے عرض کیے ہیں

اہل نظر سے پوچھیئے کیا کیا نہ کہہ گیا
راز خرد برنگ حکیمانہ کہہ گیا
جیسے کہ ایک جملے میں افسانہ کہہ گیا
اہل خرد کو ہوش سے بیگانہ کہہ گیا
جو بات ہم نہ کہہ سکے دیوانہ کہہ گیا

جناب فرید بخش بدایونی کا شعر ہے

متاع درد مندی اب تو افسانوں میں ملتی ہے
اگر دنیا میں ملتی ہے تو دیوانوں میں ملتی ہے

مصرعے ملاحظہ ہوں

نہ بازاروں میں ملتی ہے نہ ایوانوں میں ملتی ہے
نہ اب رندوں میں باقی ہے نہ میخانوں میں ملتی ہے
نہ تو اپنوں میں ملتی ہے نہ بیگانوں میں ملتی ہے
متاع درد مندی اب تو افسانوں میں ملتی ہے
اگر دنیا میں ملتی ہے تو دیوانوں میں ملتی ہے

جناب سلمان ہلاؔلی بدایونی فرماتے ہیں

مصیبت غم ہجراں کبھی کٹی نہ کٹے
یہ رات بھر کے لئے رات عمر بھر کے لئے

تضمین کے مصرعے ہیں

نہ کوئی شمع جلے اور نہ تیرگی ہی چھٹے
یہ بوجھ سر سے کسی کے کبھی ہٹا نہ ہٹے
نہ اس میں کوئی کمی ہو نہ اس کا زور گھٹے
مصیبت غم ہجراں کبھی کٹی نہ کٹے
یہ رات بھر کے لئے رات عمر بھر کے لئے

حضرت منورؔ بدایونی کا ایک خوبصورت شعر ہے

یہ قطرۂ شبنم نہیں خون رگ جاں ہے
دھونے سے تو دامن کا نشاں اور بڑھے گا

مصرعے عرض کئے ہیں

کہنے کو تو اک داغ ہے چھوٹا سا نشاں ہے
ویسے ستم و جور کا اک سر نہاں ہے
لیکن نگۂ ناز کو احساس کہاں ہے
یہ قطرۂ شبنم نہیں خون رگ جاں ہے
دھونے سے تو دامن کا نشاں اور بڑھے گا

اس غزل کا ایک اور خوبصورت شعر ہے

ٹوٹا ہوا شیشہ کبھی جوڑا نہیں جاتا
جوڑوگے تو احساس زیاں اور بڑھے گا

اسپر مصرعے عرض کئے ہیں

دامان محبت کبھی چھوڑا نہیں جاتا
جو رشتہ محکم ہے وہ توڑا نہیں جاتا
لیکن کسی طوفان کو موڑا نہیں جاتا
ٹوٹا ہوا شیشہ کبھی جوڑا نہیں جاتا
جوڑوگے تو احساس زیاں اور بڑھے گا

منوّر بدایونی کا نعت پاک کا خوبصورت شعر ہے۔

انکے در کی حضوری کا کیا پوچھنا
انکے در کی تمنا بڑی چیز ہے

تضمین ملاحظہ ہو

بالیقیں پوچھنا برملا پوچھنا
اہل دل سے کبھی یہ ذرا پوچھنا
اس خلش میں ہے کیسا مزا پوچھنا
انکے در کی حضوری کا کیا پوچھنا
انکے در کی تمنا بڑی چیز ہے

منوّر بدایونی کا ہی ایک اور کلاسیکی نعتیہ شعر ہے

محشر میں بڑی شان سے جائے گا منوّر
رکھے ہوئے کندھے پہ چٹائی ترے در کی

مصرعے ملاحظہ ہوں

مدحت سے تری باز نہ آئے گا منوّر
واں حشر میں بھی رنگ جمائے گا منوّر
اس دن بھی تری نعت سنائے گا منوّر
محشر میں بڑی شان سے جائے گا منوّر
رکھے ہوئے کندھے پہ چٹائی ترے در کی

نعت پاک کا ایک بالکل نیا اور خوبصورت شعر سعید بدایونی کا ہے۔

تمنا قرب کی محبوب رب سے
ہم آگے بڑھ گئے حد ادب سے

تضمین ملاحظہ ہو

پڑا ہوں سوچ میں کیا جانے کب سے
مری افسردگی ہے اس سبب سے
ہوا ہے مجھکو یہ احساس جب سے
تمنا قرب کی محبوب رب سے
ہم آگے بڑھ گئے حدادب سے

ابر گنوری بدایونی کا شعر ہے

وسعتیں اپنی نہ پہچانے تو اس کا کیا علاج
آدمی رہرو بھی ہے، رہبر بھی ہے، منزل بھی ہے

مصرعے دیکھیئے

ہے عیاں اہل نظر پر یہ مشیت کا مزاج
ہر حقیقت وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے آج
ایک مشت خاک کہنا تو ہے دنیا کا رواج
وسعتیں اپنی نہ پہچانے تو اس کا کیا علاج
آدمی رہرو بھی ہے رہبر بھی ہے منزل بھی ہے

جناب انجمؔ فوقی بدایونی نے کیا خوب کہا ہے

صورت تو ہے نہیں کہ اسے ڈھونڈ لائیں ہم
ایسا نہو کہ اپنی طرف لوٹ آئیں ہم

تضمین ملاحظہ ہو

جو بے نشاں ہے اسکا نشاں کیا بتائیں ہم
دیتے رہیں زمان ومکاں میں صدائیں ہم
اس چشم ظاہرہ سے کہاں اسکو پائیں ہم
صورت تو ہے نہیں کہ اسے ڈھونڈ لائیں ہم
ایسا نہوکہ اپنی طرف لوٹ آئیں ہم

حضرت جامیؔ بدایونی کا ایک عمدہ شعر

یقین آمد فصل بہار کر لینا
کہ جب قفس میں مری آنکھ سے لہو آئے

مصرعے عرض کیئے ہیں

شعار اہل جنوں اختیار کرلینا
شگفت گل کا بھی تم اعتبار کرلینا
اسی حساب سے سارے شمار کرلینا
یقین آمد فصل بہار کرلینا
کہ جب قفس میں مری آنکھ سے لہو آئے

اصؔغر بدایونی کا ایک بہت عمدہ شعر ہے

دیکھو مایوس ہونا پڑے گا تمہیں
دوستوں کو اگر آزمانا پڑا

تضمین ملاحظہ ہو

سمجھ لو کہ رونا پڑے گا تمہیں
جو پایا ہے کھونا پڑے گا تمہیں
غم کو دل میں سمونا پڑے گا تمہیں
دیکھو مایوس ہونا پڑے گا تمہیں
دوستوں کو اگر آزمانا پڑا

جامؔ نوائی بدایونی فرماتے ہیں

راہ حق میں سر کٹانے سے تو ڈر جاتے ہیں لوگ
زندگی آواز دیتی ہے تو مرجاتے ہیں لوگ

مصرعے عرض کیئے ہیں

رہگذار زلیست سے آساں گذر جاتے ہیں لوگ
ان کی منزل کس طرف ہے اور کدھر جاتے ہیں لوگ
وضع پر قائم نہیں رہتے بکھر جاتے ہیں لوگ
راہ حق میں سر کٹانے سے تو ڈر جاتے ہیں لوگ
زندگی آواز دیتی ہے تو مرجاتے ہیں لوگ

رشید اثر بدایونی کا خوبصورت شعر ہے

میں محبت کی انتہا کردوں
ابتدا تو نگاہ یار کرے

مصرعے دیکھیے

رفعت غم سے آشنا کردوں
دونوں عالم سے ماورئ کردوں
عظمت عشق کو سوا کردوں
میں محبت کی انتہا کردوں
ابتدا تو نگاہ یار کرے

انجم فوقی بدایونی کا بہترین شعر ہے

اسکو ، محسوس ہی کرتے رہنا
دیکھنا چاہا تو دھوکا ہوگا

تضمین ملاحظہ ہو

جبر فطرت ہے یہ آنسو بہنا
غم نا دیدہ کو ہنس کر سہنا
دید کی بات نہ ہر گز کہنا
اسکو محسوس ہی کرتے رہتا
دیکھنا چاہا تو دھو کا ہوگا

بسمؔل بدایونی کا کلاسیکی شعر ہے

میں نے اپنا جامۂ ہستی حوالے کردیا
شرم آئی دیکھ کر خنجر کی عریانی مجھے

مصرعے عرض کیئے ہیں

جو تہی دامن تھا میں نے اسکا دامن بھردیا
دین و ایماں دیدیا ، دل دیدیا اور سردیا
یہ نہیں جو کچھ دیا اوروں سے وہ لیکر دیا
میں نے اپنا جامۂ ہستی حوالے کردیا
شرم آئی دیکھ کر خنجر کی عریانی مجھے

انیس عالم انیسؔ کہتے ہیں

حشر اپنا تو بہ عنوان وفا معلوم تھا
چین سے تم بھی نہ بیٹھو گے یہ کیا معلوم تھا

تضمین ملاحظہ فرمائیں

کیا بتائیں کتنا اندازہ تھا کیا معلوم تھا
حال جو کچھ بھی ہوا اس سے سوا معلوم تھا
اس میں کوئی شک نہیں ہے با خدا معلوم تھا
حشر اپنا تو بہ عنوان وفا معلوم تھا
چین سے تم بھی نہ بیٹھو گے یہ کیا معلوم تھا

اسعد بدایونی فرماتے ہیں

یہ خطا ہی مجھے مصلوب کرے گی اک دن
شہر خاموش میں آواز کا فن رکھتا ہوں

مصرعے عرض کیئے ہیں

ہے حقیقت مگر افسانہ بنے گی اک دن
بات تو کچھ بھی نہیں پھر بھی بڑھے گی اک دن
اسکی پاداش ادا کرنی پڑے گی اک دن
یہ خطا ہی مجھے مصلوب کرے گی اک دن
شہر خاموش میں آواز کا فن رکھتا ہوں

انجم بدایونی کا شعر ہے

راہ کی دشواریوں سے کیوں ہو اے انجم اداس
راستہ بنتا ہے جب پتھر بچھا دیتے ہیں لوگ

مصرعے ملاحظہ ہوں

مشکلیں اہل نظر کو تو نہیں وجہ ہراس
اس حقیقت کا تمہیں ہر حال میں لازم ہے پاس
زندگی کی دقتوں پر ہے سہولت کی اساس
راہ کی دشواریوں سے کیوں ہو اے انجم اداس
راستہ بنتا ہے جب پتھر بچھا دیتے ہیں لوگ

رادھا رمن جوش بدایونی فرماتے ہیں

شعر و نغمہ کیف و مستی رنگ و نکہت اک طرف
اور اس کافر ادا کی ایک انگڑائی کہ بس

مصرعے دیکھیئے

حسن کی رعنائیاں اسکی نزاکت اک طرف
شوخی لالہ الگ پھولوں کی رنگت اک طرف
شام وعدہ اک طرف صبح مسرت اک طرف
شعر و نغمہ کیف و مستی رنگ و نکہت اک طرف
اور اس کافر ادا کی ایک انگڑائی کہ بس

پیاؔم بدایونی کا شعر ہے

گذرے مرے قریب سے وہ بارہا پیاؔم
نظروں میں التفات گریزاں لیئے ہوئے

تضمین ملاحظہ کریں

طرز ادا بھی انکی نئی اور نیا پیام
در پردہ چشم یار سے بھی مل گیا پیام
طرز خرام نے بھی مجھے دیدیا پیام
گذرے مرے قریب سے وہ بارہا پیاؔم
نظروں میں التفات گریزاں لئے ہوئے

آفتاب احمد جوہر بدایونی فرماتے ہیں

یہ کیا بتائیں وہ اپنے تھے یا پرائے تھے
کسی طرف سے تو پتھر ضرور آئے تھے

مصرعے عرض کیئے ہیں

چراغ راہ محبت میں جب جلائے تھے
وفا کی راہ میں جب سوئے دار آئے تھے
صلیب وقت کی کندھوں پہ جب اٹھائے تھے
یہ کیا بتائیں وہ اپنے تھے یاپرائے تھے
کسی طرف سے تو پتھر ضرور آئے تھے

امیر حسنین جلیسیؔ کا خوبصورت شعر ہے

لذت خمیازۂ غم کو خوشی کہنے لگے
تھک کے آخر زندگی کو زندگی کہنے لگے

تضمین کے مصرعے ہیں

بے وفائی کو بھی انکی سادگی کہنے لگے
ہر ستم کو ہم ادائے دلبری کہنے لگے
جو بھی دنیانے کہا ہم بھی وہی کہنے لگے
لذت خمیازۂ غم کو خوشی کہنے لگے
تھک کے آخر زندگی کو زندگی کہنے لگے

فانؔی بدایونی کا مشہور مطلع ہے

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

تضمین کے مصرعے عرض کیئے ہیں

اس میں کچھ دخل ہے کعبہ کا نہ بت خانے کا
کوئی عنواں ہی نہیں زیست کے افسانے کا
رمز مرنے کا نہ سمجھے نہ جیئے جانے کا
اک معمہٗ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کا ہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

فانؔی کا ہی ایک اور شعر ہے

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
صرف اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

مصرعے ملاحظہ ہوں

گردش شام و سحر لاکھ بدل دے حالات
تا ابد ختم تو ہونی ہی نہیں ہے یہ رات
ہاں جو ہیں اہل نظر وہ ہی سمجھ لیں یہ بات
مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
صرف اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

آخر میں فانی بدایونی کے ایک شعر پر مصرعے عرض کر کے تضمین کے بیان کو ختم کرتا ہوں۔ فانی کا شعر ہے

نہ جانے اس سفر کی آخری منزل کہاں ہوگی
فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا

مصرعے ملاحظہ ہوں

نہ وہ زیرِ زمیں ہوگی نہ زیرِ آسماں ہوگی
تصور سے جدا ہوگی تخیل سے نہاں ہوگی
یقیناً ماورائے وسعتِ کون و مکاں ہوگی
نہ جانے اس سفر کی آخری منزل کہاں ہوگی
فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا

اوپر بیان کردہ منتخب اشعار اور تضمین دیکھ کر وہ لوگ بھی جو بدایونی نہیں ہیں شعرائے بدایوں کی قدرت کلام، بدایوں کے شعری پس منظر اور بدایونی غزل کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈھائی سو سال سے زیادہ مدت پر پھیلی ہوئی یہ صنف سخن بدایوں میں کس قدر متنوع تصورات سے آراستہ ہے۔

☆☆☆

بغیر تبصرہ

ایک مزاحیہ مطلع

''گے نا'' بتایا کہ ''سچ مچ'' تو وہ '' ھیاں '' ہوگا
''نرا'' مذاق میں ''ان نے کیا ھواں'' ہوگا
بدایونی

سوال: گے بداؤں کی زبان ہے؟ تس سے کن نے کیا؟
جواب: مس سے ان نے کیا تھا۔

سوال: بیٹے آپ کا نام کیا ہے؟
جواب: انا ٹوئی بٹا ڈے!

چھٹا باب

مجلّہ بدایوں سے چند مضامین

ہمارا خاندان............ ہمارے فرزند

شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ (مطاخرسوار)

متاع آخرت............ صدیوں کا سفر

تعلیمی تحقیق......................

☆☆☆

چھٹا باب

مجلّہ بدایوں سے چند مضامین

یہ کتاب کا چھٹا باب ہے اور مجلۂ بدایوں میں شائع شدہ ان مضامین سے متعلق ہے جن میں میرے خاندان 'بدایوں میں میرے مورث اعلیٰ کی آمد اور میرے فرزندگان کا تذکرہ ہے۔ یہ مضامین میرے ہی لکھے ہوئے ہیں مگر تین مضامین ایسے ہیں جو میرے تحریر کردہ نہیں ہیں بلکہ میری ذات' میری کتب اور شاعری وغیرہ پر ایک قسم کا تبصرہ ہیں ان میں دو مضامین جناب عبد الماجد صدیقی کی کاوش قلم کا نتیجہ ہیں اور ایک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمود الرحمٰن کی تحریر ہے جو اصل انگریزی میں تھی جناب عبد الماجد صدیقی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے پہلا مضمون جلد نمبر ۱۲ اور شمارہ نمبر ۹ میں شائع ہوا ہے عنوان ہے'' ہمارا خاندان'' (اس شمارہ میں جلد نمبر ۱۰ کے بجائے نمبر ۱۲ غلطی سے چھپ گیا ہے)

ہمارا خاندان:

نوٹ: پروفیسر محمد فائق صدیقی قادری بدایونی کا یہ مضمون اس توقع کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے کہ کراچی اور بدایوں میں مقیم اہل بدایوں اسی انداز سے اپنے اپنے خاندان کا تعارف لکھ کر ہمیں ارسال کریں گے۔ اگر ایسے مضامین ہمیں مناسب تعداد میں موصول ہوگئے۔ تو شاید انہیں یکجا کر کے ہم ایک معلوماتی افزا کتاب بدایوں کے معروف خاندان شائع کر کے نذر قارئین کرسکیں گے۔ ادارہ کی خواہش ہے کہ آپ بھی اپنے خاندان اور شجرۂ نسب کے حوالے سے مضمون لکھ کر ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں آپ کی کاوش کے لئے ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔ (ادارہ)

ہمارا آبائی تعلق بدایوں میں گذشتہ آٹھ سو سال سے آباد شیوخ صدیق عبد الرحمانی کے خاندان خرسواراں سے ہے۔ اس خاندان کے وہ بزرگ جنہوں نے بدایوں میں ۶۲۰ ہجری میں توطن اختیار کیا۔ شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ تھے۔ ان کی ولادت ایران کے شہر شرواں میں ہوئی تھی اسی لئے ان کے نام کے ساتھ شروانی لکھا جاتا ہے۔ ان کے والد مولانا حسام الدین عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کی تعلیمی اصلاحات کے دوران ہرات کے مدرسہ کے مدرس مقرر ہوئے تھے۔ اس عہد میں ہرات کا مدرسہ بہت اہم اور معروف مدرسہ تھا اور معمولی درجہ کے معلم کا تقرر وہاں ممکن نہ تھا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا حسام الدین اپنے عہد کے ایک جید عالم تھے۔ یہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے پندرہویں پوتے تھے۔ ان سے سات پشت پہلے ایک بزرگ عبد اللہ قریشی مکی گزرے تھے جو سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے ساتویں پوتے تھے۔ پورے شجرے میں عبد اللہ قریشی مکی وہ پہلے بزرگ ہیں جن کے ساتھ وطنی نسبت مکی موجود ہے اس لئے قیاس ہے کہ اولاد عبد الرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ میں یہی وہ پہلے بزرگ تھے جو مکہ سے باہر بلاد عجم کی جانب آئے تھے اور اپنے تعارف کے لئے وطنی نسبت مکی لکھتے تھے ان کے بیٹے شیخ احمد تھے جن کی عرفیت شیخ یعقوب تھی۔ ان کی آئندہ نسلیں ایران' افغانستان اور ہندوستان میں آباد ہوئیں۔ اگر ہم شیوخ عبد الرحمانی کا شجرہ ماضی کی طرف دیکھیں تو یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوتا ہوا چھٹی پشت میں حضرت مرہ سے ملتا ہے جو نبی کریم ﷺ کے چھٹے دادا ہیں یعنی چھٹی پشت کے بعد یہ سلسلہ نسب مشترک ہو کر فہر کی معرفت جن کا لقب قریش تھا اور جن کی اولاد قریشی کہلاتی ہے حضرت اسماعیلؑ سے مل جاتا ہے۔ یعنی بدایوں کے شیوخ صدیقی عبد الرحمانی بنو اسماعیل'

بنو قریش اور بنو ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ان میں ایک خاندان جو شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ کی اولاد ہیں خرسوار کہلاتے ہیں دیگر خاندان متولیان، دانشمندی بخوش اور قاضی خاندان ہیں۔

شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ وہ صاحب تقویٰ بزرگ تھے جن کی عصر تک کی غیر موکدہ سنتیں بھی کبھی قضا نہ ہوئی تھیں نسب نامہ خرسواراں میں ان کے نام کے ساتھ حافظ بھی لکھا ہے آپ کو سید اعز الدین سے خرقۂ خلافت بھی ملا تھا جو حضرت عمر شہاب الدین سہروردیؒ کے ہاتھ پر داخل سلسلہ سہروردیہ ہوئے تھے۔ شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ نے اپنے شیخ سید اعز الدین سہروردیؒ کے ساتھ ۵۷۴ھ میں فریضہ حج ادا کیا اور واپسی میں اپنے شیخ کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور لاہور میں قیام کیا پھر ملتان میں مقیم رہے۔ سید اعز الدین سہروردیؒ نے ۶۰۴ھ میں بدایوں میں توطن اختیار کیا اور ان کے صاحبزادگان شیخ شاہی حضرت سلطانجیؒ حضرت موئے تاب شیخ بدر الدین شاہ ولایتؒ اور حضرت عثمان سہروردیؒ بھی آپ کے ہمراہ بدایوں آئے ۶۰۵ھ میں سید صاحب کا وصال ہو گیا۔ آپ کے وصال کے ۱۵ سال بعد یعنی ۶۲۰ھ میں شیخ مطیع اللہ شروانی بدایوں تشریف لائے اور یہاں شیخ مطا خرسوار کی عرفیت سے مشہور ہوئے ۶۰۴ھ میں ملتان سے اپنے شیخ کی بدایوں روانگی سے ۶۲۰ھ میں اپنی بدایوں آمد تک کے پندرہ سال کہاں گزارے مستند حوالے نہیں ملتے غالب خیال یہ ہے کہ اس زمانے میں وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی خدمت میں رہے اور خواجہ صاحب سے بھی چشتیہ سلسلے کا خرقہ خلافت حاصل کیا یہ بات میں اس حوالے سے عرض کر رہا ہوں کہ خواجہ صاحب کے اکابر خلفاء میں (۱۷) سترہ نمبر پر ایک خلیفہ کا نام شیخ متا درج ہے یہ عرفیت اس درجہ منفرد ہے کہ ایک ہی عہد اور علاقہ میں اس ایک

عرفیت کے حامل دو بزرگوں کا ہونا قرین قیاس نہیں۔ مطا کی جگہ متا یعنی ط کا ت سے بدل جانا ہندی اثر ہے اس لئے کہ بدایوں کی بعض تحریروں میں بھی شیخ مطا کی جگہ شیخ متا لکھا ہے اس ضمن میں ایک اور بات جو وزن دار ہے وہ یہ کہ آپ سلطان جیؒ کے ہم عمر اور ان کے والد کے خلیفہ بھی تھے لاہور اور ملتان میں بھی ساتھ رہے اور حضرت سلطان جیؒ بدایونی چشتیہ سلسلہ کے بھی صاحب اجازت تھے جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور حمید الدین ناگوریؒ کے ہم صحبت تھے ممکن ہے کہ شیخ مطا کو بھی اسی نسبت سے شرف ہم نشینی و خلافت حاصل ہو۔ ویسے عمر و عہد کے حوالے سے آپ حضرت عمر شہاب الدین سہروردیؒ جن کا وصال ۶۳۲ھ میں ہوا اور خواجہ معین الدین چشتیؒ جن کا وصال ۶۳۳ھ میں ہوا اور شیخ شاہی حضرت سلطان جیؒ جن کا وصال ۶۳۲ھ میں ہوا کے ہمعصر تھے چونکہ آپ کا سنہ وصال ۶۳۴ھ ہے اور بدایوں میں حضرت احمد خیاط کے بالیں دفن ہیں آپ کی آٹھویں پشت میں ایک بزرگ محمد واصلؒ گزرے ہیں انکے دو بیٹے محمد کامل اور محمد مکمل شہیدؒ تھے محمد کامل لاولد تھے اور محمد مکمل شہید کے چار بیٹے تھے۔ آپ کی دو شادیاں ہوئی تھیں۔ زوجہ اولیٰ دختر قاضی عبد السلام عباسی لاولد تھیں اور زوجہ ثانیہ دختر حافظ عبد الغفور عثمانی کے بطن سے چار بیٹے تھے ان چاروں کی ترتیب ولادت کا کوئی علم نہیں۔

ایک بیٹے غلام محی الدین تھے جن کی شادی منشی محمد اجمل کی دختر سے ہوئی تھی ان کے بیٹا کوئی نہیں تھا تین بیٹیاں تھیں، ایک زوجہ عبد العزیز دوسری زوجہ آل حسن اور تیسری زوجہ فرزند حسن تھیں ان میں آل حسن اور فرزند حسن دونوں غلام محی الدین کے بھتیجے تھے۔

دوسرے بیٹے محمد اکمل کی شادی شیخ محمد اشرف فرشوری کی دختر سے ہوئی تھی ان

کے دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں بیٹوں کے نام عبدالستار اور محمد سعید تھے۔ یہ حافظ عبدالستار وہی ہیں جنھوں نے اپنے آباواجداد سے حاصل شدہ خاندانی دستاویزات اور پرچہ ہائے کہن کی مدد سے اپنا شجرۂ نسب مرتب کر کے جناب غلام شبر صاحب کو دیا تھا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اپنے والد کے بڑے بیٹے اور ان کے والد محمد اکمل اپنے والد محمد مکمل شہید" کے بڑے بیٹے ہوں گے۔ محمد اکمل کی چار بیٹیوں میں ایک کی شادی کرم احمد عثمانی بریلوی سے ہوئی تھی دوسری بیٹی زوجہ ابوالمظفر فرشوری تھیں۔ تیسری بیٹی زوجہ سدید الدین عباسی پروفیسر وحید الدین قادری کی دادی اور واحد بخش قادری کی نانی تھیں، چوتھی بیٹی زوجہ محمد رضا خرسوار یعنی مولوی ریحان رضا کی والدہ تھیں۔

تیسرے بیٹے حافظ حسن علی ابن محمد مکمل شہید تھے ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی زوجہ قاضی ظہور الحسن صدیقی تھیں۔ ایک بیٹے حافظ آل حسن جن کی شادی دختر محی الدین یعنی اپنی چچازاد بہن سے ہوئی تھی ان کی ایک بیٹی زوجہ مولوی محمد اصلح تھیں جن کی بیٹی کی شادی مقوی الاسلام عباسی سے ہوئی تھی۔ حافظ آل حسن کے بیٹے ضیاالحسن تھے جن کی بیٹی زوجہ عین الاسلام عباسی تھیں حافظ حسن علی کے دوسرے بیٹے فرزند حسن تھے ان کی شادی بھی اپنے چچا غلام محی الدین کی بیٹی سے ہوئی تھی ان کے دو بیٹے اظہار حسن اور اسرار حسن تھے جو بدایوں میں اپنی عرفیت اچھو اور پیارے سے پہچانے جاتے ہیں۔

چوتھے بیٹے مولوی محسن علی ابن محمد مکمل شہید" تھے ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں ایک بیٹی زوجہ محمد حسین صدیقی اور دوسری زوجہ تجمل حسین تھیں بیٹے مولوی محمد رضا اور مولوی محمد صالح تھے۔ مولوی محمد رضا کی شادی اپنے چچا محمد اکمل کی بیٹی سے ہوئی تھی جن کے دو

بیٹے رضوان رضا اور ریحان رضا تھے۔ ریحان رضا کی زوجہ اول سے ایک بیٹی زوجہ عبد الستار والدہ عبدالواسع تھیں اور ایک بیٹے عثمان رضا تھے ان کی بھی دونوں بیویوں سے اولاد ہے زوجہ اول دختر مولوی محمد اصلح اور زوجہ ثانی دختر مولوی امجد حسین پٹواری تھیں۔ مولوی محمد صالح کے اکلوتے بیٹے مولوی محمد اصلح تھے انکی زوجہ اول سے ایک بیٹی زوجہ مقوی الاسلام عباسی تھیں زوجہ ثانیہ دختر نذر حسین صدیقی تھیں ان سے پانچ بیٹے مولوی حبیب اصغر' مولوی محمد ریاض باقر' مولوی محمد علی عباس' مولوی محمد یونس اور مولوی سید احمد تھے ایک دختر زوجہ عثمان رضا دوسری بیٹی زوجہ علی ناظم صدیقی ولد علی حاتم صدیقی' تیسری بیٹی زوجہ محمد حامد رئیس الاسلام' چوتھی بیٹی زوجہ خواجہ نظام الدین قادری' پانچویں بیٹی زوجہ محمد یونس اور چھٹی بیٹی زوجہ ثانی پروفیسر ظفر احمد صدیقی تھیں۔ ان میں مولوی محمد علی عباس ولد مولوی محمد اصلح راقم الحروف محمد فائق کے والد بزرگوار تھے اور میرے بیٹے محمد اویس صدیقی' محمد بلال صدیقی اور محمد زید صدیقی ہیں۔ دو بیٹیاں عروسہ فائق اور عافیہ فراز ہیں۔

میرے چھوٹے بھائی محمد شائق کی شادی بلگرام کے ایک مشہور و معروف زیدی خاندان میں سید ابرار الحسن کی بیٹی انجم ابرار سے ہوئی ہے جن کے دو بیٹے محمد عزیر اور محمد اسید ہیں۔ شائق مع بیوی بچوں کے کینیڈا منتقل ہو گئے ہیں اور وہیں رہائش پذیر ہیں میرے سب سے چھوٹے بھائی کا نام محمد اشفاق صدیقی ہے ان کی شادی نگینہ کے مشہور شاعر کوکب شاوانی کی بیٹی ڈاکٹر غزالہ سے ہوئی ہے جن سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا شاہ رخ ہے۔ اشفاق اپنی بیوی اور تینوں بچوں کے ساتھ جدہ میں مقیم ہیں میری چار بہنوں میں سب سے بڑی زوجہ داور حسین حمیدی اس سے چھوٹی زوجہ مولوی سلمان رضا ان سے چھوٹی زوجہ محمد سرور شاہ اور

سب سے چھوٹی زوجہ محمد آصف صدیقی ہیں یہ چاروں اپنی اولاد سمیت کراچی میں ہی رہائش پذیر ہیں۔

میرے والد مرحوم کے بڑے بھائی مولوی ریاض باقر کے دو بیٹے محمد آفاق صدیقی اور محمد فاروق صدیقی کراچی میں مقیم ہیں ان کی دو بہنیں ہندوستان میں ہیں اور ایک بہن کراچی میں ہیں۔ والد مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی مولوی سید احمد کے چھ لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہین ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹی جس کا نام سعدیہ انجم زوجہ امتیاز الحسن ہے لاہور پاکستان مین مقیم ہے باقی سب اولاد ہندستان میں ہے بیٹوں کے نام قسیم احمد، علیم احمد، فہیم احمد، سرفراز احمد، سلیم احمد اور وسیم احمد ہیں۔ قسیم کی تین بیٹیاں ہیں اور علیم احمد کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا انس علیم ہے۔

کراچی میں دوسرا خرسوار خاندان مولوی عثمان رضا کے دو بیٹے مولوی سلمان رضا اور فرقان رضا اوران کی اولاد ہے نیز بڑے بیٹے مولوی غفران رضا کے عمران رضا ہیں جن کے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا محمد عمیر ہے جو کراچی میں ابو بکر صدیقؓ کی اکتسویں نسل کا پہلا فرد ہے علاوہ ازیں مولوی سلمان رضا کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں کراچی میں ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام کامران رضا ہے اس کے ایک بیٹا محمد شایان اور ایک بیٹی یمنہ انعم ہے دوسرے بیٹے فرحان رضا اور عفان رضا ہیں اور مولوی فرقان رضا کے ایک بیٹی اور دو بیٹے محمد حسان رضا اور محمد فیضان رضا ہیں۔ اس وقت کراچی میں نجیب الطرفین ''خرسوار'' محمد عمران رضا، محمد کامران رضا، محمد فرحان رضا اور محمد عفان رضا ہیں جن کے ماں، باپ، دادی، دادا، نانا، پرنانا اور پردادا سب ہی خرسوار ہیں۔

دوسرا مضمون مجلہ بدایوں کے ایک مستقل سلسلے ہمارے فرزند کے حوالے سے میرے تینوں بیٹوں کا تعارف ہے یہ مضمون جلد نمبر ۱۱ اور شمارہ نمبر ۵ میں شائع ہوا ہے

ہمارے فرزند

محمد اویس صدیقی، محمد بلال صدیقی، محمد زید صدیقی

اوائل عمر میں چند ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لائق تعارف ہوں اور کسی رسالے یا میگزین میں ان کا تعارف شائع کیا جائے ایسے تعارف بالعموم تعریفی ہوتے ہیں مگر زیر نظر تحریر تعریفی نہیں تعارفی ہے اور وہ بھی مجلہ بدایوں کی ضرورت کے مطابق کہ اس میں آج سے ایک مضمون ایسا بھی شامل رہے گا جو نئی نسل کے تعارف پر مشتمل ہوگا۔ اس سلسلے میں پہل میں نے کی ہے دیگر احباب سے توقع ہے کہ وہ یہ سلسلہ آگے بڑھانے میں مدد دینگے میں نے ایک جگہ اپنا تعارف چار مصرعوں میں یوں کرایا تھا۔

صبح جاتا ہوں شام آتا ہوں
ایک کالج میں میں پڑھاتا ہوں
باقی حالات سارے اچھے ہیں
ایک بیوی ہے پانچ بچے ہیں

تین بیٹے اور دو بیٹیاں یہ پانچوں بدایونی نہیں ہیں مگر بدایوں کے تہذیبی ورثہ کے مالک ضرور ہیں۔ ان میں سے کوئی کبھی بدایوں نہیں گیا مگر انہیں بدایوں سے محبت بہت ہے جیسے ہم کو قرطبہ سے ہے!

میرا سب سے بڑا بیٹا اویس ہے پورا نام محمد اویس صدیقی ہے کراچی میں نہیں۔ نیو

جرسی امریکہ میں ہے۔ اپنے وطن کرچی کو اکثر یاد کرتا ہے جیسے مجھے بدایوں یاد آتا ہے مگر میری یاد میں ایک کرب ہے جو ایک جبر کا نتیجہ ہے اس کی یاد میں طرب ہے جو ہجرت اختیاری کا نتیجہ ہے۔ شاید میں نے یہاں ہجرت کا لفظ غلط استعمال کیا ہے اس لئے کہ وہ اب بھی پاکستانی قومیت رکھتا ہے یہ ایک قانونی نکتہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کون امریکہ سے واپس آتا ہے۔ جسے ہری جھنڈی ملی۔ وہ گیا میں اویس کے امریکہ جانے پر ناراض نہیں رنجیدہ ضرور ہوں مگر اس رنج کی تہہ میں ایک طمانیت کی لہر مستقل ہے وہ اس لئے کہ وہ نہ اپنے دین کو بھولا ہے نہ اپنی تہذیب کو۔ اسے گئے ہوئے ۱۲ سال ہو گئے ۲۱ سال کی عمر میں امریکہ کا ماحول ملا مگر اس نے بحمد اللہ اپنے تقاضۂ عمر سے کامیاب جہاد کیا ہے۔ بقول علامہ اقبال:

وہی جواں ہے قبیلہ کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری

میں دور حاضر میں ضرب کاری کا درجہ اکل حلال کو دیتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے دونوں پیشے تدریس اور طب ایسے تھے کہ ان میں غلط روزی کے امکانات بہت کم تھے۔ بحمد اللہ اویس بھی ناجائز کمائی سے بہت دور ہے۔ ایک بیوی اور دو بچیوں کے ساتھ بھرپور زندگی گزار رہا ہے۔ شادی بھی ایک پاکستانی لڑکی سے میری پسند اور میرے ایک دوست سید عزیز الحسن اور ان کی بیگم ڈاکٹر سلمہ حسن کی تجویز پر ہوئی تھی یہ دونوں نیویارک میں ہیں اویس بھی اس وقت نیویارک میں تھے۔ اویس کی بیوی کا نام رومانہ ہے بڑی بیٹی جس کی عمر تین سال کے قریب ہے۔ مرسلہ عرفہ صدیقی ہے چھوٹی بیٹی کا پہلا سال ہے نام ہنیہ انزلہ ہے۔ ماشاء اللہ چاروں خوش ہیں۔ اویس کا تعلق کمپیوٹر کی خرید و فروخت سے ہے یہ ایک قسم کی تجارت ہے جس میں اتنی آمدنی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے اخراجات پورے کرنے کے علاوہ پاکستان میں بھی اپنے خاندان کی کفالت میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ حال ہی میں ایک بڑا

تجارتی خسارہ ہو جانے کے سبب کچھ تشویش ہے مگر یقین ہے کہ کارساز ما بہ فکر کار ما۔

اویس صلوٰۃ صوم کے پابند ہیں چہرہ غیر شرعی ہے۔ مگر سیرت اسلامی ہے احکامات دینوی کا اس قدر احساس رکھتے ہیں کہ زکوۃ کے پیسے اقارب کو پاکستان بھیجتے ہیں جن کی تقسیم میری صوابدید پر ہوتی ہے۔ قادری سروری سلسلے سے وابستہ ہیں ہر جمعرات کو سرکار غوث پاکؒ کا ختم شریف پڑھتے ہیں بزرگان کی فاتحہ اور درود وسلام کیلئے چاند کی تاریخوں اور اہم راتوں کا شمار رکھتے ہیں میرے اباجیؒ فرماتے تھے۔ ''صورت کافراں کرتوت موموناں'' وہ ارشاد اویس پر صادق آتا ہے۔

اویس کی تاریخ پیدائش اور میری تاریخ پیدائش قمری مہینوں کے حساب سے ایک ہے ۲۱ شعبان انگریزی تاریخ ۲۴ نومبر ۶۷ء ہے ابتدائی تعلیم کراچی میں ہوئی ہے۔ بسم اللہ میں نے پڑھائی تھی قرآن حکیم قاری محمد حسین مینگل نے ختم کروایا کے جی میں کلثوم بائی ولیکا اسکول میں داخلہ ہوا۔ لوئر سیکنڈری گرینڈ فوکس پبلک اسکول۔ کراچی سے اور میٹرک سپر ماڈل اکیڈمی سے کیا۔ ڈی جے کالج سے انٹر پاس کیا پھر ایس ایم۔ سائنس کالج میں آ گئے۔ گریجویشن کی تکمیل کے وقت کراچی میں نقل کی وبا پھیلی ہوئی تھی امتحان گاہ میں اچھے طالب علموں کی کاپیاں بزور طاقت چھین لی جاتی تھیں۔ نقل نہ کرنے والے کو امتحان دینا محال تھا۔ اس صورتحال سے دلبرداشتہ ہو کر اویس نے ملک چھوڑ کر امریکہ جانے کا فیصلہ کیا کینساس کے کسی اسکول میں داخلہ مل گیا وہاں سے شکاگو چلے گئے پھر نیویارک اور وہاں سے نیو جرسی امریکہ میں دوران قیام کمپیوٹر کی خرید و فروخت کا تجربہ حاصل کرنے کے ساتھ وہاں کے متعلقہ تجارتی اداروں سے اچھی واقفیت اور شناسائی حاصل کر لی جس کی بنیاد پر نیو جرسی کی کسی کمپنی نے نفع میں شراکت کی بنیاد پر اویس کی خدمات حاصل کر لیں۔ اسی دوران خود بھی چھوٹی تجارت شروع کی جو خاصی منافع بخش رہی اب بھی ایسا ہی کچھ سلسلہ جاری ہے۔

غرض یہ کہ اویس کامیابی سے زندگی کا سفر جاری رکھے ہوئے ہیں وہ ایک سعادت مند بیٹے' نرم خوشوہر' مشفق بھائی محب وطن پاکستانی' ادنیٰ امتی اور سرکار کے عاجز غلام ہیں۔ خواب میں سرکار دو عالمؐ اور کئی بزرگان دین کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔

محمد بلال صدیقی

میں نے کسی تحریر میں بلال پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ بلال میرا دوسرا اویس ہے۔ میرا یہی احساس آج بھی ہے۔ بلال اپنی انفرادی شخصیت کے ساتھ اویس کی کاپی ہیں۔ فرمانبردار' محنتی اور متحمل' تحمل میں لحاظ عمر کے ساتھ اویس سے کم نہیں محنت میں برابر مگر دونوں کی محنت میں فرق یہ ہے کہ اویس کی محنت منتشر رہی جبکہ بلال کی محنت مقصود بالمنزل ہے۔ والدین کے ساتھ بلال کا رویہ مثالی ہے جو شرفائے بدایوں کی شناخت ہے۔ بڑے بھائی کو بھی باب کی طرح سمجھتے ہیں اور در پردہ اس احساس میں مبتلا ہیں کہ بھیا مجھے بالکل بچہ سمجھتے ہیں شاید انکے چھوٹے بھائی محمد زید کو بھی ان سے متعلق یہی احساس ہوگا یہ اس لئے کہ ہمارے تہذیبی پس منظر میں بڑے بھائی کا یہی رویہ ہوتا ہے۔ چھوٹے بھائی کو اولاد کی طرح سمجھنا سوائے اس کے کہ دونوں کی عمر میں تفاوت بہت کم ہو۔

بلال کی ولادت سے پہلے کا ایک خواب ہے کہ بلال کی والدہ نے عالم خواب میں حضرت غوث پاکؒ سے بیٹے کی آرزو کی تھی اس لئے کہ بلال سے پہلے اور اویس کے بعد دونون بیٹیاں ہوئی تھیں' عروسہ اور عافیہ۔ خواب کی آرزو حقیقت بن گئی اور بلال کی ولادت میں گیارہویں شریف کی نسبت اس قدر اجاگر رہی کہ ان کی ولادت ربیع الثانی کی گیارہ تاریخ کو گیارہ نمبر کمرے میں گیارہ بجے دن ہوئی اور ولادت کے چند دن بعد جب پہلی مرتبہ وزن کیا گیا تو وہ بھی گیارہ پونڈ تھا۔ بلال کو گیارہ کی نسبت کا نمایاں احساس ہے اور وہ بڑے پیر صاحب حضرت غوث پاکؒ سے خصوصی لگاؤ رکھتے ہین میلان طبع دینی ہے روزہ کبھی قضاء نہیں ہوا نماز کی پابندی میں کوشاں رہتے ہیں۔ اہم راتوں میں جاگنا بھی معمول رہا ہے۔ قرآن حکیم بچپن میں ہی ختم کر لیا تھا درود تاج شریف کا ورد رکھتے ہیں۔

انگریزی حساب سے ان کی تاریخ پیدائش ۳ مئی ۱۹۷۸ء ہے کاغذات میں بھی یہی اندراج ہے۔ بسم اللہ شریف میں نے ہی پڑھائی تھی ابتدائی جماعتیں پیر کالونی کے ایک اسکول سے پاس کیں لوئر سیکنڈری گلشن اقبال پبلک اسکول اور میٹرک پروگریسو چلڈرن اکیڈمی سے کیا۔ انٹرمیڈیٹ دہلی کالج سے کر کے ایس ایم سائنس کالج میں داخلہ لیا مگر درمیان میں سلسلہ ترک کر کے بحریہ کالج میں بی سی ایس میں داخلہ مل گیا بحریہ کالج میں ان کی پڑھائی بھی اور تربیت بھی بہترین ہوئی تھی ساتھی اچھے ملے اساتذہ بھی اور کالج کی فضاء بھی مثالی رہی۔ ابتدائی ایام میں کرکٹ موسیقی اور نعت خوانی سے شغف خاص رہا مگر بعد میں ہر شوق اور پسند پر کمپیوٹر حاوی ہو گیا وہی ہابی بھی رہا اور کیریر بھی بی۔سی۔ ایس کرنے کے بعد ایک مقامی سوفٹ ویر کمپنی میں حصول تجربہ کیلئے جز وقتی ملازمت کر لی مگر سلسلۂ تعلیم جاری رہا اور بحریہ کالج سے ایم۔ ایس (کمپیوٹر) کی ڈگری لی ماسٹر کر لینے کے بعد جز وقتی ملازمت کل وقتی کیا ہمہ وقتی ہوگئی ابھی تک سلسلہ ملازمت وہی جاری ہے امریکہ کی ایک کمپنی نے ان کی سی۔وی دیکھ کر رابطہ کیا اور ایک سخت انٹرویو کے بعد ملازمت کی پیشکش کی اسی کی بنیاد پر انہیں ان کی بیوی کو امریکہ کا ویزا ایچ۔ون۔مل گیا۔ اب جانے کی تیاری میں ہیں بلال کی شادی ۳ ستمبر ۲۰۰۰ء میں میاں محمود عالم سہروردی کی پوتی اور میاں مسعود عالم کی بیٹی مہوش سے کراچی میں ہی ہوئی۔ مہوش بھی بحریہ کالج کی سابق طالبہ ہیں۔ بی۔ بی۔ اے کیا ہے اور ابھی تک دلہن بنی ہوئی ہیں یا ان کی ساس انہیں دلہن بنائے ہوئے ہیں۔ میں نے بلال کی شادی پر ایک تہنیت لکھی تھی جس کا ایک شعر یہ بھی تھا کہ:

مجھے امید تھی یہ لمحۂ مسعود آئے گا
کسی مہوش کے جلوؤں سے میرا گھر جگمگائے گا

محمد زید صدیقی

یہ میرے سب سے چھوٹے بیٹے ہیں ان کا نام زید ہے انگریزی میں لکھئے تو Z ہیں اور میرے آخری بیٹے یہ بھی اپنے دونوں بڑے بھائیوں کی طرح کمپیوٹر سے ہی

وابستہ ہیں ۔کومٹ میں بی ۔سی ۔ایس کے طالب علم ہیں ۔کومٹ مخفف ہے کالج آف مینجمنٹ اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی کا یہ ایک نیا ادارہ ہے خاصہ معیاری اور مہنگا مگر بہترین تعلیم و تربیت کا عمدہ انتظام ہے۔ زید کی شخصیت میں فرض شناسی ایک بنیادی اور نمایاں عنصر ہے۔ جب سے کالج میں دخلہ لیا ہے ایک بھی غیر حاضری نہیں ہوئی ۔ یہی پابندی روزمرہ معمولات میں بھی ہے۔ ہر کام طے شدہ پروگرام کے مطابق کرتے ہیں انتہاء یہ کہ اگر وقت برباد بھی کرنا ہو تو پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ کرکٹ اور موسیقی دو دلچسپیاں ہیں جنہیں میں نے اپنی کسی تحریر میں ان کا دوست نما دشمن قرار دیا تھا۔ مگر اب دشمن کمزور پڑ رہے ہیں کمپیوٹر سے دوستی بڑھ رہی ہے بلکہ یہ جن سوار ہو چکا ہے خیال ہے کہ یہی کیریر بھی ہوگا۔

زید کی تاریخ پیدائش ۲۳ دسمبر ۱۹۷۹ء ہے ۲۱ سال کی عمر ہے نوبلوغ کا زمانہ بحمد اللہ بغیر کسی نفسیاتی ضرر کے گذر گیا۔ طفلانہ تندی میں خاصی کمی آئی ہے۔ تحمل پیدا ہو رہا ہے دوسروں کے درد و غم کا ادارک بھی کرنے لگے ہیں سماجی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو رہا ہے والدہ کی خاطر تھوڑی بہت ڈرائیونگ کرنی پڑتی ہے مگر زیادہ تر وقت پڑھائی میں گذر رہا ہے۔ کھانے پینے میں سادہ مزاج ہے جو ملے خوشی سے کھالیتے ہیں۔ اپنے کپڑے جوتے کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ میں نے جوتے اور موزے کی صفائی کیلئے ایک مرتبہ خاصی تاکید کی تھی اس کے بعد سے آج تک اس کے جوتے پر مٹی نہیں دیکھی ۔ زید میں یہ خاص بات ہے جو بھی کام تفویض کیا جائے تو پوری ذمہ داری سے کرتے ہیں۔ میری کہی ہوئی بات کو اویس اور بلال کی طرح وزن دیتے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تینوں کو دنیا و آخرت میں آسانیاں، خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

تیسرا مضمون بدایوں میں ہمارے مورث اعلی حضرت شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ کی آمد سے متعلق ہے جو اپنے مرشد حضرت سید اعزالدینؒ والد بزرگوار حضرت سلطان جیؒ اور حضرت شاہ ولایتؒ کے ہمراہ بعد تکمیل فریضہ حج حجاز مقدس سے چلکر لاہور میں قیام پذیر ہوئے تھے اور پھر ۶۲۰ھ میں بدایوں آکر یہیں متوطن ہو گئے جن کی اولاد بدایوں کراچی، نیویارک، نیوجرسی اور ٹورنٹو میں مقیم ہے اور خرسوار خاندان سے تعلق رکھتی ہے خرسوار خاندان کا نام اسلئے پڑا کہ شیخ مطیع اللہ شروانیؒ خچر پر مستقل سواری کرتے تھے اور اہل بدایوں میں خرسوار مشہور تھے۔

شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ

(مطاؒ خرسوار)

علم وفضل، شعروادب، دین وثقافت کلام وتصوف اور رزم وبزم ہر لحاظ سے بدایوں کا ماضی اس کے حال سے زیادہ درخشندہ وتابندہ رہا ہے۔ کم وبیش گزشتہ آٹھ سو سال کا دور بدایوں کا بہترین دور ہے بلکہ یہ مدت اس سے بھی کچھ زیادہ ہے اس لئے کہ ساتویں صدی ہجری کے اوائل اور چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں بدایوں نے ایک دینی ثقافتی اور علمی مرکز کی حیثیت سے وہ شہرت حاصل کرلی تھی کہ نہ صرف برصغیر بلکہ پوری دنیا سے علم وفضل کے متلاشی بدایوں کا رخ اختیار کرنے لگے تھے۔ فضل وعلم کی کشش نے جن اکابرین کو بدایوں کی راہ دکھائی ان کی فہرست بہت طویل ہے ان اکابرین میں ایک اہم نام حضرت خواجہ سید اعزاز الدین احمد یمنیؒ کا ہے۔ آپ حسینی سید تھے آپ کا نسبی سلسلہ پندرہ پشت بعد حضرت حسینؓ سے ملتا ہے آپ کا تعلق یمن

کے شاہی خاندان سے تھا۔ طالب راہ حقیقت تھے اس لئے شکوہ ظاہری چھوڑ کر راہ سلوک اختیار کی تھی آبائی سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار سے بیعت تھے اور انکے خلیفہ بھی تھے۔ آپ کی عمر کا اندازہ تقریباً ڈیڑھ سو سال ہے آپ آخر میں حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سہروردیہ سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔ بدایوں میں آپ کی آمد ۶۰۴ھ ہے اور تاریخ وصال ۱۸ رجب ۶۰۵ ھ ہے۔ یعنی بدایوں میں آپ کے قیام کی مدت صرف ایک سال ہے۔ آپ کے تین بیٹے اولیائے بدایوں میں معروف ترین ہیں ان میں پہلا نام حضرت شیخ حسن شیخ شاہی سلطان جیؒ کا ہے جن کی درگاہ پر حاضری دینے کیلئے دور دور سے زائرین آتے ہیں۔ منتیں مانتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین یا بدایوں کی زبان میں ''سلطانجی صاحب'' کی درگاہ میں ایوان سلطانی کے اندر حضرت سید اعزالدینؒ کا مزار شریف ہے اور آپ کے پہلو میں آپ کی اہلیہ مدفون ہیں۔ آپ کے دوسرے بیٹے حضرت بدر الدین موئے تاب شاہ ولایتؒ صاحب ہیں اور تیسرے بیٹے حضرت خواجہ عثمان سہروردیؒ ہیں جن کے مزارات پر اولیائے اکابر، زائرین کرام اور حاجتمند دور دور سے حاضری دینے آتے ہیں سید اعزالدین اور ان کے ابناء کے فیضان سے بدایوں کی فضائیں نور آگئیں ہیں مگر اسی خانوادہ کی پروردہ ایک بزرگ و برگزیدہ شخصیت اپنے تمام باطنی مراتب و مدارج کو پردہ اخفا میں لئے ہوئے شیخ احمد خیاط کے بالین پر اس طرح محو خواب ہیں کہ خود ان کی اولاد بھی ان کی روحانی عظمت اور مدارج و مراتب اور باطنی کمالات سے ناواقف ہے۔ یہ برگزیدہ شخصیت حضرت مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ ہیں جو بدایوں کی تاریخ میں شیخ مطاخر سوار کے نام سے مشہور ہوئے جن کا خاندان گزشتہ آٹھ سو سال سے شیوخ صدیقی عبدالرحمانی میں ایک نمایاں مقام اور

امتیازی حیثیت کے ساتھ بدایوں میں موجود ہے۔ تذکروں میں بیان شدہ حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ مطیع اللہ شروانیؒ کو حضرت سلطان جی، حضرت شاہ ولایت، حضرت عثمان سہروردی اوران کے والد سید اعز الدینؒ سے قرب خاص رہا ہے معتبر حوالوں سے ثابت ہے کہ آپ سید اعز الدینؒ کے مرید تھے ان سے ہی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا ان کے ہی ساتھ ۶۷۵ھ میں سعادت حج بیت اللہ حاصل کی تھی اور واپسی میں ان کی ہی ہمراہی میں ہندوستان تشریف لاکر لاہور میں قیام پذیر ہوئے تھے خواجہ سید اعز الدینؒ نے ہندوستان آنے سے قبل آخر زمانے میں غالباً حج سے واپسی کے وقت حضرت خواجہ عمر شہاب الدین سہروردیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر مطیع اللہ شروانیؒ نے جو حضرت عمر خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ کے ہم عصر بلکہ ہم عمر تھے خواجہ صاحب سے اپنی سہروردی نسبت کو اپنے شیخ کی معرفت ہی قائم رکھا اور براہ راست بیعت کو "یک در گیر ومحکم گیر" کے اصول سے متصادم نہ ہونے دیا اگر حقائق یونہی ہیں تو یہ "حب شیخ" کی ایک بہترین مثال ہے۔

نسب کے لحاظ سے شیخ مطیع اللہ حضرت عبدالرحمٰن کی معرفت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے سولہویں پوتے ہیں آپ کے والد حضرت مولانا حسام الدین ایک بڑے عالم اور اپنے عہد کی ایک مشہور شخصیت تھے خلیفہ مستنصر باللہ نے اپنی تعلیمی اصلاحات کے دوران آپ کو مدرسۂ ہرات کا مدرس مقرر کیا تھا نسب نامہ خرسواراں کے مندرجات کے مطابق شیخ مطیع اللہ ہراتؒ سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کی ولادت شہر شرواں میں ہوئی تھی اسی لئے آپ کے نام کے ساتھ شروانی لکھا گیا ہے۔ عرب وعجم میں کافی سیاحت کی تھی تجارت پیشہ تھے اور خچر پر سواری کرتے تھے اس لئے اہل بدایوں نے انہیں خرسوار کہا ہے۔ جب پہلی مرتبہ ۶۲۷ء میں آپ

بدایوں کے منظر عام پر آئے' اس وقت بھی خچر پر ہی سوار تھے آئندہ سطور میں اس اجمال کی تفصیل پیش کی جائے گی۔

شیخ مطا خرسوار نہایت' عابد وزاہد عارف حق تھے پابندئ صلوٰۃ میں آپ خود ہی اپنی مثال تھے فرائض اور سنن موکدہ تو کجا غیر موکدہ سنن کے بھی پابند تھے کبھی عصر کی سنتیں بھی قضاء نہیں ہوئی تھیں نسب نامہ خرسواروں میں مولوی غلام شبر نے نام کے ساتھ حافظ بھی لکھا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کی روحانی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جس کا تذکرہ کلمتہ باقیہ میں حضرت ملا عبداللہ مکی کی تدفین کے ضمن میں کیا گیا ہے مولف رقم طراز ہے۔

حضرت عبداللہ مکی مکہ سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ اول لاہور میں قیام کیا پسر نجیب اللہ کو وہاں چھوڑ کر ۶۱۰ھ میں بدایوں تشریف لائے۔ قبر احمد خیاط پر ہے۔ قبل انتقال حضرت نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی سنتیں عصر نہ قضا ہوئی ہوں۔ تھوڑی دیر انتظار کرنا شائد کوئی بھائی میرا اس صفت کا آجائے جس وقت انتقال ہوا اور جنازہ تیار ہوکر گورستان میں پہنچا۔ بالیں احمد خیاطؒ رکھا گیا اور بموجب وصیت انتظار کیا۔ ایک شخص خرسوار نورانی شکل جانب شمال سے نمودار ہوئے اور سلام علیک کر کے شریک ہوئے اور اول ہی مرتبہ ہاتھ حافظ محمد یعقوب کا پکڑ کر فرمایا کہ ''برخوردار در نماز و دفن شیخ چہ انتظار است''۔ حافظ صاحب نے سب حال عرض کیا۔ نعرہ مار کر فرمایا ''برائے ایں کار بندۂ شرمسار آمدہ است'' پھر نماز پڑھائی اور ہمراہ لوگوں کے شہر میں آئے اور توطن اختیار کیا۔ نام شیخ متن تھا۔

اقتباس میں نام شیخ متن لکھا گیا ہے نام میں ط کی جگہ ''ت'' ہندی اثرات کے غلبہ کی غلطی ہے اور شیخ مطا کے بجائے ''مطن'' ملا عبدالقادر کا تصرف ہے جس نے

اپنے ہجویہ میں شرفائے بدایوں کو جو سلام لکھا ہے اس میں ضرورت قافیہ کے تحت "مطا"، کو "مطن"، کر دیا ہے "آل مطن را سلام" اس اقتباس میں بیان کردہ واقعہ ایک طور پر دو اولیائے کرام کی مشترکہ کرامت ہے اور اس سے ناقابل تردید درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ حضرت عبداللہ مکیؒ ایک ایسے ولی اللہ تھے جنہیں یہ معلوم تھا کہ انکی نماز جنازہ کون پڑھائے گا جب ہی تو فرمایا کہ انتظار کرنا شاید کوئی بھائی میرا اس صفت کا آجائے۔

دوم یہ کہ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ اس پایہ کے بزرگ تھے کہ انہیں عبداللہ مکی کی وفات کا بروقت علم ہوگیا۔ نیز یہ بھی ان کے علم میں رہا کہ جنازہ کس وقت اور کس جگہ گورستان میں رکھا جائے گا۔

سوم یہ کہ مطیع اللہ شروانی سہرودیؒ اس وصیت سے بھی واقف تھے جو عبداللہ مکی نے اپنے بیٹے سے کی تھی۔

چہارم یہ کہ انہیں یہ بھی علم تھا کہ حافظ یعقوب ملا عبداللہ مکی کے بیٹے ہیں۔ جب ہی تو بغیر کسی شناخت یا تعارف ان سے "برخوردار" کہہ کے مخاطب ہوئے۔

ایک اور بات جو اس واقعہ سے اخذ ہوتی ہے وہ یہ کہ شیخ مطیع اللہؒ ۶۲۷ھ میں سرزمین بدایوں پر موجود تھے۔ ویسے ان کی بدایوں آمد کا سال نسب نامہ خرسواراں کے حاشیہ میں ۶۲۰ھ درج ہے اور مردان خدا میں تحریر ہے کہ وہ اپنے پیرو مرشد کے وصال کے بعد بدایوں تشریف لائے اور ملا عبداللہ مکیؒ کے جنازہ کی نماز پڑھا کر ان کی وصیت پوری کی۔ شواہد بالا سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے مرشد سید اعزالدینؒ یمنی کے پندرہ سال بعد یعنی حضرت سلطانجیؒ کے زمانے میں بدایوں آئے اور چودہ سال

بدایوں میں قیام کے بعد وصال فرمایا اور اسی جگہ دفن ہوئے جہاں ملا عبداللہ مکی کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

نسب نامہ خرسوارں کے مطابق آپ امیر المومنین ابو بکر صدیق ؓ کے سولہویں پوتے تھے اور اس کے بعد آپ کے بیٹے شیخ محمدؒ ان کے بیٹے شیخ حبیب اللہؒ اور ان کے بیٹے شیخ عبدالحمیدؒ بدایوں میں ہی رہے۔ اور شیخ عبدالحمید کے چھ بیٹے ہوئے جن میں محمد کبیر اور محمد شریف سے یہ نسل چلی اور بدایوں میں پھلی پھولی ان میں ہی شیخ مطیع اللہ سہروردیؒ کی نویں بشت میں ایک مشہور شخصیت محمد مکمل شہیدؒ کی تھی جن کے بیٹے مولوی محسن علی راقم الحروف کے دادا کے دادا تھے۔ اس وقت شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ کی سولہویں اور پندرہویں پشتیں بدایوں ۔ کراچی ۔ مشرق وسطی کینڈا اور امریکہ میں موجود ہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب ملا عبداللہ مکی نے اپنی نماز جنازہ کیلئے وصیت کی تو لوگوں نے پوچھا کہ نماز پڑھانے کے لئے آنے والے بزرگ کی شناخت کیا ہے تو حضرت عبداللہ مکیؒ نے اپنا ایک مقفل صندوق دیا اور فرمایا کہ یہ صندوق کسی سے نہیں کھلے گا ہاں جو بزرگ میری نماز جنازہ پڑھائیں ان کے سامنے رکھ دینا جب وہ ہاتھ لگائینگے تو کھل جائے گا۔ بعدہٗ ایسا ہی ہوا یہ روایت متولی اور خرسوار دونوں ہی خاندانوں کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے ان میں متولی حضرت عبداللہ مکی کی اور خرسوار شیخ مطیع اللہ شروانی کی اولاد ہیں ۔ راقم نے اس روایت کی تصدیق چاہی تو کراچی میں مقیم متولی خاندان کے بزرگوں نے اس کی تصدیق کی مگر مردان خدایا تذکرۃ العادفین میں اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ شاید بدایوں میں مقیم بعض بزرگ اس کی تصدیق کر سکیں۔

اس سے اگلا مضمون جناب عبد الماجد صدیقی کی تحریر ہے اور میری کتاب متاع آخرت کے حوالے سے میری نعتیہ شاعری پر تبصرہ ہے جو مجلہ بدایوں کی جلد نمبر ۱۲ اور شمارہ نمبر ۱۰ میں شائع شدہ ہے (اس شمارہ میں جلد نمبر ۱۰ کی جگہ غلطی سے جلد نمبر ۱۲ چھپ گیا ہے)

تبصرہ

عبد الماجد صدیقی

متاعِ آخرت

متاع آخرت فائق بدایونی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے نہایت عمدہ کاغذ، عمدہ کتابت اعلیٰ طباعت اور خوبصورت و دیدہ زیب سرورق کا یہ مختصر مرقع اسی ماہ شائع ہوا ہے۔ فائق صاحب کے مزاج میں شہرت پسندی اور خودنمائی برائے نام بھی نہیں۔ اسی لئے انہوں نے ہمیشہ اپنی تحریروں اور اپنی شاعری کی پبلسٹی سے گریز کیا ہے۔ وہ بنیادی طور پر نفسیات کے پروفیسر ہیں۔ نفسیات، تعلیم اور تعلیمی تحقیق پر ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں طلبہ نے ان کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے کم و بیش ڈیڑھ سو تحقیقی مقالات ان کی رہنمائی میں مکمل ہوئے ہیں۔ ان کی نصابی کتب کی تعداد ایک درجن سے اوپر ہے جو فرسٹ ایئر سے لے کر ایم اے تک طلبہ کے زیر مطالعہ ہیں بلکہ تعلیمی تحقیق تو محققین کے لئے بھی رہنما کتاب ہے۔ علاوہ ازیں وہ ایک اعلیٰ پائے کے براڈ کاسٹر اور مقرر بھی رہے ہیں اور اب پاکستان کے ایک معروف ہومیو پیتھ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں

فائق صاحب میں شعر گوئی کی بے انتہا صلاحیتیں موجود ہیں، نظم، غزل قطعات طنز و مزاح اور حمد و نعت و منقبت ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ ۵۴ء سے ۸۰ء تک کا زمانہ انتہائی فعال گزارا ہے محفلوں، جلسوں کانفرنسوں اور مشاعروں کی جان رہے ہیں۔ صحافت

سے بھی شغف رہا ہے۔ ''سحر اور دی کیور'' کی ادارت بھی کی ہے۔ گذشتہ دس سال سے گوشہ نشینی جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ مگر اس دور میں بھی انہوں نے قلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ ۱۹۹۷ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد سے اب تک ان کی تین کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ جن میں صدیوں کا سفر (بدایوں سے کراچی تک) اہل بدایوں میں بہت مقبول ہوئی۔ دوسری کتاب ''اجالے'' جو تصوف وطریقت کے مسائل اور اپنے قادری سروری سلسلے کے تعارف نیز اپنے شیخ کی مناقب پر مشتمل ہے اپنے حلقہ میں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی ہے اب نومبر ۲۰۰۰ء میں ان کا مجموعۂ نعت متاع آخرت کے نام سے آیا ہے۔

''متاع آخرت'' کا انتساب بنام محمد ﷺ و آل محمد ﷺ ہے سب سے پہلے ایک حمد ہے جس پر بریلوی رنگ حاوی ہے مطلع ہے کہ

کہیں بندے سے بھلا حمد وثنا ہوتی ہے
یہ بھی توفیق در شہ ﷺ سے عطا ہوتی ہے

حمد کے بعد ایک سلام ہے اس میں بھی بریلویت بلکہ بدایونیت پوری طرح جھلک رہی ہے چار شعر ملاحظہ ہوں۔

سلام اے ماہ تابان نبوت
سلام اے شان شایان نبوت

....

سلام اے سیدی یا نور العینی
سلام اے سیدی جد الحسینی

....

سلام اے جد غوث پاکؒ آقا
سلام اے صاحب لولاکؐ آقا

سلام اے روشنیٔ طور سینا
سلام اے جلوہ فرمائے مدینہ

حمد وسلام کے بعد تقریباً ۴۰ نعتیں ہیں۔ فائق صاحب کے نعتیہ کلام پر مختصر ترین تبصرہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ بدایونی نعتیں ہیں یعنی یہ کہ ان میں عمومی رویہ بدایوں کے صحیح العقیدہ اہل سنن کا ہے اور لب ولہجہ اور زبان بدایوں کی ہے بدایوں کی زبان بھی ایک مستحکم اور بلیغ اشارہ ہے کہ اس میں کہیں داغؔ کہیں امیرؔ اور کہیں حالیؔ کی جھلک نظر آتی ہے۔ بیان وفن کے نقائص سے پاک صاف اور ستھری زبان جو شاعر کی شیریں وٙنی کی آئینہ دار ہے۔ پھر اس پر بدایوں کے اولیاء کے فیضان اور پیران پیرؒ کی دستگیری نیز ان کے شیخ محبوب غوث الاعظمؒ کی نظر سے انہیں جو جذبہ صادق اور عشق رسول ﷺ عطا ہوا ہے ہر جگہ اس کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

میں کتاب حیات کا اپنی
انتساب ان ﷺ کے نام کرتا ہوں

....

بھیجتے ہیں سلام جو ان پر
میں انہیں بھی سلام کرتا ہوں

....

رہتی ہیں ان کے تصور سے منور راتیں
یہ دیئے ہم تو سر شام جلا لیتے ہیں

....

شب تنہائی میں بے ساختہ آنسو نکلتے ہیں
مجھے توفیق دی ہے خلوت شب میں چراغاں کی

جو محروم جلوہ ہو، جائے مدینہ
میں بیٹھا ہوں دل میں سجائے مدینہ

....

مکیں پہ بھی قرباں مکاں پہ بھی قرباں
فدائے محمد ﷺ فدائے مدینہ

....

نہ کوئی آرزو رکھنا نہ کوئی جستجو کرنا
انہی ﷺ کی یاد میں رہنا انہی کی گفتگو کرنا

....

وہی سنتے رہنا وہی خود سنانا
نبی ﷺ کی حکایت نبی ﷺ کا فسانہ

....

انہی کا نام بس ورد زباں ہے
یہی عنوان میری داستاں ہے

....

فرشتو مجھ سے کوئی نعت سن لو
سوالوں کی مجھے عادت نہیں ہے

....

دیدار روئے شاہ کا امکاں نظر میں ہے
صحرا میں پھر رہا ہوں گلستاں نظر میں ہے

....

ہو آتش غم آتش نمرود سے بڑھ کر
اس چشم کرم میں بھی تو گلزار بڑے ہیں

ایک اور بات جو فائق صاحب کی نعتیہ شاعری میں نظر آتی ہے وہ رنگ غزل کی

آمیزش ہے ان کے نعتیہ کلام میں گاہے گاہے ایسے شعر نظر آتے ہیں کہ اگر انہیں اپنے پس منظر سے ہٹا کر دیکھا جائے تو غزل کے شعر معلوم ہونگے مگر نعتیہ حوالے سے ان کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

نیرنگئ بہار ترے دم قدم سے ہے
گلشن کا کاروبار ترے دم قدم سے ہے

آگے فرماتے ہیں

خود اپنی ذات میں تو کسی کو نہیں ثبات
ہر جلوہ پائیدار ترے دم قدم سے ہے

....

یہ مہر و ماہ و انجم و پروین و کہکشاں
ان سب کا اعتبار ترے دم قدم سے ہے

اور اس کے ساتھ ہی اسی نعت میں خالص نعتیہ غزل کا رنگ۔

تنظیم کائنات ہے تیرے ہی نور سے
کونین کا حصار ترے دم قدم سے ہے

....

ٹھہرا ہے تیرے نام پہ کونین کا نظام
عالم یہ استوار ترے دم قدم سے ہے

بعض جگہ پر مضمون آفرینی کی خوبصورت مثالیں نظر آتی ہیں مثلاً ذیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

انہی کے سایہ میں دونوں جہاں ہیں
کہاں سایہ نظر آئے جہاں میں

پس پردہ خدا ہے آئینہ اس کا محمد ﷺ ہیں
شب مہتاب بھی ہے روشنی مہر درخشاں کی

....

اسی لمحہ کو تو اہل نظر معراج کہتے ہیں
نگاہ یار جب محو جمال یار ہوجائے

....

کچھ بھی نہ نظر آیا ہمیں راہ خدا میں
بس آپ کا اک نقش کف پا نظر آیا

....

عبدیت تا کمال کو پہنچے
یا نبی ﷺ اپنا نقش پا دینا

....

وصل خدا تو فرش زمیں پہ بھی تھا نصیب
معراج آئینہ ہے اسی کے کمال کا

....

کون سا جلوہ معتبر ٹھہرا
دل میں دیکھیں کہ بام پر دیکھیں

....

تمنائے گلاب و مشک و عنبر
خیال بوئے گیسوئے پیمبر

....

وہ جلوۂ بے مثل کا آئینہ ہوئے ہیں
تشبیہ نہیں کوئی بھی شایان محمد ﷺ

....

قافلے آکے بہاروں کے شب غم مجھ سے
بوئے گیسوئے معنبر کا پتہ لیتے ہیں

....

زندگی تو نہیں یہ سانس کا آنا جانا
ہاں اگر آپ کے دامن کی ہوا مل جائے

....

رندوں کا اگر شیوۂ رندانہ سلامت
فائقؔ مرے سرکار کا میخانہ سلامت

....

مجھ کو تو ہوش نہیں یاد ہو تجھ کو شائد
چشم حیرت در سرکارؐ پہ کیا کیا دیکھا

....

کوئی خالی نہیں پھرتا یہاں سے
روایت ہے در خیر الوریٰؐ کی

....

وہ عرش نشیں نور ازل صاحب قوسین
بندوں میں اتر آیا تو بندہ نظر آیا

....

دوئی سے حرف وحدت کو بچایا
شعور و آگہی پہ تیرا احساں

فائق صاحب کے نعتیہ کلام کے اکثر اشعار ایسے ہیں جو قارئین تک پہنچنے چاہیں مگر میں احساس ضرورت کے تحت مضمون مختصر کر رہا ہوں اگر آپ متاع آخرت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کی قیمت دعائے خیر ہے۔ آپ فون نمبر 6365255 پر رابطہ کر کے کتاب حاصل کر سکتے ہیں۔ پتہ درج ذیل ہے۔

بی ۳۰۶/۱۰۔ فیڈرل بی ایریا، گلبرگ ٹاؤن کراچی

ذیل کا مضمون بھی میری کتاب پر تبصرہ کے طور پر شائع ہوا ہے تحریر عبدالماجد صدیقی کی ہے شاید کتاب آپکی نظر سے گذری ہو جسکا نام صدیوں کا سفر (بدایوں سے کراچی تک) ہے یہ تحریر مجلۂ بدایوں کی جلد نمبر ۱۱ شمارہ نمبر ۶ سے منقول ہے۔

عبدالماجد صدیقی　　　تبصرہ

صدیوں کا سفر

(بدایوں سے کراچی تک)

پروفیسر محمد فائق بدایونی کی کتاب صدیوں کا سفر اپنی نوعیت کی ایک منفرد کتاب ہے جس کو از روئے درجہ بندی ایک خاص قسم کی خودنوشت سوانح قرار دیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے دو پہلو ایسے ہیں جو بالعموم سوانح کی تعریف میں نہیں آتے ۔ ایک تو اس کا وہ تاریخی حصہ ہے جس میں مصنف نے اپنے نسب نامہ پر تحقیق کر کے معتبر حوالہ جات کے ساتھ اسے حضرت عبدالرحمان کی معرفت سیدنا ابو بکر صدیقؓ تک پہنچا کر اپنی نسلی صدیقیت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس میں صدیق اکبرؓ سے ان کے سولھویں پوتے شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ تک ولدیت کے بیان کے ساتھ ان پندرہ بزرگوں کا تذکرہ ہے جو بلد الامین سے لے کر بلاد عجم و ہرات و شرواں تک مقیم رہے خصوصاً مولانا حسام الدین جو مدرسۂ ہرات کے مدرس رہے تھے اور ان کے بیٹے شیخ مطیع اللہ شروانی سہروردیؒ جو سب سے پہلے ہندوستان (لاہور) آئے اور انہوں نے ۶۲۰ ہجری میں بدایوں میں توطن اختیار کیا۔ شیخ مطیع اللہ کے ساتویں پوتے محمد واصل کے بیٹے حضرت محمد مکمل شہیدؒ کے بعد سات پشتوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

دوسرے باب میں پروفیسر فائق بدایونی نے اپنے دادا مولوی محمد اصلح کی اولاد کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے اور ہر ایک کی شخصیت کے خوبصورت الفاظ میں خاکے مرتب کئے ہیں جو ایک طور پر شخصیت نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ تیسرے باب میں اپنے والد بزرگوار مولوی محمد علی عباس اور ان کی اولاد یعنی اپنے حقیقی بہن بھائیوں کی اور ان کی اولاد کی تفصیلات لکھی ہیں جس میں شخصیت نگاری کے فن کا بھرپور مظاہرہ کرنے کے علاوہ ہجرت کا احوال اور اپنی پاکستان آمد کی داستان انتہائی اثر انگیز انداز میں تحریر کی ہے۔ خصوصاً ارض پاک کی کھوکھراپار والی سرحد کے بے آب و گیاہ ریگستان میں پیدل سفر کا نہایت دلسوز بیان ہے۔ اسی اثر انگیزی کے ساتھ اس سے پیشتر باب میں انہوں نے بدایوں کا نقشہ دلچسپ پیرایہ میں پیش کرتے ہوئے بدایوں کے بارہ مہینوں کے حوالے سے جو اس کی ثقافتی تصویر کشی کی ہے وہ انشا پردازی کا بہترین نمونہ اور کلچرل رائٹنگ کی ایسی مثال ہے جو بدایوں کی دینی اور ثقافتی عظمت کی آئینہ دار ہے۔

چوتھے باب میں مصنف نے اپنی ذات اور اپنی اولاد اور نئی قرابتوں کے حوالے کے ساتھ کراچی کی سخت کوش زندگی کا مرقع پیش کیا ہے جسے پڑھ کر آنے والی نسلیں یقیناً پکار اٹھیں گی کہ:

گزر چکے ہیں اندھیروں سے پیش رو لیکن
نئے چراغ سر رہگذار چھوڑ گئے

قبل اس کے کہ میں اس سوانح کے اس دوسرے پہلو کا تذکرہ کروں جسے میں نے ابتداء میں عام سوانحی روایت سے متجاوز قرار دیا ہے اور جس کی تفصیلات کتاب کے آخری باب میں ملتی

ہیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے اصل جوہر یعنی خودنوشت سوانح کے منتشر عوامل کو یکجا کر کے مصنف کی زندگی کا وہ اجمالی خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کروں جو کتاب کے اہم ترین عامل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بقول مصنف شہر بدایوں کی ناک مسجد شمسی کے جنوبی دروازہ کے مقابل اونچے چبوترے والا حویلی نما مکان جو مصنف کے آبائی مکانوں میں سے ایک ہے۔ مصنف کی ولادت گاہ ہے ان کی تاریخ ولادت ۲۱ شعبان ۱۳۵۴ھ ہے جو تکنیکی شمار کے ذریعے ۱۸ نومبر ۱۹۳۵ء ہے جبکہ کاغذی ثبوت کے مطابق ان کا یوم ولادت ۱۲ فروری ۱۹۳۷ء ہے۔ یعنی کاغذی عمر اصل عمر سے ایک سال دو ماہ اور چوبیس دن کم ہے۔ ان کا تاریخی نام مظفر اقبال ہے۔ نسلاً عبدالرحمانی صدیقی ہیں اور سلسلہ طریقت قادری سروری ہے۔ والدہ کی طرف سے محمد بن ابوبکرؓ کی اولاد ہیں یعنی نجیب الطرفین صدیقی ہیں ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۸ ہجری کو ان کی بسم اللہ خوانی ہوئی اور حضرت مولوی یونس علی رحمت اللہ علیہ نے انہیں اپنے گھر پر بسم اللہ پڑھائی چند دن بعد بڑے پیمانہ پر تقریب منعقد ہوئی جسے اہل بدایوں تقریب مکتب کہتے ہیں اس میں بر سر محفل حضرت خواجہ غلام نظام الدین قادریؒ نے انہیں رسماً بسم اللہ پڑھائی۔ والد سے انگریزی پڑھی مولوی عبدالرشید صاحب نے اردو اور حساب کی تدریس کی جامع مسجد شمسی کے پیش امام علی جی نے قرآن حکیم پڑھایا۔ فقیر واجد علی شاہ صدر مدرس مدرسہ شہباز پور نے اپنے ساتھ اسکول لے جانا شروع کیا پھر مشن اسکول بدایوں میں تعلیمی سال ۴۵۔۴۴ء میں چوتھے درجہ میں داخل ہوئے آٹھویں تک وہاں تعلیم حاصل کی پھر گورنمنٹ اسکول بدایوں سے میٹرک پاس کر کے کراچی آگئے ۵۳۔۵۲ء میں اردو کالج میں داخل ہوئے ۵۴ء میں کراچی یونیورسٹی سے انٹر پاس کر کے

اسی سال جامعہ کراچی کے شعبہ نفسیات کے پہلے طالب علم کی حیثیت سے داخلہ لیا سال بھر اکلوتے طالب علم رہے۔ انہیں پاکستان کی تمام جامعات میں نفسیات کے پہلے طالب علم ہونے کا اعزاز حاصل ہے جہاں وہ مسز نیومین مسز واٹسن اور مسز راس جیسے امریکی ماہرین نفسیات کے شاگرد رہے۔ پاکستانی علماء میں وہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ، پروفیسر مولانا مظہر علی کامل، حضرت مولانا منتخب الحق، پروفیسر حبیب اللہ غضنفر، جناب سید عبد اللہ المسدوسی، پروفیسر خواجہ آشکار حسین اور ڈاکٹر حسین الدین زبیری جیسی عظیم ہستیوں سے کسب علم کر چکے ہیں ۱۹۵۸ء میں بی اے آنرز کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۹ء میں ایم اے کے نتیجہ کے اعلان کے ساتھ اردو کالج میں تدریس شروع کر دی ۱۹۶۱ء میں ان کی نفسیات کی پہلی کتاب اور پاکستان میں نفسیات کی دوسری کتاب نفسیات کے نام سے شائع ہوئی جسے اردو کالج کے شعبہ تصنیف و تالیف نے شائع کیا اس کے بعد سے ہنوز ان کی تصانیف کی تعداد ۱۶ ہے جن میں ۹ کتابیں نفسیات کی ایک شماریات کی تین ایجوکیشن کی اور تین عمومی مطالعہ کی کتب ہیں۔ جن میں زیر نظر کتاب بھی شامل ہے۔ آخری تین کتابیں انہوں نے ۱۹۹۷ء میں ریٹائرمینٹ کے بعد لکھی ہیں جو ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی ہیں۔ اردو کالج میں وہ ۱۹۵۹ء میں لیکچرر ہوئے۔ ۶۸ء میں اسٹنٹ پروفیسر ۷۷ء میں ایسوسی ایٹ پروفیسر اور ۷۸ء میں پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۷۲ء سے شعبہ نفسیات کے صدر کے عہدے پر فائز رہے ۸۲ء میں ڈین فیکلٹی آف آرٹس ہوئے ۸۶ء میں مرکز تحقیق شعبہ تعلیم کے نگراں مقرر ہوئے جہاں ان کی زیر نگرانی تعلیم کے مختلف موضوعات پر کم و بیش ڈیڑھ سو (۱۵۰) تحقیقی مقالات مکمل کئے گئے وہ پوسٹ گریجویٹ شعبہ تعلیم کے صدر کی حیثیت سے جامعہ کراچی کے بورڈ آف

اسٹڈیز کے رکن بھی رہے اور جامعہ کراچی میں ایجوکیشن کے سلیکشن بورڈ میں سبجیکٹ ایکسپرٹ کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ یہی اعزاز انہیں جامعہ کراچی کے نفسیات کے بورڈ آف اسٹڈیز اور سلیکشن بورڈ میں بھی حاصل رہے ہیں۔

پروفیسر محمد فائق بدایونی کراچی کی علمی وادبی' صحافتی' ونشریاتی اور ثقافتی ومعالجاتی حلقوں کا ایک مشہور نام ہے۔ انہوں نے ایک ماہر تعلیم کی حیثیت سے کل پاکستان کانفرنسوں میں فعال شرکت کی ہے وہ جلسوں' مشاعروں اور محفلوں کی جان رہے ہیں۔ ریڈیو کے محاکموں اور مذاکروں میں یادگار کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے مرحوم میجر آفتاب حسن انہیں جان ریڈیو کہتے تھے۔ ریڈیو پاکستان سے ان کا قریبی رابطہ ۶۶ء سے ۸۵ء تک رہا ہے۔ بالخصوص درمیانی دس سال انہوں نے براڈ کاسٹر کی حیثیت سے زبردست شہرت حاصل کی ہے۔ اس مدت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک ایک دن میں ان کے تین تین پروگرام نشر ہوئے ہیں۔ بقول انجم آعظمی مرحوم ہم سب ریڈیو پر بولتے ہیں مگر فائق مائک سے کھیلتے ہیں۔ اس زمانے میں انہیں ایک اسکرپٹ کے سو (۱۰۰) روپے دیئے جاتے تھے جس پر آڈٹ کی طرف سے اعتراض ہوا اور اس وقت کے ڈائریکٹر جنرل کے علم میں یہ بات لائی گئی تو انہوں نے اسکرپٹ پڑھ کر فرمایا کہ اس کا ایک ایک لفظ سو روپیہ کا ہے فائق صاحب کی کارکردگی کے مداحوں میں ریڈیو کے جو افسران بالخصوص قابل ذکر ہیں ان میں اسٹیشن ڈائریکٹر جناب طاہر شاہ' جناب خلیق احمد' جناب بدر عالم' جناب کرمانی' جناب عبد الرب شجیع' جناب نقشبندی' جناب جمیل زبیری' جناب قمر جمیل' جناب یاور مہدی' جناب انعام صدیقی' جناب ضمیر علی' جناب رضی اختر شوق اور بالخصوص جناب نجم الحسنین کے نام قابل

ذکر ہیں۔ان کے مشہور پروگراموں میں۔صبح دم دروازۂ خاور کھلا۔آئینہ۔ریڈیو کالم اورادبی محاکے بہت مقبول ہوئے ان کے علاوہ بزم طلبہ کے بہت سے پروگرام فائق صاحب کی اعلیٰ کارکردگی کا آئینہ رہے ہیں مگر مقبول ومعروف پروگراموں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس تبصرے میں ان کے ناموں کی شمولیت ممکن نہیں۔ایک مرتبہ تو ایک اعلیٰ درجہ کے خصوصی پروگرام کے لئے اٹھائیس (۲۸) پروڈیوسرز نے اپنی اپنی انفرادی رپورٹ میں فائق صاحب کا ہی نام تجویز کیا تھا۔وہ اپنے زمانہ کے بہترین کمپیئر تصور کئے جاتے تھے۔ریڈیو کے علاوہ بھی شہر کے اکثر بڑے علمی اورادبی اجتماعات میں مائک فائق صاحب کے ہی ہاتھ میں ہوتا تھا۔ان کے چست اور خوبصورت جملے آج بھی سامعین کے کانوں میں گونجتے ہیں۔

مندرجہ بالا کے علاوہ ان کی دلچسپیوں اور مشاغل کا ایک اہم میدان ہومیوپیتھی بھی ہے۔اس میدان میں بھی انہوں نے بہت تیز رفتاری سے منازل طے کی ہیں جس کا تذکرہ ایک ہومیوپیتھک کنونشن کی کمپیئرنگ کرتے ہوئے مشہور براڈ کاسٹر اور موجودہ اسٹیشن ڈائرکٹر کراچی محمد نقی نے یوں کیا تھا کہ ''فائق صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ شہرت ان کے پیچھے پیچھے بھاگتی ہے اور وہ اس سے آگے آگے رہتے ہیں'' انہوں نے بین الاقوامی معیار کے ایک ہومیوپیتھک رسالے دی کیور کی ادارت بھی کی ہے اور ہومیوپیتھی کے اجتماعات میں بھی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔صدیوں کا سفر میں ان تمام باتوں کے تذکرے موجود ہیں۔اس کتاب کے ایک اہم پہلو کو میں نے آغاز میں ہی مؤخر کر دیا تھا وہ فائق صاحب کی شاعرانہ حیثیت ہے جس کی بھرپور شبیہ کتاب ہذا کے آخری باب میں موجود ہے۔

فائق صاحب روایتی غزل کے علاوہ حمد ونعت ومناقب کے بھی شاعر ہیں ان کی تحریر کردہ مناقب اجالے کی شکل میں قارئین کے سامنے آچکی ہیں۔ حال ہی میں نعتوں کا مجموعہ متاع آخرت کے نام سے منظر عام پر آیا ہے۔ ان تمام صنف ہائے سخن کی جھلکیاں صدیوں کے سفر میں ملتی ہیں مگر انہیں بحیثیت شاعر دوسروں سے ممتاز کرنے والی چیز ان کی مزاحیہ شاعری ہے۔ میری دانست میں اس شاعری کو مزاح کہنا اس کا رتبہ کم کرنا ہے۔ وہ مزاح سے بڑھ کر کوئی صنف ہے۔ طنزیہ ظرافت نگاری کا نام دینا زیادہ بہتر ہے اور اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ شاعری طنز وظرافت کا آئینہ دار ہونے کے علاوہ زبان پر ان کی مضبوط گرفت اور قدرت کلام کا بہترین نمونہ ہے۔ انہوں نے صدیوں کے سفر میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہیں زبان کا شعور ورثہ میں بدایوں سے ملا ہے اور انہوں نے انیس، اقبال، جوش اور حفیظ جالندھری سے زبان سیکھی ہے انہوں نے کتاب ہذا کے آخری باب میں اس حوالے سے دو نظمیں بھی پیش کی ہیں جو طنز ومزاح کا بہترین آئینہ ہونے کے علاوہ خوبصورت بامحاورہ اور فصیح زبان کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ان میں ایک نظم گرمی کی لہر اور دوسری نظم جنگ ہے۔ علاوہ ازیں خوبصورت اور طنزیہ شخصیت نگاری کا بہترین مرقع "آدمی نامہ بھی" زیر نظر کتاب میں شامل ہے۔

☆☆☆

یہ مضمون اس سلسلے کی آخری کڑی ہے جو میری ایک کتاب تعلیمی تحقیق پر ڈاکٹر محمود الرحمٰن کا تبصرہ ہے جسکا ترجمہ جناب عبدالماجد صدیقی نے کیا ہے۔ یہ مضمون مجلہ بدایوں کی جلد نمبر ۱۱ اور شمارہ نمبر ۸ میں شائع شدہ ہے۔

ڈاکٹر محمود الرحمٰن　　　　ترجمہ عبدالماجد صدیقی

تعلیمی تحقیق

(اسلوب اور مسائل)

ایجوکیشن کو ایک انتہائی اہم مضمون تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے دوررس اثرات ایک ایسے محور کا کردار ادا کرتے ہیں جس پر قومی تعمیر کا پورا نظام گردش کرتا ہے۔ دنیا کے وہ تمام بڑے لوگ جنہوں نے انسانیت کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل کر کے اپنی روشن خیالی سے دنیا کو منور کیا ہے وہی ہیں جنہیں علم کی روشنی حاصل رہی ہے۔ تعلیم کی اس فیض رسانی کا ہی سبب ہے کہ دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک کی زبانوں میں تعلیم کے موضوع پر بے حساب کتابیں تصنیف کی گئی ہیں۔ بلکہ اس خصوصی میدان کے متعلقہ مسائل کی تشریح و تجزیہ اور پیش بیانی کے لئے بھرپور تحقیقات انجام دی گئی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ مضمون اتنا واضح اور روشن ہوا ہے کہ اس میں کسی ابہام اور التباس کا امکان معدوم ہو گیا ہے اور اسی میلان یا رجحان نے علم و آموزش کے افق کو اتنا وسیع کر دیا ہے کہ اس سے مغربی ممالک کا ترقیاتی عمل تیز تر ہو گیا ہے۔

ہماری یہ شومیٔ قسمت کہ پاکستان کی قومی زبان اردو میں ابھی تک ایسے ٹھوس اقدامات نہیں کئے گئے اور یہاں کے طلباء کو انگریزی کے ہی دستیاب ذرائع پر انحصار کرنا پڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے طلبہ مغرب کے ان تعلیمی تصورات تک محدود رہے جو مشرقی نظریات اور مشرق کی ضرورت سے یکسر مختلف ہیں۔ اس صورت حال نے ایسی گھمبیر پیچیدگیاں پیدا کر دی ہین جن کے تباہ کن اثرات کا ازالہ آسان نہیں ہے۔

وفاقی گورنمنٹ اردو کالج کراچی کو یہ قابل فخر اعزاز حاصل ہے کہ وہاں اردو میں تدریس ہو رہی ہے اس ادارہ نے ایم۔اے ایجوکیشن کی اردو میں تدریس کا آغاز ۱۹۸۵ء میں کیا تھا اور خوش قسمتی سے زیر تبصرہ کتاب کے لائق مصنف کو اس نئے شعبہ کی سربراہی سپرد کی گئی تھی۔ انہوں نے صدر شعبہ کی حیثیت سے سخت محنت کر کے۔ایم اے کی سطح تک اس جدید مضمون کی اردو میں تدریس کی راہ ہموار کی اس کے لئے انہیں انتہائی تکلیف دہ منزلوں سے گزرنا پڑا چونکہ اردو زبان میں کوئی بنیادی تعلیمی مواد دستیاب نہ تھا اس لئے انہیں الف سے آغاز کرنا پڑا اور بحمد للہ وہ اس میں کامیاب و کامران رہے۔ اردو میں ایجوکیشن کی تدریس کی شمع روشن کرنے والوں میں انہیں اولیت حاصل ہے۔

پروفیسر موصوف کے ذمہ چونکہ تعلیمی تحقیق میں طلبہ کی رہنمائی کا فریضہ بھی شامل تھا چنانچہ انہیں تعلیمی تحقیق پر ایک مکمل اور جامع کتاب لکھنے کی ذمہ داری بھی قبول کرنی پڑی زیر نظر کتاب فیلڈ ریسرچ پر اسی سائنسی مطالعہ کا حاصل ہے جو انہیں اس موضوع پر کرنا پڑا۔ انہوں نے اس وسیع موضوع پر ایسی سیر حاصل بحث کی ہے کہ اس کے مطالعہ سے تحقیق کاروں کو مضمون پر کامل عبور حاصل ہو جاتا ہے۔

لائق مصنف نے تحقیق کے سائنسی طریقے تعلیمی تحقیق پر سائنسی اسلوب کے اطلاق۔ تحقیق کی تعریف مقصد اور عمل نیز خصوصی نکات اور عمومی رہنما خطوط پر انتہائی پرزور اور اثر انگیز انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے تحقیقی روئداد نویسی اور تحقیقی مقالہ نگاری کے اصول و قواعد انتہائی وضاحت سے بیان کرنے کے ساتھ تحقیقی مقالہ کی ''ہیت نگارش'' کا خاکہ بھی ترتیب دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان تمام مسائل کا احاطہ بھی کیا ہے جو معلم و متعلم کو درپیش ہوتے ہیں اس طرح فاضل مصنف نے ایک ایسے عنوان پر قلم اٹھایا ہے جو اب سے پہلے ان تمام حضرات کے لئے اجنبی تھا جو غیر ملکی ذرائع اشاعت سے ناواقف ہیں اس

حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پروفیسر فائق کی معلومات نے ایک ایسا چراغ روشن کیا ہے جس کی سنہری کرنیں نہ صرف ماہرین تعلیم کے لئے بلکہ اکابرین ادب کے لئے بھی قابل قدر ہیں اردو زبان سے محبت کرنے والوں کو مصنف کے احترام میں اپنا سر تعظیم خم کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر محمود الرحمٰن

ڈائرکٹر دفتری اردو علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی

☆☆☆

فیضان اولیا

جس طرح بدایوں میں اہل بدایوں اولیائے بدایوں کے الطاف واکرام سے فیضیاب ہو رہے ہیں بحمد اللہ کراچی اور پاکستان بھر میں بلکہ پوری دنیا میں جہاں جہاں اہل بدایوں ہیں انھیں بھی اولیائے بدایوں کی نسبت کا فیض پہنچ رہا ہے۔ حضرت میرانجیؒ حضرت سلطان العارفینؒ حضرت شاہ ولایتؒ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور انکے اجداد، حضرات ہفت احمدؒ درگاہ مجیدیہ قادریہ کے بزرگانؒ اور حضرت مذاق میاںؒ کے لطف وکرم کے تذکرے ہر جگہ اہل بدایوں کی زبان پر ہیں فیض وکرم کے یہ قصے ہمیں اپنی نئی نسل کے بھی گوش گذار کرنے چاہئیں کہ اعتقادی تصورات ماضی کو حال سے اور حال کو مستقبل سے مربوط کیئے رہیں۔

محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

ساتواں باب

فانیؔ پر ایک نفسیاتی نظر

کتاب کے چھ باب کمپوز ہو چکے تھے مگر میں نے اس کی طباعت رکوادی خیال آیا کہ بدایوں کے تذکرے میں اور خاص کر ثقافتی اور شعری نسبت سے اگر بدایوں پر کچھ لکھا جائے تو اس میں فانیؔ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ میں نے اپنی پوری کوشش سے مگر انتہائی عجلت میں ''فانی پر ایک نفسیاتی نظر'' کے عنوان سے لکھنا شروع کیا، اور اس مضمون کو ایک جداگانہ باب کی حیثیت سے کتاب میں شامل کیا شاید آپ کو پسند آئے اور آپ بھی کہیں کہ

کوئی بھی ذکر بدایوں جس طرح چاہے کرے
نامکمل ہے یہ قصہ ذکر فانیؔ کے بغیر

فائق بدایونی

ساتواں باب

فانؔی پر ایک نفسیاتی نظر

میں بنیادی طور پر نفسیات کا ایک طالب علم ہوں۔ چالیس سال نفسیات پڑھائی ہے۔ پاکستان میں نفسیات پر سب سے زیادہ لکھا بھی ہے۔ اردو میں نفسیات کی اصطلاح سازی بھی کی ہے۔ اردو میں نفسیات کی میری کتب کے انگریزی ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ گزشتہ ۴۰ سال سے نفسیات و تعلیم کی کتب مسلسل شائع ہو رہی ہیں۔ بعض کتب کے بیس بیس پچیس پچیس ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ کتابیں پورے ملک میں دستیاب ہیں۔ طلبہ اور اساتذۂ نفسیات میں شاید ہی کچھ لوگ ہوں جو نام سے واقف نہ ہوں بائیں ہمہ اردو ادب سے بھی ربط مستقل رہا ہے۔

اردو ادب کے معاملے میں میں وسیع المطالعہ نہیں ہوں مگر جو کچھ پڑھا ہے غور سے پڑھا ہے۔ سست رفتاری سے پڑھتا ہوں تیز رفتاری سے لکھتا ہوں۔ شعر اور نثر دونوں کے ضمن میں رسائل و جرائد سے دور رہا ہوں۔ اسی لئے قریبی حلقے کے علاوہ لوگ میری ادبی نسبت سے ناواقف ہیں۔

غزل کے پھیلاؤ اور گہرائی، رچاؤ اور لبھاؤ کا معترف ناقدوں کے کہنے سے نہیں ہوا ہوں۔ غزل کے مطالعہ میں قلبی اور ذہنی لگاؤ سے منہمک رہا ہوں اسی لئے ادب و شعر کے بہت سے تصورات میرے ذہن میں روایت کے دباؤ سے آزاد ہیں۔ علیٰ ھٰذہ فانؔی کو بھی ''یاسیات کا امام'' نہیں مانتا بلکہ فانؔی کو اس لقب سے نوازنے کو بھی ''مزاح'' سمجھتا ہوں۔ مرحوم پروفیسر رشید احمد صدیقی کا بڑا احترام کرتا ہوں اور ان کی ان صلاحیتوں کا تہہ دل سے معترف ہوں جو زندگی اور

غم زندگی کی ہوٹنگ کے لئے ہر ایک کو میسر نہیں آتیں۔ انہوں نے فانی کو ''یاسیات کا امام'' کہا ہے میری نظر میں ''یاس'' کا لفظ فانی کے لئے بہت ہلکا ہے۔ شاید فانی کو اس بات کا اندازہ تھا کہ بعض لوگ ان کے عظیم تصور غم کو یاس سے تعبیر کرینگے۔ جب ہی انہوں نے پیش بندی کردی تھی۔

وہ بد گماں کہ مجھے تاب رنج زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا !

تو فانی یاسیات کے نہیں ''غم جاوداں'' کے شاعر تھے۔ ''یاس'' کیا ہے ''زندگی اور معاملات زندگی میں ناکامی کا شکست خوردہ رد عمل یاس ہے'' جو اوسط درجہ کے ذہن کا خاصہ ہے'' مگر ''غم'' کچھ اور ہے۔ لکھنے والوں نے ہر ادب میں ''غم'' کی اہمیت تسلیم کی ہے مگر ماہیت غم کی کسی نے تشریح نہیں کی یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والوں نے غم کا لفظ تو ناقد کی تحریر سے لیا اور معنی اپنے ذہن کے چسپاں کردیئے۔ اسی لئے غم کا لفظ قبول عام تو حاصل کر سکا مگر اس کے حقیقی نفسیاتی معنی کہیں متعین نہیں ہوئے، اگر غم کا تعلق مسائل زندگی اور ''دم'' سے ہی ہوتا تو میر صاحب کو ''دم'' کے جانے کا غم کیوں ہوتا' غالب خود کو دشت غم میں آہوئے صیاد دیدہ کیوں کہتے۔ اگر فانی کے ہاں رنج زیست ہی غم ہوتا تو ''الم جانگداز'' سے ''ہستی فانی کا طلسم کیوں ٹوٹتا''۔

ٹوٹا طلسم ہستی فانی کے راز کا
احسان مندہوں الم جانگداز کا

جہاں تک فانی کے رنج زیست کا تعلق ہے تو شاید ان کے سب سے بڑے رنج زیست کا تو لوگوں کو اندازہ ہی نہیں بلکہ خود فانی نے بھی کسی کو اس کی ہوا نہیں لگنے دی کہ فانی معاملات روز مرہ کے رنج کے لئے تو ''لا اللہ'' کا رویہ رکھتے تھے، ان کے ''الا اللہ'' کی منزل اس کے بعد کی تھی میں اس مبہم سے استعارے کی وضاحت بعد میں کروں گا۔ مجھے اندازہ ہے کہ تحریر کچھ دقیق ہو رہی

ہے اور عام قاری اپنے ذہن کو اتنی گہرائی میں جا کر اذیت آشنا کرنا نہیں چاہتا۔ مگر مجبوری یہ کہ ''بادہ و ساغر کہے بغیر بات بنتی نہیں ہے۔'' ہاں تو میں نے فانؔی کے جس رنج زیست کا اشارہ دیا ہے اس کی وضاحت کر دوں کہ فانؔی کا یہ رنج کیا تھا۔'' شاید آپ کو علم ہو کہ ان کا اصل کلام سب ضائع ہو چکا ہے یا چوری ہو گیا ہے۔'' جب ہی تو ان کے بچے کھچے کلام پر مشتمل ان کا جو پہلا مجموعہ منظر عام پر آیا اس کا نام انہوں نے ''باقیات'' رکھا تھا۔ میں سنی سنائی بدایونی روایت بیان نہیں کر رہا ہوں، بلکہ تذکرہ شعرائے بدایوں سے ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں۔ صفحہ ۹۵ پر تذکرے کے مرتب شہید حسین شہیؔد بدایونی لکھتے ہیں۔'' فانؔی نے پہلا مجموعہ کلام ۹۷-۱۸۹۶ء میں مرتب کیا۔ لیکن فانی کے والد شاعری کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے یہ مجموعہ نذر آتش کر دیا، فرسٹ ایر کے اختتام پر فانؔی نے ایک اور مجموعہ کلام ترتیب دیا لیکن اس پر بھی ان کے والد محترم کی نظر پڑ گئی اور یہ مجموعہ بھی حسب سابق آگ کی نذر ہو گیا۔ بی۔ اے پاس کرنے تک فانؔی نے ایک اور دیوان مرتب کر لیا جو بد قسمتی سے چوری ہو گیا۔ علیگڑھ کی طالب علمی کے زمانے میں انہوں نے اپنا چوتھا مجموعہ ترتیب دیا جس میں وہ قصیدہ بھی شامل تھا جو انہوں نے امیر حبیب اللہ خاں والی افغانستان کی شان میں لکھا تھا۔ لیکن یہ مجموعہ بھی چوری ہو گیا اس کے بعد ''باقیات فانی'' اور ''عرفانیات فانی''، طبع ہوئے اور ''کلیات فانی'' فانی کے انتقال کے بعد شائع ہوا۔'' فانی کا غم اگر زندگی کی ناکامیوں اور محرومیوں کا غم ہوتا تو شاید کسی شاعر کے لئے اس سے بڑا دنیاوی غم کیا ہوگا کہ اس کے چار مجموعے ضائع ہو جائیں۔ مگر فانؔی نے اس المیہ کو ایک معمولی واقعے سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ ہو سکتا ہے کہ اس صدمے نے ہی شعور کی سطح سے رجعت کر کے ان کے لاشعور میں گھر بنا کر ''تلاش غم جاوداں'' کی شکل اختیار کر لی ہو۔ ویسے فانؔی کی زندگی میں ایک اور واقعہ بھی ہے جس کا آئندہ سطور میں تذکرہ آئے گا، شاید ''وہ غم'' فانؔی کی گہری سوچ اور فلسفہ غم کی تشکیل کا سبب بنا ہو، ویسے غم کے نفسیاتی عوامل کے تعین میں فانی کے غم کی بنیاد ان کے والد نواب شجاعت

علی خاں کا وہ ''رعب داب'' والا استبدادی رویہ ہوسکتا ہے جو نوابین کی حد سے بڑھی ہوئی ''انا''
اور کسی دوسرے کی رائے کو اہمیت نہ دینے اور کسی کی بات نہ سننے سے تشکیل پاتا ہے۔ فانی سے
متعلق یہ تاثر کہ وہ غریب افلاس زدہ نادار اور زندگی کی راحتوں سے محروم تھے، یکسر غلط اور لغو ہے
فانی نے ایک بڑے جاگیر دارنہ اور نوابی ماحول میں پرورش پائی تھی، ان کے باپ دادا کا شمار
نوابین میں ہوتا تھا۔ اور وہ پشت در پشت نواب تھے ان کا نسلی سلسلہ چند واسطوں کے بعد شاہان
افغانستان سے ملتا ہے۔ شاہان ہند سے ان کے خاندان کے قریبی تعلقات تھے فانی کے جد امجد
سردار نواب اصالت خاں مغل شہنشاہ شاہ عالم کی طلبی پر افغانستان سے ہندوستان آئے تھے۔
''منصب ہفت ہزاری سے بہرہ ور ہوئے، شہنشاہ نے نوبت، نقارہ اور نشان .... اور ایک
ہاتھی طویلۂ خاص سے مرحمت فرما کر سرکار بدایوں میں دوسو اسی (۲۸۰) مواضعات پر مشتمل ایک
بڑی جاگیر عطا فرمائی۔'' فانی کے پرنانا یعنی فانی کی والدہ کے دادا نواب بشارت علی خاں کی
دولت کا یہ حال تھا کہ انہوں نے جنگ آزادی سے متاثرہ لوگوں کی مالی امداد کے لئے اپنے بیس
مواضعات ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے تھے۔ تین سو (۳۰۰) یا اس سے کچھ زیادہ دوکانیں اور کئی سو
مکانات اور دس بارہ باغات زیورات و جواہرات اپنی پوتی مصاحب بیگم فانی کی والدہ کو دیئے تھے
اور تقریباً آٹھ یا نو لاکھ روپیہ نواب شجاعت علی خان یعنی فانی کے والد کو دیئے۔ اسکے ساتھ ہی
نواب غلام نبی خان یعنی فانی کے دادا نے فانی کی والدہ بیگم شجاعت علی خاں کے نام تقریباً چھ لاکھ
روپیہ نقد اور زیورات و جواہرات منتقل کئے اس کے علاوہ دس مواضعات دو محل اور کئی دوسرے
مکانات چھ باغات فانی کے والد یعنی اپنے واحد وارث نواب شجاعت علی خاں کو دیئے تھے۔

۱۳ ستمبر ۱۸۷۹ء کو صبح چھ اور سات بجے کے درمیان نواب شوکت علی خاں کی ولادت
ہوئی۔ رسم عقیقہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ اسلام نگر بدایوں میں انجام پائی اس خوشی میں ایک
تقریب شہر بدایوں میں بھی منعقد کی گئی تین دن تک اہل شہر کی دعوتیں ہوتی رہیں پورے شہر میں

شیرینی تقسیم کی گئی۔ ہزاروں روپیہ بچہ پر صدقہ کر کے خیرات کئے گئے۔ چار سال چار ماہ چار دن کی مدت پر رسم بسم اللہ خوانی بڑے دھوم دھام سے ہوئی ایک ہفتہ تک اہل شہر کی دعوتیں ہوتی رہیں منقش تھالیوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی بعض احباب نے بدایوں میں اس تقریب کی تھالیاں دیکھی بھی ہیں۔ سعید الدین فریدی کی تحریر کے مطابق یہ واقعات مولوی نورالحق صاحب نے اس قلمی تاریخ میں خود پڑھے تھے جو نواب شجاعت علی خاں کے پاس تھی۔ تو یہ حال تو فانی بدایونی کے باپ دادا کی ''غربت'' کا تھا۔ خود فانی کی اپنی زندگی کے سلسلے میں ابو مسلم صدیقی لکھتے ہیں'' یہ کہنا کہ فانی کی زندگی عسرت و تنگدستی میں گزری بالکل غلط ہے۔ فاؔنی کا پختہ مکان بدایوں میں اندرون شہر کے سب سے اچھے مکانوں میں شمار ہوتا تھا۔ طالب علمی کا زمانہ عسرت و تنگدستی کے بجائے عشرت و فراخ دستی میں گزرا۔ فانی کو ہم نے بارہا دیکھا بلکہ روز دیکھا کرتے تھے کیوں کہ ہمارے شہر والے مکان سے ان کا مکان قریب تھا۔ اس کے علاوہ جب بدایوں میں وکالت کرتے تھے تو وہ واپسی پر اکثر والد صاحب کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں آیا کرتے تھے اور ہمارا اسکول سے واپسی پر والد صاحب کے ساتھ آنے کا معمول تھا۔ فانؔی اس سج دھج سے رہتے تھے کہ اچھے اچھے جاگیرداروں اور افسروں کو شرماتے تھے۔ سر پر شیر گولہ عنابی رنگ کی ترکی ٹوپی مع پھندنے کے ذرا ترچھی رکھے ہوئے۔ گرمی ہے تو سلک کی اور اگر جاڑہ ہے تو اول درجہ کی سرج کی شیروانی نہایت اپٹوڈیٹ سلی ہوئی۔ اچھے قسم کا لٹھے کا چوڑی دار پاجامہ سفید کیا مجال کہ کہیں شیروانی پر شکن بھی ہو۔ پاؤں میں پٹنٹ لیدر کا پمپ شو، ریشمی موزے کے ساتھ۔ چاندی کی ڈبیہ میں گلوریاں بھری ہوئی مخملی کارچوب کا بٹوا بات کرتے وقت اپنے ہونٹوں سے نہ صرف پھول بکھیرتے بلکہ اعلیٰ قسم کے قوام اور الائچی کی خوشبو سے محفل کو سرشار کرتے تھے'' فاؔنی نے اپنے والد کی چھوڑی ہوئی بڑی جائیدا۔ رو جواہر اور مال و اسباب سے ایسی بے توجہی اور بے رغبتی کا مظاہرہ کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کی اس بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر زندگی میں فاؔنی

کے مالی حالات خراب ہو گئے اور ان کے احباب وملازمین کے حالات دیکھتے دیکھتے بہتر ہو گئے فانیؔ کے مالی حالات کی کمزوری عدم یافت کا نتیجہ نہیں بلکہ استغنا کا نتیجہ تھی۔ ''وہ محروم نہیں تھے تارک اور غنی تھے'' انہوں نے خود عیش دنیا کو ٹھکرا دیا۔ وہ متاع غرور کا سودا کرنے والے فریب سودوزیاں کا شکار نہ تھے مگر ان کے حالات اور عادات سے ناواقف ناقدان نے حالات کی غلط تعبیر کی انھوں نے فانیؔ کی غم پسندی کو مالی خستگی کا نتیجہ سمجھا جبکہ حقیقتاً یہ خستگی غم پسندی کا نتیجہ تھی۔ نیز یہ کہ فانی کے خستہ حالات ان کی آخری عمر سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ غم انکی شعری ابجد سے ان کا فلسفہ ہے جو بہترین مالی حالات میں بھی جاوداں ہے جسکے اسباب انکی ابتدائی زندگی میں موجود ہیں۔

سطور بالا میں جو حقائق بیان کئے گئے ہیں اگر موازنہ کیا جائے تو ایسے موافق حالات فانی کے معاصرین حسرت اصغر اور جگر کو بھی میسر نہیں تھے۔ فانی کے مالی معاملات ان سب سے بہتر تھے اس لئے فانی کے غم کو ادنیٰ تعبیر دیگر موہومہ مالی بدحالی سے وابستہ کرنا محض ناواقفیت ہی نہیں بلکہ ایک بڑے صاحب فکر انسان پر اتہام اور اس کی توہین ہے۔ ویسے جہاں تک زندگی کے نشیب وفراز کا تعلق ہے تو زندگی تو غم ومسرت کی لہروں کے چڑھاؤ اتار کا ہی نام ہے۔ حالات مالی ہوں کہ معاشرتی ہر شخص کی زندگی میں ان کا کبھی موافق اور کبھی ناموافق ہونا تو لازمۂ زیست ہے اور جہاں تک روزمرہ معاملات زندگی پر مثبت یا منفی ردعمل کا تعلق ہے تو وہ تو نارمل بات ہے رنج وغم اور تشویش سے یکسر پاک ذہنی کیفیات تو بعض دیوانوں میں ہی ملتی ہیں ورنہ فرسٹریشن تو نارمل زندگی کی پہچان ہے مگر اس فرسٹریشن کا زندگی کے پورے رویہ پر محیط ہو جانا اور آہ وبکا وفریاد میں مبتلا رہنا۔ اپنی شکست خوردگی کا مرثیہ پڑھتے رہنا زندگی کے روشن پہلوں کو بھی تاریک دیکھنا قنوطیت کی تعریف میں آتا ہے۔ مگر فانیؔ کی شاعری پر یہ فتویٰ دینا کہ ''ان کی پوری شاعری کو قنوطیت کا دائرہ محیط کئے ہوئے ہے'' یا تو کم فہمی ہے۔ یا حقائق سے دانستہ گریز ہے۔ قنوطی وہ ہے

جو ہنسنے کی جگہ بھی روئے مگر فانیؔ کے کلام میں تو یہ بات نہیں ہے وہ ہنسنے کی جگہ ہنستے ہیں رونے کی جگہ روتے ہیں۔ کسی سے رونے کے مقام پر ہنسی کا مطالبہ کرنا خود اپنے ذہنی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے کیا فانیؔ کے ہاں طربیہ اشعار معدوم ہیں ہرگز نہیں چند شعر ملاحظہ ہوں۔

اک برق سر طور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

لطف، بیداد ، حیا ، غصہ ، تغافل ، شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلون نے ادا کے بدلے

☆

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا

☆

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا!
مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا

☆

لو تبسم بھی شریک نگۂ ناز ہوا
آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری

☆

ذوق نظارہ سلامت چاہیے
جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی

☆

ہاں کوئی جادو جگاؤ آنکھ سے
ہاں کوئی چلتا ہوا منتر چلے

☆

منہ سے کچھ کہیئے نہ کہیئے مل گیا ہم کو جواب
آپ کے تیور کہے دیتے ہیں جو کچھ دل میں ہے

☆

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا
بات پہنچی تری جوانی تک

☆

قسمت ہوئی تھیں روز ازل جتنی شوخیاں
سب جمع ہوگئیں نگہ شرمسار میں

اگر فانی کی پوری شاعری اسی رنگ کی ہوتی تو اوسط درجہ کا ذہن اسے بڑی شاعری کہتا، مگر بڑے ذہن کے لئے وہ اوسط درجہ کی شاعری ہوتی ۔ ذرا غور کیجئے کہ اعلیٰ شاعری اور اوسط شاعری میں فرق کیا ہے۔ میرے نزدیک زندگی کو عمومی یا اوسط درجه کے ذهن سے دیکھنا اوسط درجه کی شاعری هے، جس پر بے جان روایت کا غلبه هوتا هے. مگر اعلیٰ سطح پر ذهن کی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ زندگی اور اس کے بدیهی مظاهر کے پیچھے کارفرما محرکات و عناصر اور رموز حقیقت کو محسوس کر کے اس طرح اثر انگیز انداز میں بیان کرنا که نا واقف حقیقت کو بھی عرفان حقیقت هونے لگے . اعلیٰ شاعری ہے۔'' فانی کا یہی

انداز ہے۔ روٹی۔ کپڑا۔ مکان۔ راحت آرام اور لذت کی طلب اور اس کی جدوجہد بڑی زندگی نہیں ہے یہ احتیاجات ورفع احتیاجات کا سلسلہ انسانی سطح پر حیوانی زندگی کا مظاہرہ ہے۔ مگر اپنی احتیاجات سے زیادہ یا کم ازکم اس کے برابر ہی دوسروں کی حاجتوں کو سمجھنا۔ دوسروں کے غم کو بٹانا خود اذیت اٹھا کر دوسروں کو راحت دینا۔ اپنے بجائے دوسروں کے لئے زندہ رہنا یہ زندگی کی اعلیٰ اقدار اور اکابرین کی سنت ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان نفسانی راحتوں کی لذت کے دباؤ سے آزاد ہو کر اس زمان و مکان کی زندگی کو متاع غرور سمجھ کر فنا کی منزل سے آگے دائمی بقا کے سفر کے لئے قدم بڑھائے۔ جیسا کہ فانی نے کہا۔

نہ جانے اس سفر کی آخری منزل کہاں ہوگی
فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا

یہاں فانی غالب سے آگے نظر آتے ہیں غالب تو ''دشت امکاں'' کو پہلا قدم کہہ کر دوسرے قدم کے نشانات ڈھونڈتے ہیں مگر فانی دشت امکاں سے بھی آگے فنا کی آخری منزل پہ پہلا قدم رکھتے ہیں اور اپنی منزل کو دوسرے قدم پر نہیں اس سے بہت آگے سمجھتے ہیں اگر یہی بات میں تصوف کی اصطلاح میں کہوں تو یہ کہ ''فانی کا سفر فنا سے بقا کی طرف ھے'' وہ بھی زندگی کے طلب گار ہیں مگر'' ہستی فانی'' پر ان کی نظر نہیں جمتی وہ معلوم سے گریز اور نامعلوم کے حصول کی طرف بڑھتے ہیں۔

وہ شاد عظیم آبادی کی طرح کھلونوں سے بہلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ انھیں فریب حقیقت کی نہیں اصل حقیقت کی تلاش ہے، وہ عکس جلوہ کے نہیں حقیقی جلوے کے تمنائی ہیں۔ اس عارضی فانی زندگی سے ہارے نہیں ہیں بلکہ اسے درخورِ نگہ گرم نہیں سمجھتے وہ اس زندگی سے فرار نہیں گریز چاہتے ھیں. جب ہی تو کہتے ہیں کہ

موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے

فانی کے نزدیک موت زندگی سے فرار نہیں بلکہ فنا سے نکل کر بقا کی منزل سے آشنا ہونا ہے ان کا یقین ہے کہ

مر کے ٹوٹا ہے کہیں سلسلۂ قید حیات
صرف اتنا ہے کہ زنجیر بدل جاتی ہے

اس زنجیر بدلنے کے لئے اور فنا سے نکل کر حد بقا میں داخل ہونے کے لئے وہ عشق کو ذریعہ قرار دیتے ہیں اور عشق پر اتنا اعتماد کرتے ہیں کہ۔

قربان عشق موت بھی آئی تو کیا ہوا
اس تیر بے خطا کا نشانہ خطا ہوا

مگر فکر کی اس منزل پر پہنچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان ''فریب رنگ و بو'' اور ''فریب زمان و مکاں'' اور اس عالم اجسام میں نظر کو الجھانے کے بجائے دائمی حقائق کو سامنے رکھے۔ جب ہی انسان اپنی نگاہ کا پردہ اٹھا کر جلوہ حقیقت سے آشنا ہوگا۔ انھوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ۔

فانی طلسم راز حقیقت یہ ہے کہ ہے
تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہوا

جب تک اپنی ہی نگاہ کا یہ پردہ نہیں اٹھتا وہ جلوۂ حقیقی نظر نہیں آسکتا اور اسکے نظر نہ آنے کے احساس سے اعلیٰ درجہ کا غم تشکیل پاتا ہے جو رنج زیست ہر گز نہیں ہے اور نہ اس کی تلاش قنوطیت ہے اور نا یاسیات یہ تو بڑے ذہن کا عمل ہے اس منزل پر پہنچنے کے لئے عارضی راحتوں اور مسرتوں سے منہ موڑنا پڑتا ہے اور رنج زیست سے دل کو دکھانا پڑتا ہے اور اگر کسی کو ایسا دل مشیت کی طرف سے عطا کر دیا

جائے تو پھر فانی کی آواز کانوں میں گونجتی ہے کہ۔

میری ہوس کو عیش دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تونے دیا دل دکھا ہوا

میں یہی کہوں گا کہ " فانی اپنی طریقت کے صوفی اور فقیر تھے "انکی اصطلاحیں طریقت کی مروجہ اصطلاحوں سے مختلف ہیں۔ان کے ہاں موت "دلہن ہے" میں ایک صاحب دل صوفی کامل سے بہت قریب رہا ہوں انھوں نے دنیاوی زندگی بڑی کامیابی سے گذاری گھربار، عزت، شہرت، بیوی، بچہ اور سب کچھ میسر تھا مگر آخر کے دس سال تک یہی کہتے رہے کہ

آج بھی دن گذر گیا آج بھی شام ہوگئی

"دلہن نہیں آئی نہ جانے کب آئے گی" فرماتے تھے میرے نزدیک "سلو پوائزننگ خودکشی نہیں ہے۔" زندگی کی بھٹی میں تو تپ کر ہی نکلنا ہے۔میری طلب نہ دنیا ہے نہ دین بلکہ اس سے کچھ آگے جیسا کہ فانی نے کہا

تو کہاں ہے کہ تری راہ میں یہ کعبہ و دیر
نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے

فانی کے ہاں ایک خصوصیت غالب کی سی ملتی ہے۔وہ یہ کہ انکے ھاں روایت اسلوب غزل اور علامات تک ھے . کہیں نفس مضمون روایت محض نہیں ہے۔اسی لئے نہ انکی شاعری کو دبستان دہلی سے وابستہ کیا جاسکتا ہے اور نہ لکھنو سے، فانی کی شاعری دہلوی یا لکھنوی نہیں آفاقی ہے۔

فانی اپنی ذاتی زندگی اور شاعری دونوں حوالوں سے جس مقام پر نظر آتے ہیں اور جس پختگی فکر کا مظاہرہ کرتے ہیں۔وہ طلب خام رکھنے والے کے اندازوں سے بالکل جدا ہے۔

طلب جب حقیقی ہوتی ہے یا حقیقت آشنا ہوتی ہے تو فرد کے احساس و جذبات، اطوار اور رویہ آرزوئیں اور تمنائیں فہم اور مشاہدے شکر اور شکوہ بلکہ پوری سوچ عوامی سطح سے برتر ہو جاتی ہے۔ اور اس کا ہر شعر نیا شعر ہوتا ہے۔ اگر کہیں روایت بھی ملتی ہے تو ندرت کے ساتھ۔ میں اسی دعوے کی تائید میں فرداً فرداً ہر عنوان سے مختص کر کے فانی کے شعر علیحدہ علیحدہ تو پیش نہیں کروں گا اس کی سوجھ بوجھ تو فانی کے پورے کلام کو غور و فکر سے پڑھنے کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے تاہم ذیل میں چند شعر ایسے ضرور پیش کروں گا جو میرے نزدیک فانؔی کی اس منزل کمال کی نشاندہی کرتے ہیں جس پر قدرت نے انہیں فائز کیا تھا ذرا آرزو ملاحظہ ہو۔

تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

اب سوچتے رہئے کہ فانی کیا چاہتے ہیں۔ غالب نے تو دیر و حرم کو آئینۂ تکرار تمنا کہہ کے ذمہ داری واماندگیٔ شوق پر ڈالدی مگر فانی کی آرزو آستاں سے دور بھی زندہ و تابندہ ہے۔ ذرا سوچ کا تیکھا پن ملاحظہ ہو کہ شکوہ بھی کس طرح ہو رہا ہے

یا رب تری رحمت سے مایوس نہیں فانؔی
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

اگلے شعر میں اعتراف خطا کا انداز دیکھئے کیا پر لطف بات ہے کہ اپنی لغزش پا کی بھی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں ڈالتے

امید کرم کی ہے ادا میری خطا میں
اک بات نکلتی ہے مری لغزش پا میں

فانی نے اکثر مواقع ''پر کسی نکتہ'' کا اشارہ دیکر چھوڑ دیا ہے اور اسکی وضاحت بالکل نہیں کی ہے جیسے اوپر کے شعر میں ''اک بات نکلتی ہے مری لغزش پا میں'' اب قاری سوچتا پھرے وہ کیا

بات ہے جسکا اشارہ دیا مگر کہی نہیں۔ اکثر جگہ یہ رمز شعری ملتا ہے جو احساس لطیف کو لذت اور ذہن کو دعوت فکر دیتا ہے۔

دو گھڑی کے لئے میزان عدالت ٹھہرے
حشر میں کچھ مجھے کہنا ہے خدا سے پہلے

کیا کہنا ہے؟ یہ راز و نیاز بندہ جانے یا خدا جانے۔ فانی کی طلب صادق نے انکی قوت مشاہدہ کو بھی کمال بخشا ہے ذرا دیکھئے دیکھنے کا انداز کیا ہے اور عالم ہستی کا رمز کیا ہے۔

کیا یہ فانی کررہا تھا عالم ہستی کی سیر
آگے آگے بے خودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

فانی کے اس شعر میں غزل کی ایک پختہ روایت نظر آتی ہے کہ ''اہل ہوش دیوانے ہیں اور دیوانے اہل ہوش ہیں'' یہ بات اوپر کے شعر میں اس خوبصورتی سے کہی ہے کہ بے ساختہ داد دینے کو دل چاہتا ہے مگر میں فانی کو کیا داد دوں داد کے لئے بھی فانی ہی کا رویۂ حیات چاہئے میری داد تو شاید تحسین ناشناس ہو۔ ذرا شمع و پرانے کی روایت میں ندرت کا پہلو ملاحظہ ہو۔

ان کے آگے کھل گیا تھا شمع کا سارا فریب
رات بزم دوست میں پروانہ ہی پروانہ تھا

فانی کے سفر محبت کی بھی عجب شان ہے اس میں کیسی کیسی منزلوں سے گذرتے ہیں۔ اور ان پر معرفت کے کیسے کیسے رموز کھلتے ہیں۔

وہاں سجدے سے اب تک قدسیوں کے سر نہیں اٹھے
پڑا تھا جس جگہ راہ محبت میں قدم میرا

تھا حریم ناز ان کا ، دل کی آخری منزل
ہم نے انکو ڈھونڈا تھا مل گیا نشاں اپنا

معنی و صورت میں ہم نے تیری صورت دیکھ لی
تیری قدرت دیکھ لی انساں کو انساں دیکھ کر

ذرہ میں دشت قطرے میں طوفان چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردہ کہاں کہاں

نگاہوں نے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈا
اسی دھن میں رہے سودائیان جستجو برسوں

امکان معرفت کو سموکر جمال میں
وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں

آخر زمانہ آئینہ دکھلاکے رہ گیا
لانا پڑا تمہیں کو تمھاری مثال میں

فانی کے ہاں یہ نہیں کہ روایتی شاعری ہے ہی نہیں، بالکل ہے مگر رچی بسی، روایت سے آگے بڑھتی ہوئی ''طوراور کلیم'' کی روایت میں ندرت کے پہلو قابل داد ہیں۔

جل رہے ہیں آج بھی دل کے چراغ
طور پر اک شمع جل کر رہ گئی

دنیائے حسن و عشق میں کس کا ظہور تھا
ہر آنکھ برق پاش تھی ہر ذرہ طور تھا

فانی پر ایک ہلکا سا اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کی شاعری میں بعض الفاظ اور تراکیب ثقیل ہیں یہ بات صحیح ہے یہ اعتراض غالب پر بھی ہے کہ" کف خاکستر و قفس رنگ" کیوں کہا سادہ زبان میں یہ بات نہیں کہی جاسکتی، یہ اعتراض ایسا ہے جسے فرسٹ ایر نفسیات کے طلبہ میری نفسیات کی کتب پر اعتراض کرتے ہیں کہ زبان بہت مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نئی بات پرانی زبان میں گہری بات ہلکی زبان میں کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔ بلاغت کی مجبوری یہی ہے کہ وہ عوامی سطح پر نہیں لائی جاسکتی فانی بدایونی شکیل بدایونی کے نغموں والی زبان استعمال کر ہی نہیں سکتے تھے "تیری مری کہانیاں سارا جہان گائے ہے۔" فلمی زبان اور ہوتی ہے علمی زبان اور ہوتی ہے جیسے غالب اور فانی کے بعض تصورات مروجہ غزل کے لئے نامانوس ہیں اسی طرح اصطلاحات اور تراکیب بھی ہیں یہ بات اعلیٰ درجہ کی فکری شاعری میں لازم ہے خود اقبال کے ہاں بھی نامانوس تراکیب بہت ملتی ہیں مگر نظم کی صنف اور آہنگ نے انھیں سہارا دیا ہے غالب اور فانی نے غزل میں نئے تصورات جن تراکیب میں پیش کئے ہیں وہ ثقیل نہیں عام قاری کے لئے مانوس نہیں ہیں اور اگر اس ندرت کی بنیاد پر اعتراض کیا جاتا رہے گا تو شاعر بالآخر یہی کہے گا۔

نہ سہی گر میرے اشعار میں معنیٰ نہ سہی

ویسے فانی کے متعلق شاید یہ بات عام قاری کے علم میں نہیں ہے کہ وہ عناصر اربع میں شاید سب سے بہتر انگریزی، اردو اور فارسی کا علم اور اس پر دسترس رکھتے تھے۔ فانی کی ابتدائی تعلیم اس مدرسہ یا مکتب میں ہوئی جو خود ان کے دادا نواب غلام علی خاں نے قائم کیا تھا اس مدرسہ میں اس دور کے تمام مروجہ مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ اور کئی مشہور اساتذہ کی خدمات اس مدرسہ کو حاصل تھیں۔ منشی وحید اللہ خاں جن سے فانی بہت مانوس تھے اور وہ بھی فانی سے شفقت خاص

فرمانے کے سبب بڑی حد تک فانی کے معاملات میں دخیل رہے۔ اور فانی نے ان کا خاصہ اثر قبول کیا فارسی کے اک نامور استاد اور اچھے شاعر تھے ان کی ہی رفاقت سے فانی کو شاعری کا شوق ہوا۔ فانی نے فارسی اور عربی پر اچھی خاصی دسترس حاصل کر لی تھی۔ انکے والد انگریزی تعلیم کے حق میں نہیں تھے۔ مگر فانی کو اس کا بہت شوق تھا ہر چند کہ اس معاملہ میں منشی وحید اللہ نے فانی کے والد کو راضی کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ راضی نہ ہوئے بالاخر فانی کی والدہ کے زور دینے پر انھوں نے اجازت دیدی اسلئے کہ وہ کبھی اپنی بیوی کی بات ٹالتے نہیں تھے اور نہ ہی گھریلو معاملات میں دخل دیتے تھے۔ فانی کی والدہ ہر ماہ ایک اچھی خاصی رقم غربا پر خرچ کرتی تھیں اور نواب شجاعت علی خاں بیوی کو خوش رکھنے کے لئے غربا کے ناموں کی فہرست اور روپیہ لیکر رات کو خود نکلتے اور غربا میں تقسیم کرتے تھے۔ فانی مکتب کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ ہائی اسکول بدایوں میں داخل ہوگئے اور وہاں سے انھوں نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسی سال یعنی ۱۸۹۷ء میں بریلی کالج میں داخل ہوگئے۔ مکتب کے اساتذہ میں فانی کے ایک اور استاد۔ مولوی نور الحق صاحب فانی سے بہت قربت رکھتے تھے اور فانی کے نجی معاملات میں بھی دخیل تھے۔ فانی بحیثیت طالب علم بہت ذہین اور محنتی تھے انھوں نے انٹر کا امتحان، ایف اے بھی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا پھر بی اے میں داخلہ لیا فلسفہ ان کا پسندیدہ مضمون تھا انھوں نے فلسفہ کے ساتھ بی اے فرسٹ ڈویژن میں فرسٹ پوزیشن لے کر پاس کیا اور علی گڑھ سے ایل ایل بی کیا ۱۹۰۲ء میں فانی کے والد کی مرضی اور پسند سے فانی کی شادی بڑے دھوم دھام سے ہوئی۔ مولوی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اپنی تمام زندگی میں اسقدر شاندار شادی نہیں دیکھی جس میں روپیہ پانی کی مانند بہایا گیا۔ بارہ یوم تک اہل شہر کو کھانا دیا جاتا رہا، تمام شہر میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں وہ ایک یادگار شادی تھی۔ یہ شادی فانی کی نیاز مندی اور انکے والد کی تحکم پسندی کا نتیجہ تھی۔ فانی دل سے اس شادی کے

لئے تیارنہیں تھے اسلئے کہ بڑی شدومد سے ایک معاملہ دل بھی چل رہا تھا فانی اس سے شدید متاثر تھے بلکہ طرفین اس میں انتہائی شدت سے مبتلا تھے جب سے فانی کی شادی کی بات چلی اسوقت سے فانی بے حد پریشان اور مغموم رہنے لگے تھے اس لئے کہ فانی کے نزدیک آغاز شادی انکے لئے آغاز بربادی تھا مگر فانی نے اپنا رازدل کسی کو نہیں بتایا بالکل آخری مراحل میں وہ اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ مولوی نورالحق صاحب فانی کے والد سے اس موضوع پر گفتگو کر کے دیکھیں اگر وہ راضی ہو گئے تو فانی اپنا رازدل بیان کر دینگے جب نواب شجاعت علی خاں کے کان تک یہ بات پہنچی کہ فانی کی دلچسپی کہیں اور ہے تو انھوں نے مولوی صاحب سے کہا کیا صاحبزادے اپنی اچھائی اور برائی ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ہم نے ان کے لئے جو فیصلہ کیا ہے وہی درست اور آخری ہے۔اس فیصلے سے فانی کو صدمہ جانکاہ برداشت کرنا پڑا اس نے فانی کی زندگی میں طوفان برپا کر دیا گویا غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا دوسری طرف بھی شدت غم کی انتہا تھی۔ ادھر فانی کی صحت بری طرح متاثر ہوئی اور ادھر انکی محبوبہ شدت غم کی تاب نہ لا کر عالم فانی سے کوچ کر گئیں مگر فانی نے کسی کو نہ تو ان کا نام نشان بتایا نہ انکے والدین، خاندان اور رہائش کی نشاندہی کی البتہ یہ ہے کہ فانی بار بار لکھنو جایا کرتے تھے اور انھوں نے آغاز وکلات بھی وہیں سے کیا تھا بعد میں فانی کی ایک رباعی سے اندازہ ہوا کہ وہ خاتون لکھنو کی تھیں اور ان کا انتقال ہو چکا ہے۔رباعی یہ ہے

جو شے نہوا سکی آرزو سے حاصل
فانی راحت کی جستجو سے حاصل
تو جس کی تلاش میں ہے، دنیا میں نہیں
پھر حسرت سیر لکھنو سے حاصل

فانی نے اپنی مشہور غزل ''کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ'' اسی حادثہ کے چند

ہفتہ بعد کہی تھی۔

عشق کی ناکامی صرف فانی کا ہی مقدر نہیں تھی بہت سے لوگوں کو اس ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ہے مگر سب قیس و فرہاد و فانی نہیں ہوتے۔ مختلف شخصیتوں پر اس ناکامی کا اثر مختلف ہوتا ہے بارش تو ہر جگہ ایک ہی جیسی ہوتی ہے مگر اس کا مآل گلزار پر کچھ اور ''کوڑے دان'' پر کچھ اور

چوٹ لگنے کو تو لگتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

فانی آغاز عمر میں ایک ''زندہ وخنداں'' نوجوان تھے مولوی صاحب کے بقول فانی نہایت ذہین، بامروت باادب، خوش اخلاق، خوش پوش، حد درجہ منکسر المزاج اور ملنسار تھے۔ انکے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی ان میں بذلہ سنجی، حاضر جوابی اور شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ بچپن سے مذہب سے بے حد محبت کرتے تھے۔ نماز اور تلاوت قرآن کے سخت پابند تھے اوائل عمر سے ہی انہیں فارسی اور عربی پر اچھا خاصہ عبور ہو چکا تھا جسے انکے مسلسل مطالعہ نے مستحکم کر دیا تھا۔ ایسی باغ و بہار شخصیت کو جب عشق کی بھٹی میں تپ کر نکلنا پڑا تو وہ کندن ہو چکی تھی۔ ہر چند ان کے والد مرحوم آخر میں اپنے فیصلہ پر نادم اور شرمندہ تھے مگر مشیت کو ان سے جو کام لینا تھا وہ ہو چکا تھا۔

عام طور پر غم کے دو ممکنہ ردعمل ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ آدمی غم بھلانے کے اور دل بہلانے کے لئے شراب، کباب اور منشیات میں پڑ کر جھوٹی خوشیوں کا سہارا لیتا ہے۔ اور صدمہ جانکاہ کے ردعمل کو ایک ظاہرہ طرب انگیزی میں بدل دیتا ہے یا پھر بے حسی کی نذر کر دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ آدمی عارضی راحتوں، جھوٹی دنیادارانہ فانی لذتوں کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد غم کو اپنی روح کی گھرائیوں میں اتار کر روح کے اس صدمہ سے ہمرنگ کرلیتا ھے، جو اسے اپنے مرکز سے جدائی

اور بقا سے عالم فنا میں منتقل ہونے کے سبب ہوتا ہے . یہ غم جب زندگی کی اعلیٰ ترین سطح پر معراج انسانیت بن کر ظاہر ہوا تو اس نے یہ شکل اختیار کی ہے'' کہ زندگی میں کبھی قہقہہ نہیں لگایا مسکرائے کم مگر ہر وقت یہ محسوس ہوا کہ مسکرانے والے ہیں . ''

اک برق سرِ طور ہے لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی

تو فانی بھی اسی محسن انسانیت اور خیر البشر ﷺ کے رویوں سے کسب نور کرنے والے تھے کہ انھوں نے اپنے غم کو اپنے اندر اتار کر اپنے فن کے ذریعہ زندگی کی اعلیٰ ترین قدروں کو شعر کا روپ دیا فانی طالب دنیا نہیں تھے۔ بلکہ ایک طور ''پرتارک'' تھے اور آخر میں انکی طلب یہ ہوگئی تھی کہ

جی ڈھونڈتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

ہر بڑے آدمی کی زندگی کی آخری منزل یہی ہوتی ہے غالب کو بھی آخر میں ایک ایسے ہی گھر کی آرزو ہوگئی تھی۔

بے درودیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہم سایہ نہو اور پاسباں کوئی نہو

جب تک یہ گھر نصیب نہیں ہوتا اور زمین کے اوپر آسمان کے نیچے درودیوار والے گھر میں رہنا پڑتا ہے تو طلب یہ ہو جاتی ہے کہ

اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یارب
درو دیوار دیئے اب انھیں ویرانی دے

راقم الحرف نے اس شعر پر تضمین کے مصرعے عرض کئے ہیں آپ بھی سن لیجئے

کیوں کہوں صاحب صد جاہ وحشم کر یارب
میرا مطلوب جو ہے اسکو بہم کر یارب
یہ نہیں کہتا کہ ہم رنگ ارم کر یارب
اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یارب
درودیوار دیئے اب انھیں ویرانی دے

آخر میں ایک اور جملہ فانؔی سے متعلق عرض کردوں کہ دنیائے شاعری میں مجھے کہیں غالبؔ فانؔی سے آگے نظر آتے ہیں اور کہیں فانؔی غالبؔ سے آگے مگر بحیثیت انسان فانؔی کا مقام بہت بلند ھے.

روشن ہوئی جو بزم بدایوں میں شمع غم
بزم غزل میں باعث تنویر بن گئی
غالبؔ کا ذہن میرؔ کا دل دردؔ کی نظر
یکجا ہوئے تو فانؔی کی تصویر بن گئی

فائقؔ بدایونی

☆☆☆

آٹھواں باب

ایک گذارش

اے ایمان والو

اللّٰہ کی اطاعت کرو

اور

اللّٰہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو

اور

اسکی جو تم میں صاحب امر ھو

جو شخص اس حکم کا انکار کرے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ کسی حکم کے جزو کا منکر ہونا بھی کل سے انکار کے معنی رکھتا ہے۔ مندرجہ بالا حکم قرآنی کی رو سے صرف اللہ اور اسکے رسول پاک علیہ السلام کا مطیع ہونا ہی کافی نہیں بلکہ ہم میں سے جسے امر کیا جائے اسکی اطاعت بھی لازم ہے اگر صاحب امر سے مراد دنیاوی حاکم لی جائے تو ڈپٹی کمشنر، گورنر، وزیر اعظم یا صدر کسے حاکم مانا جائے؟ اور اگر ان میں سے کسی کو امر تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا برطانیہ،، فرانس، جرمنی، امریکہ، چین اور اسٹریلیا کے رہنے والے مسلمان وہاں کے غیر مسلم افسران بالا کی اطاعت کریں یا اس حکم قرآنی پر عمل پیرا ہونے سے جزوی طور پر آزاد ہو جائیں؟ ہر گز نہیں

یہ فساد ذہنی وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں ''امر'' سے مراد دنیاوی حاکم لی جائے اس تعبیر کی روشنی میں بنوامیہ اور نبو عباس کے دور میں اور اسکے بعد فاسق حکومتوں کے خلاف جہاد کرنے والے اور شہادت پانے والے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے تمام اکابرین گمراہ اور قرآن حکیم کے منکر قرار پاتے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

سرکار دو عالم ﷺ نے جب امیر کی اطاعت کا حکم دیا تو اسکے پابند شرع ہونے کی شرط عائد کردی تھی اس لئے کہ دنیاوی حاکم غلط کار اور گمراہ بھی ہوسکتا ہے مگر قرآن حکیم نے امر کے لئے کوئی شرط عائد نہیں کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''امر'' وہ ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات سے متضاد ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ وہی کہے گا جو قرآن حکیم کہتا ہے چنانچہ ہر عہد اور ہر علاقے کے مسلمانوں پر لازم آتا ہے کہ صاحب امر کی تلاش کر کے اسکے فرمابنردار اور مطیع ہو جائیں اور اس واہمے میں مبتلا نہ ہوں کہ ایک وقت میں پوری دنیا کے لئے ایک ہی امر ہوگا (سوائے اسکے کہ جو لوگ امام غائب کا تصور رکھتے ہیں) یہ نہ تو دنیاوی لحاظ سے ممکن ہے اور نہ باطنی نظام کے لحاظ سے چنانچہ ہر عہد اور ہر علاقے کے مسلمانوں کو آپ میں سے ہی امر تلاش کرنا ہے۔ جس پر دل گواہی دے اور دیگر مسلمان بھی متفق ہوں اس کا مطیع ہو جانے سے قرآن پاک کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے صحابہ کرام میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے امر یا امیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی اطاعت نہ کی ہو۔ یہ طریقۂ بیعت صحیح العقیدہ مسلمانوں میں آج تک رائج ہے۔

جو لوگ اس حکم کی تعمیل سے ابھی تک قاصر رہے ہیں وہ اپنی اصلاح کریں اور کسی پابند شرع بزرگ کے ہاتھ پر جسے وہ ''امر'' تصور کرتے ہوں فوراً بیعت کریں۔

یہ گذارش بدایوں کے اولیاء و، شہدا کے تذکرے اور معاشرت و ثقافت کی تشریح

کے بعد اس لئے لازم تھی کہ اہل بدایوں کی اکثریت صحیح العقیدہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اولیائے کرام اور بزرگان دین کے فیضان وتصرف کے قائل ہیں مگر فی زمانہ بیعت ہونے کا عقیدہ پس منظر میں جاتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ جیسے اولیائے کرام سے عقیدت ومحبت اللہ واسطے کی نہیں بلکہ اپنی اغراض وحاجت روایوں کے واسطے ہے۔ ایسی عقیدت تو بدایوں کے بہت سے ہندو بھی اولیائے بدایوں سے رکھتے ہیں مگر ان کے مسلک اور عقیدے پر عمل پیرا نہیں ہیں۔

راقم الحروف ملت اسلامیہ کے تمام افراد بالخصوص نوجوانوں سے اور خاص کر بدایوں کی نوجوان نسل سے گذارش کرتا ہے کہ وہ اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے کا فیصلہ کر کے علمائے سوء کی ان کاوشوں کا تدارک کریں۔ جو اہلسنت کے حنفی بریلوی مسلک کو بدعت سے تعبیر کرتے ہیں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ صحابۂ کرام کا عمل یعنی بیعت کرنا کس طرح بدعت ہوسکتا ہے بھولے بھالے اور سیدھے سادے مسلمان نوجوان آج کل وہابیت کے فریب میں آنے لگے ہیں اور غیر مقلد ہونے کو ''توحید'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کے فیضان وکرم سے انکار کرنا ایک طور پر نبوت جاریہ یعنی سرکار دو عالمؐ کے فیضان باطنی سے انکار کے معنی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شیطانی منطق کے چنگل میں پھنسے ہوئے اپنے بندوں کو توفیق دے کہ وہ اس سیدھے راستے کی ہدایت پائیں جس پر چلنے والے اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کے مستحق ہوئے ہیں اور جنھیں نہ کوئی خوف ہے نہ غم ''آمین''۔

محمد فائق صدیقی قادری بدایونی

حرف آخر

میرے بداؤں پر انقلاب کے اثرات بد............ مسلمانوں کی زبوں حالی .... اقتصادی پسماندگی.......... لادینیت کا غلبہ........ رشتوں کے ٹوٹنے اور خاندانوں کے تقسیم ہونے کا المیہ........ قاضی ٹولہ' سید باڑہ' شیخ پٹی میردہ محلہ اور ملحقات کی آبادی سے مسلمانوں کا انخلا........... مسلم املاک اور مساجد پر غیر مسلموں کا تسلط' ان سب باتوں کے باوجود مجھے خوشی ہے کہ بدایوں کے مسلمانوں نے ہمت نہیں ہاری۔ مجھے یہ سوچ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ ابھی بدایوں میں ضیا علی خاں اشرفی جیسے محقق .... سالم القادری جیسے دینی اکابر.......... عرفان صدیقی جیسے شاعر........ حضرت شاداں جیسے صحافی.......... ڈاکٹر شمس جیسے ادیب.......... اور تسلیم اللہ غوری جیسے قلم کار اپنے آباؤ اجداد کے دینی' علمی' ادبی' شعری' ثقافتی' تاریخی اور تہذیبی ورثہ کے امین بنے ہوئے ہیں۔

سانچے میں اعتماد کے ڈھالے ہوئے تو ہیں
دیوانے زندگی کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

اللہ ان کی مدد فرمائے اور بدایوں کے نوجوانوں کو توفیق دے کہ وہ حال کی لذت اور مستقبل کے خواب دیکھنے کے شوق میں اپنے ماضی کی عظمت کو بھلا نہ دیں۔ بلکہ آنے والے کل کو گذرے ہوئے کل سے مربوط کرنے کی کوشش میں مصروف رہیں۔

میں تو چراغ سحری ہوں کب تک بداؤں بداؤں کرتا رہوں گا۔ کاش میرے اور میرے معاصرین کے احساس و جذبات آنے والی نسلوں میں منتقل ہو کر اپنے اسلاف کے کارناموں کے محافظ رہیں اور اسلامی اقدار کے ساتھ اولیائے کرام کی اتباع میں حبّ رسول وآل رسول انکے افعال و اعمال کی محرّک بنی رہے۔ (آمین)

شجرہ نسب

امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ

۲ عبدالرحمٰن ۳ عبداللہ ۴ عبیداللہ ۵ صفی اللہ

شیخ احمد عرف شیخ یعقوب ۸ عبداللہ مکی قریشی ۷ عبدالرحمٰن ۶

۹ شیخ محمد ۱۰ شیخ برہان ۱۱ شیخ شمس الدین ۱۲ شیخ شہاب الدین

مولانا حسام الدین ۱۵ شیخ رفیع الدین ۱۴ شیخ محمد یوسف ۱۳

۱۶ شیخ مطیع اللہ شروانی (مطاخر سوار ۔ آمد لاہور ۵۷۴ھ بدایوں ۶۲۰ھ)

شیخ عبدالحمید ۱۹ شیخ حبیب اللہ ۱۸ شیخ محمد ۱۷

۲۰ شیخ محمد شریف ۲۱ شیخ عبداللطیف ۲۲ شیخ محمد حنیف

شیخ مولوی محسن علی ۲۵ شیخ محمد مکمل شہید ۲۴ شیخ محمد واصل ۲۳

۲۶ شیخ محمد صالح ۲۷ شیخ محمد اصلح ۲۸ شیخ محمد علی عباس

محمد اشفاق ۲۹ محمد شائق ۲۹ محمد فائق ۲۹

۳۰ محمد شاہ رخ صدیقی

۳۰ محمد عزیز صدیقی ۳۰ محمد اسید صدیقی

۳۰ محمد اویس صدیقی ۳۰ محمد بلال صدیقی ۳۰ محمد زید صدیقی

مرسلہ صدیقی ہنیہ صدیقی ۳۱ محمد شکیب صدیقی

مصنف کی دیگر کتب

☆ متاعِ آخرت	نعتیہ مجموعہ
☆ اجالے	مناقب وطریقت
☆ صدیوں کا سفر (بدایوں سے کراچی تک)	سرگزشت
☆ نفسیات	نصابی
☆ مسائل نفسیات	نصابی
☆ اختیاری نفسیات	نصابی
☆ تعلیمی تحقیق	نصابی
☆ نفسیات کے اختیاری مسائل	نصابی
☆ عملی نفسیات (حصہ اول، دوئم)	نصابی
☆ عملی نفسیات (حصہ سوم)	نصابی
☆ عملی نفسیات (حصہ چہارم)	نصابی
☆ سماجی نفسیات	نصابی
☆ شماریات	نصابی

☆ پرابلمس آف سایکالوجی (انگریزی ترجمہ فادر اگسٹین فرنینڈس)

☆ ایکسپیر یمینٹل سایکالوجی (انگریزی ترجمہ فادر اگسٹین فرنینڈس)